رجسٹرڈ نمبر ۱۰۷۱ جولائی سنہ ۱۹۳۴ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر: دار المصنفین اعظم گڑھ

تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی حصہ سوم، منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام
[illegible] دنیا کی حالت، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی
[illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے
[illegible] معجزات [illegible] مباحث، ضخامت ۔۔ صفحے، قیمت
[illegible] تقطیع کلاں،

خیام [illegible] تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی
[illegible] حیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام
[illegible] رسالوں کو ضمیمہ اور اس کے علمی باعیات
[illegible] خیام کے مباحث پر بہت ہی
[illegible] محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی
[illegible] ضخامت ۔۔ صفحے، کتابت وطباعت و کاغذ اعلیٰ
قیمت [illegible] مجلد للعہ

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود،
[illegible] اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی
[illegible] قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی،
[illegible] آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید
[illegible] طبع دوم، ضخامت ۳۴۲ صفحے قیمت [illegible]
ارض القرآن حصہ دوم، قرآن مجید کے مذکورہ قوموں کا ذکر [illegible]
[illegible] سبا، اصحاب الایکہ، قوم الیاس، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس
[illegible] بنو قیدار، انصار، قریش کی تاریخ اور عرب
[illegible] مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت [illegible]
قیمت [illegible] طبع دوم،
[illegible] تعلقات [illegible] ہندوستان کے علمی تجارتی [illegible]

تعلقات عرب و ہند پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈیمی الٰہ آباد میں دیئے، وہ خوبصورت اور [illegible] کتاب میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت للعہ، ضخامت ۳۴۰ صفحے،

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور انکے مناقب، فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکے احسانات، اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۳۰۵ صفحے، قیمت [illegible]

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک پر تبصرہ طبع دوم ضخامت ۱۶۰ صفحے، قیمت [illegible]

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنت والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیحہ کی تشریح طبع دوم قیمت [illegible] حجم ۴۵ صفحے،

لغات جدیدہ، عربی زبان کے اخبارات و رسائل، تصنیفات اور بول چال میں ہزاروں نئے الفاظ پیدا ہوگئے ہیں جن کے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب میں اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کی لغت لکھا ہے، طبع دوم، قیمت [illegible] ضخامت ۱۷۱ صفحے،

دروس الادب ۱ و ۲، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈر، جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کی [illegible] ساتھ تعلیم [illegible] ہوجائے، اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہے، طبع سوم [illegible] قیمت [illegible] دوسرا حصہ طبع سوم قیمت [illegible]

| جلد ۳۴ | ماہ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۴ء | عدد ۱ |

مضامین

شذرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible] لوگ گرمیون مین پہاڑی مقامات کا رخ کرتے ہین، اور مین نے اس کے لئے اپنی خاک وطن (دیسنہ ضلع پٹنہ) کی دیہاتی و دہقانی زندگی پسند کی ہے، دو مہینون سے مین اپنے مرکز (دار المصنفین اعظم گڈھ) سے دور ہون، اس درمیان مین احباب کے خطوط بھی دیر سے ملتے رہے، اور اسی نسبت سے جواب مین تاخیر و تعویق ہوتی رہی، اور اب بھی بہت سے دوستون کے خطوط کا مقروض ہون جس کے لئے ان سے معافی کا خواستگار ہون، امید ہے کہ ۱۵ر جولائی تک مین اپنے مرکز مین پہنچ جاؤنگا، اور ان تنخواہون کے تقاضون اور مطالبون سے نجات پانے کی جلد کوشش کرونگا،

اسی اثنا مین صوبہ بہار و اڑیسہ کے سرکاری عربی مدارس کی ترتیب نصاب کے سلسلہ مین رانچی کے سفر کا اتفاق ہوا، یہ [illegible] کی [illegible] موٹر پر طے ہوا، ہمارے وطن سے رانچی دو سو میل ہے، یہ دو سو میل ۸ گھنٹون مین طے ہوئے، [illegible] ہم نشین اور عزیز دوست مولنا مناظر احسن صاحب گیلانی تھے، راستہ ادبی، مذہبی اور صوفیانہ [illegible] بہت دلچسپی کیساتھ کٹا، رانچی جانے کا پہلے بھی اتفاق ہوا تھا جب مولنا ابو الکلام صاحب آزاد [illegible] راستہ سے موٹر کے ذریعہ جانے کا پہلا اتفاق تھا، انتہائی جنوبی بہار اور [illegible] تاریخ قدیم کے بہت سے کہنہ اوراق، اور عجائبات فطرت کے متعدد دلچسپ صفحات نظر کے سامنے کردیئے

[illegible] صوبہ مگدھ کا اسلامی نام بہار پڑگیا، بودھ مذہب کی حکومت و حکمت کا قدیم پایہ تخت ہے [illegible] جس کے معنی بودھ درسگاہ اور خانقاہ کے ہین، اس تعلق سے پہلے اس قصبہ کا نام بھی

پورے صوبہ کا نام وہیار (بہار) پڑگیا، بہار سے ایک سڑک تو پٹنہ کو جاتی ہے، جسکا قدیم نام پاٹلی پُتر ہے اور دوسری گیا کو، یہ دونون راستے بودھون کے پرانے تاریخی آثار سے بھرے پڑے ہین، بہار سے گیا کو جو سڑک جاتی ہو، اسمین بہا کے بعد سے ۲۲ میل کی مسافت پر ایک قصبہ نوادہ آتا ہے، جس کی فارسی اصل (بقول رفیق سفر مولنا) نو آباد ہے، یہ مغلون کے اخیر عہد طوائف الملوکی مین ایک حوصلہ مند امیر نواب کامگار خان کا دارالامارہ تھا، اس خاندان کے کچھ لوگ اب بھی زمیندار کی حیثیت سے اس کے آس پاس رہتے ہین،

بہار سے آگے بڑھکر ایک سڑک تو نوادہ ہوکر گیا چلی جاتی ہے، اور دوسری راجگیر کو جاتی ہے، جو قدیم ہندو اور بودھ اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے چلہ گاہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانون کے توجہات کا مرکز بھی ہے، اسی قصبۂ بہار اور راجگیر کے بیچ مین مشہور بودھ درسگاہ نالندہ کے کھنڈر واقع ہین، بہار اور نوادہ کے درمیان نوادہ سے دو میل پہلے پاواپوری نام جینیون کی سب سے بڑی مذہبی پرستشگاہ ہے، یہ مقام جینی مت کے بانی کی جائے پیدایش ہے، یہان ان کے مندرون کا سلسلہ دور تک قائم ہے، اور مارواڑیون کی دولتمندی کا مظہر ہے،

نوادہ سے آگے نکلے تو وہ سڑک ملی جو شیر شاہ نے مغربی سرحد سے لیکر بنگال تک بنائی تھی سنا ہے اس کے قریب اسکی بنائی ہوئی سرایون، مسجدون، اور دھرمسالون کے مٹے مٹے نشان کہین کہین ملتے ہین، پھر رجولی کا جنگل آیا، جو ہندوستان مین شیرون کے شکار کے لئے مشہور ہے، اس کے بعد اَبرک کے پہاڑون کا سلسلہ شروع ہوا، ٹھیک بارہ بجے دن کا وقت تھا آفتاب کی روشنی پورے عروج پر تھی، اور ساری زمین، میدان اور پہاڑی سلسلہ ابرک کی ضوفشانی سے جگمگا رہا تھا، اور آنکھون کو خیرہ کر رہا تھا،

اس کے بعد کوڈرمہ کی نئی آبادی آئی، جہان ریلوے اسٹیشن ہے، آج سے بیس سال پہلے جب یہ آباد تھا

ایک مسلمان صاحب دل حکیم بادشاہ میان صاحب نے اسکو اپنی سکونت کیلئے پسند کیا، حکیم صاحب ممدوح ایک طرف شیرون کا شکار اور دوسری طرف انسانی دلون کا شکار کیا کرتے ہین، چنانچہ ممدوح نے اپنے دونون شکار دکھائے، ایک بہت بڑے شیر کی کھال نے مجھ کو دکھائی جس سے بڑا شیر ہندوستان مین شاید ہی شکار ہوا ہو، اور ایک تعلیم یافتہ بنگالی نوجوان کو دکھایا جو صدق دل سے مسلمان ہو کر حقیقی مسلمان بنگیا ہے،

تھوڑی دیر کے بعد ہزاری باغ آیا، اور اُس احاطہ کے سامنے سے گذر ہوا جہان صوبہ سرحد کا شیر خان عبدالغفار خان اینٹون کے کٹہرہ مین بند تھا، یہ قیدخانہ آبادی سے دور ایک کھلے میدان مین واقع ہے، ہزاری باغ کی آبادی سے نکلے تو بارہ میل کا ایک جنگل شروع ہوا، یہ پورا علاقہ رانچی کے رام گڑھ کے راجہ کی ملکیت ہے جنگل سے باہر ہوئے تو رانچی کی چڑھائی آئی،

رانچی ایک بلند کھلے میدان مین واقع ہے، شہر کی آبادی پچاس ہزار ہے، ایک چوتھائی مسلمان ہین، مولنٰا ابو الکلام آزاد کی نظربندی کی وجہ سے یہان ایک انجمن اسلامیہ اور اسکا مدرسہ قائم ہے، مدرسہ اور انجمن کی خاص عمارت ہے، شہر کے اندر سیر کے قابل [illegible] عمارتین نہین، یا حکومت کے صیغون کے دفاتر کی معمولی عمارتین ہین،

[illegible] سے یہان ایک عجیب جائے عبرت دیکھنے مین آئی ہے، شہر سے باہر سر علی امام کا وہ ناتمام قصر واقع ہے جس کے [illegible] دالان اور سقف کی زبان حال، انسانی آرزوؤن کی ناتمامی کی داستان سنا رہی ہے، اس عظیم الشان قصر [illegible] درختون سے بھرا ہے، اور ہائے افسوس کہ اس عظیم الشان قصر و باغ کے ایک دور افتادہ گوشہ مین بھوس [illegible] ملک اور اولو العزم بانی دو گز ہی کے فرش پر تنہا پڑا سو رہا ہے، زبان نے اس فرش خاک پر سونے والے [illegible] نکلی، اور آنکھون نے آنسوؤن کے چند پھول تربت پر چڑھائے، اور دل نے کہا،

آئے تھے دنیا مین اس دن کے لئے

مقالات

مُقر، قلاتِ غلزی، اور قندہار

منزلین اس اکتوبر کی صبح کو غزنین سے آگے روانہ ہوئے، ہمارا مختصر قافلہ آج بھی دو موٹرون اور دو لاریون پر مشتمل تھا، غزنین کے بعد موٹر کی پہلی منزل مقر ہوتی ہے، اور دوسری قلاتِ غلزی، مگر رفیقون کی جلدی کے باعث آج مُقر اور قلات کی دو منزلین ایک ساتھ طے کرنی ہین،

غزنین سے مُقر نوّے میل ہے، پہلے عموماً یہ راستہ سات منزلون مین ختم کیا جاتا تھا پہلی منزل قلعہ نانی، دوسری قرہ باغ، تیسری قلعہ غوجان، چوتھی قلعہ مکور، پانچوین چشمہ سرہ، چھٹی قلعہ ترین[1] پھر قلات مگر موٹر کیلئے یہ سات منزلین چند گھنٹون کا راستہ ہے، چنانچہ ہم ۸ بجے صبح کو غزنین سے روانہ ہوے اور ۱۱ بجے دوپہر کو مُقر پہنچ گئے، راستہ بہت صاف اور ہموار تھا، جگہ جگہ گاؤن ملے، وادیون مین کھیتون کے بڑے بڑے تختے نظر آئے، جا بجا چشمے بھی بہ رہے تھے،

مُقر یعنی پرانا بیہق بیہق ایک پرانے تاریخی شہر کا نام ہے، جہان سے بڑے بڑے ائمہ حدیث، مورخین اور اہل ادب انشا پیدا ہوئے ہین، یاقوت نے معجم البلدان مین بیہق کے علاقہ کو ایک پورا ضلع قرار دیا ہے، اور جسکی جائے وقوع نیشاپور، قومس اور جوین کے بیچ مین بتائی ہے، اور لکھا ہے کہ بیہق کی ابتدائی حد سے نیشاپور تک ساٹھ فرسنگ ہین (یعنی موجودہ ایکسو بیس میل) اس کا پرانا صدر مقام خسروگرد تھا، پھر سبزوار ہوگیا، اس کے اندر تین سو اکیس گاؤن تھے، اس کا فارسی تلفظ بیہہ ہے، مگر عربون نے اپنے قاعدہ سے اسکو بیہق بنا دیا اور وہی مشہور ہوگیا، ابوبکر احمد بن حسین مشہور بہ امام بیہقی شافعی جن کی سنن بیہقی اور دلائل النبوہ مشہور کتابین ہین بیہق کے تھے، نوجوان افغانون کا دعویٰ ہے کہ پرانا بیہق یہی ہے، چنانچہ ہمارے فاضل افغان رفیق سفر سرور خان

[1] ترین پٹھانون کا ایک قبیلہ ہے۔

ایک مسلمان صاحبِ دل حکیم بادشاہ میان صاحب نے اسکو اپنی سکونت کیلئے پسند کیا، حکیم صاحب ممدوح ایک طرف شیرون کا شکار اور دوسری طرف انسانی دلون کا شکار کیا کرتے ہین، چنانچہ ممدوح نے اپنے دونون شکار دکھائے، ایک بہت بڑے شیر کی کھال مع سر دکھائی جس سے بڑا شیر ہندوستان مین شاید ہی شکار ہوا ہو، اور ایک تعلیم یافتہ بنگالی نوجوان کو دکھایا جو صدقِ دل سے مسلمان ہو کر متقی مسلمان بنگیا ہے،

کوڈرمہ کے بعد ہزاری باغ آیا، اور اُس احاطہ کے سامنے سے گذر ہوا جہان صوبہ سرحد کا شیر خان عبد الغفار خان اینٹون کے کٹہرہ مین بند تھا، یہ قید خانہ آبادی سے دور ایک کھلے میدان مین واقع ہے، ہزاری باغ کی آبادی سے نکلے تو بارہ میل کا ایک لمبا جنگل شروع ہوا، یہ پورا علاقہ مع رانچی کے رام گڑھ کے راجہ کی ملکیت ہے، جنگل سے باہر ہوئے تو رانچی کی چڑھائی آئی،

رانچی ایک بلند کھلے میدان مین واقع ہے، شہر کی آبادی پچاس ہزار ہے، ایک چوتھائی مسلمان ہین، مولنا ابو الکلام آزاد کی نظر بندی کی یادگار یہان ایک انجمن اسلامیہ اور اسکا مدرسہ قائم ہے، مدرسہ اور انجمن کی خاص عمارت ہے، شہر کے اندر سیر کے قابل کوئی چیز نہین، جابجا حکومت کے صیغون کے دفاتر کی معمولی عمارتین ہین،

لیکن دو برس سے یہان ایک عجیب جائے عبرت وجود مین آئی ہے، شہر سے باہر سر علی امام کا وہ ناتمام قصر واقع ہے جس کے سر بفلک ستونون، منارون اور سقف کی زبان حال، انسانی آرزوؤن کی ناتمامی کی داستان سنا رہی ہے، اس عظیم الشان قصر کا دامن قسم قسم کے نادر درختون سے بھرا ہے، اور ہائے افسوس کہ اس عظیم الشان قصر و باغ کے ایک دور افتادہ گوشہ مین پھوس کے ایک چھپر کے نیچے اسکا اولوالعزم بانی دو گز مٹی کے فرش پر تنہا پڑا سو رہا ہے، زبان نے اس فرش خاک پر سونے والے کے لئے دعائے مغفرت مانگی، اور آنکھون نے آنسوؤن کے چند پھول تربت پر چڑھائے، اور دل نے کہا،

آئے تھے دنیا مین اس دن کے لئے

مقالات

مُقر، قلاتِ غلزی اور قندہار

منزلین ۳۱ر اکتوبر کی صبح کو غزنین سے آگے روانہ ہوے، ہمارا مختصر قافلہ آج بھی دو موٹروں اور دو لاریوں پر مشتمل ہے، غزنین کے بعد موٹر کی پہلی منزل مقر ہوتی ہے، اور دوسری قلاتِ غلزی، مگر رفیقوں کی جلدی کے باعث آج مُقر اور قلات کی دو منزلین ایک ساتھ طے کرنی ہین،

غزنین سے مُقر نوّے میل ہے، پہلے عموماً یہ راستہ سات منزلون مین ختم کیا جاتا تھا پہلی منزل قلعہ نانی، دوسری قرہ باغ، تیسری قلعہ غوجان، چوتھی قلعہ مکّور، پانچوین چشمہ سرہ، چھٹی قلعہ ترین[1] پھر قلات مگر موٹر کیلئے یہ سات منزلین چند گھنٹون کا راستہ ہے، چنانچہ ہم ۸ بجے صبح کو غزنین سے روانہ ہوے اور ۱۱ بجے دوپہر کو مُقر پہنچ گئے، راستہ بہت صاف اور ہموار تھا، جگہ جگہ گاؤن ملے، وادیون مین کھیتون کے بڑے بڑے تختے نظر آئے، جا بجا چشمے بھی بہ رہے تھے،

مُقر یعنی پرانا بیہق بیہق ایک پرانے تاریخی شہر کا نام ہے جہان سے بڑے بڑے ائمہ حدیث، مورخین اور اہل ادب انشا پیدا ہوئے ہین یاقوت نے معجم البلدان مین بیہق کے علاقہ کو ایک پورا ضلع قرار دیا ہے، اور جسکی جائے وقوع نیشاپور، قومس اور جوین کے بیچ مین بتائی ہے اور لکھا ہے کہ بیہق کی ابتدائی حد سے نیشاپور تک ساٹھ فرسنگ ہین (یعنی موجودہ ایکسو تیس میل) اس کا پرانا صدر مقام خسروگرد تھا، پھر سبزوار ہوگیا، اس کے اندر تین سو اکیس گاؤن تھے، اس کا فارسی تلفظ بیہہ ہے، مگر عربون نے اپنے قاعدہ سے اسکو بیہق بنا دیا اور وہی مشہور ہوگیا، ابوبکر احمد بن حسین مشہور بہ امام بیہقی شافعی جن کی سنن بیہقی اور دلائل النبوۃ مشہور کتابین ہین بیہق کے نوجوان افغانون کا دعوی ہے کہ پرانا بیہق یہی ہے، چنانچہ ہمارے فاضل افغان رفیق سفر سرور خان

[1] ترین پٹھانون کا ایک قبیلہ ہے،

گویا نے بڑے وثوق کے ساتھ مجھے اسکا یقین دلایا، مقبرے کے قریب دو قبرون کے روضے دکھائی دیئے، فاضل مذکور نے بتایا کہ ان مین سے ایک ابو الفضل بیہقی کی قبر ہے، اور دوسری ابو نصر مشکانی کی، ابو الفضل بیہقی غزنوی خاندان کا مشہور مورخ ہے ۴۷۰ھ مین وفات پائی ہے، ابو نصر مشکانی بھی اسی عہد کا ادیب و مورخ ہے جسکی تصنیف مقامات پچھلے مصنفین کا ماخذ ہے

مقبرہ مین داخلہ اور روانگی

مقبرہ ایک وسیع و خوش فضا میدان مین واقع ہے، آبادی بہت ہی معمولی ہے، افغانون کا ایک فوجی دستہ ایک افغان کرنل کی ماتحتی مین یہان رہتا ہے،

مقامی سرکاری افسرون کو ہم لوگون کے آنے کی اطلاع پہلے سے تھی، جیسے ہی موٹر آکر رکے گارڈ آف آنر نے جو پہلے سے وہان کھڑا تھا، مہمانون کو اعزازی سلامی دی، دل نے کہا اسلامی مملکت مین آکر غیر ملکی مسلمان بھی کیا نہین رہتا، اور اس اعزاز کا مستحق قرار پاتا ہے، جو اسکو اپنے وطن مین بھی میسر نہین، آزادی اور غلامی کے درمیان کتنا عظیم فرق ہے،

مہمان کی سرکاری عمارت نہایت سلیقہ سے پختہ دو منزلہ بنائی گئی ہے، اوپر کی منزل مہمانون کے لئے ہے متعدد کمرے ہین، جن مین خاصہ آرام دہ فرنیچر ہے، بیت الخلا جدید اصول (فلشنگ سسٹم) کے مطابق بنا تھا، عمارت بھی نئی ہونے کی معلوم ہوتی تھی، عمارت کے پاس ہی چھوٹی سی نہر جاری تھی، سامنے کچھ سرسبز و شاداب درختون کی قطار تھی

تعجب آتا تھا کہ ایسا خوش منظر اور پرسکون مقام اور آبادی سے یون خالی ہو، اگر یہ مقام ہندوستان مین ہوتا تو بہت بڑا شہر اور امراء کی کوٹھیون سے معمور ہوتا، زمانہ کے انقلاب کی یہ کیسی عبرت انگیز تصویرین ہین، کہ کبھی ویرانہ پر رونق شہر اور کبھی پر رونق شہر ویرانہ بنجاتا ہے،

بالائی منزل پر جاکر ہم نے تھوڑی دیر آرام کیا، پہلے گرم دودھ کا ایک ایک پیالہ مہمانون کو پیش کیا گیا، پھر ... کی سبز چاے آئی، اسکا مزہ مجھے تو تازہ بنفشہ کے جوشاندہ سا معلوم ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد میز پر کھانا چنا گیا، کھانے سے فارغ ہو کر ہم آگے بڑھنے کو تیار ہو گئے، چلتے وقت بھی فوجی دستہ نے اعزازی سلامی دی، اپنے موٹرون سے قلات کی سمت حرکت کی، راستہ صاف اور ہموار تھا،

قلات غلزئی

قلات دو ہین، ایک قلات بلوچ، اور دوسرا قلات غلزئی، پہلا بلوچستان مین واقع ہے، جو آجکل

ہندوستان کے ماتحت ہے، اور دوسرا غزنین اور قندھار کے بیچ مین ہے، پہلے افغانستان کی سرحد بلوچستان تک تھی، اور قلات بلوچ کا امیر شاہ افغانستان کا ماتحت تھا، ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۵ھ مین شجاع الملک شاہ افغانستان کو دوبارہ تخت نشین کرنے کے لئے جو انگریزی فوج سندھ اور قندھار کے راستہ سے کابل گئی تھی، اس نے واپسی مین قلات بلوچ کے امیر محراب خان کو مہانداری کے دھوکے سے قتل کرکے قلات بلوچ پر قبضہ کرلیا، مگر اس کے جوانمرد بیٹے نصیر خان نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کو شکست دی، غرض شاہ افغانستان کی امداد کا یہی بہانہ تھا جس نے قلات اور سندھ کو ہندوستان کا ماتحت بنا دیا،

یہ تفصیل مین نے اس لئے کردی کہ حال کے ایک مشہور مصنف نے قلات بلوچ کے محراب خان کو قلات غلزی کا حاکم بنا دیا ہے۔

قلات کی اصل مجھے قلعات معلوم ہوتی ہے، قلعہ کی جمع، کثرت استعمال سے قلات ہوگیا ہے،

ٹھٹھر سے ایک بجے چل کر ۹ بجے شام کو قلات غلزی پہنچے، یہ غلزی اور توخی افغانون کی جائے سکونت ہے، مگر خود قلات کی آبادی بہت ہی مختصر ہے، یہان کا سرکاری مہانخانہ کچی دیوارون کا ہے، گو وسیع ہے، مگر پرانا بنا ہوا ہے، ہمارے آنے کی اطلاع یہان پہلے سے تھی، لیکن اتفاق سے خانسامان موجود نہ تھا، تھوڑی دیر مین بیچارہ دوڑتا ہانپتا آیا اور مہانخانہ کے دروازے کھولے، کمرے متعدد تھے، اور سامان بھی ستھرا تھا، ہر کمرہ مین پردہ دار مسہریان تھین اور مسہریون پر بستر اور کمل لگے تھے، ہم سب مین سے ہر ایک نے ایک ایک مسہری پر قبضہ کیا،

مہانخانہ کھلے میدان مین واقع ہے، آس پاس کوئی آبادی نہین، سامنے پہاڑی ہے، اس پر ایک قلعہ ہے جسمین افغانی فوج رہتی ہے، قلعہ سامنے سے معلوم ہوتا ہے، اس سے ذرا ہٹ کر قصبہ کی آبادی ہے، قلات غزنین سے بھی ایک ہزار فیٹ بلند ہے، اور کابل سے دو ہزار فیٹ اونچا، یہ چار بجے شام کا وقت تھا، گر ہوا اتنی تیز چل رہی تھی، اور ٹھنڈک ایسی تھی کہ ۱۳ اکتوبر کو عصر کی نماز کے لیے گرم پانی سے وضو کرنا پڑا،

مہانخانہ سے باہر کھلے میدان مین جو مسطح زمین تھی، ریت کی بڑی کثرت نظر آئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہان پانی کا بہاؤ ہے، اسکی دوسری دلیل یہ نظر آئی کہ مختلف رنگ کے پتھرون کے خوشنما اور چمکنے ٹکڑے اور کنکریان بڑی کثرت سے ادھر ادھر پڑی نظر آتی تھین، چنانچہ چند چمکدار اور رنگین کنکریان یادگار کے طور پر ہم نے چن کر رکھ لین، اسی طرح سنہ ۱۹۲۵

کے سفر عرب میں پورٹ سوڈان کے ساحل پر بھی ہم کو ایسے ہی پتھر ملے تھے، تو ہم نے وہان سے بھی پتھر کے چند چھوٹے ٹکڑے یادگار کے طور پر رکھ لئے تھے،

مغرب کے بعد ہی یہان ٹھنڈک ایسی ہوگئی جو ہمارے یہان دسمبر اور جنوری کے مہینون میں ہوتی ہے، چنانچہ آتشدانون میں آگ جلائی گئی،

ایرانی اور افغانی فارسی

یہان رفقاے سفر میں سے پروفیسر ہادی اور سرور خان گویا میں ایرانی اور افغانی فارسی کی باہمی فضیلت پر ایک دلچسپ گفتگو ہوئی، پروفیسر صاحب ایرانی فارسی کے مداح تھے، اور گویا اپنی مادری افغانی فارسی کے، دیر تک مباحثہ رہا، گویا کا دعوی تھا کہ فارسی اصل میں ہماری زبان ہے، ہم نے بخارا میں (سامانیون کے عہد میں) اس کو پیدا کیا، اور غزنین میں غزنوی شعراء کے ہاتھون اس کو نشو و نما بخشا، رودکی سے لیکر غضائری، عسجدی، اسدی، دقیقی، فردوسی، عنصری، سلمان اور سنائی وغیرہ ہمارے تھے، اور انہین کی سخنورانہ کوششون کا نام ادبیات فارسی ہے، پروفیسر صاحب متوسطین سعدی، حافظ [illegible] کے نام پیش کرتے تھے،

سرور خان گویا نے ایرانیون کی مشکل نہ زبان کا وہ خاکہ اوڑایا، کہ ہم لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے، انھون نے کہا ہم تو اگر آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے تو صاف صاف شکریہ اور سپاس ادا کرینگے، ایرانیون کی طرح جھوٹی بناوٹ کے ساتھ بجان [illegible] تشکرات تقدیم نمیکنیم [illegible]، ایران اور افغانستان میں فارسی کا جو جدید لٹریچر پیدا ہوا ہے، اسکی نسبت کہا، کہ [illegible] پیدا کیا ہے، اور انھون نے صرف تفریحی ادب، آخر میں لہجہ پر گفتگو آئی، ایرانی اس لفظ کو [illegible] آخر میں الف نون ہو، واو نون پڑھتے ہین، مثلاً جان کو جون اور آن کو اون (نون کے اظہار کے ساتھ) سرور خان [illegible] دو کان [illegible] . . . است و زبان شمار بون" اس پر سب نے قہقہہ لگایا،

[illegible] رات زیادہ ہوچکی تھی، سب اپنے اپنے بسترون پر آرام کرنے گئے، ہوا بڑی تیزی سے رات بھر چلتی رہی، اگرچہ [illegible] بند، اور کمرون میں آتشدان جل رہے تھے، اس لئے سردی نہین لگی، لیکن ساتھ کے [illegible] باقی رہی جاہئے کہ وہ اس کڑاکے کی سردی اور ہوا میں باہر چھولداریون میں بہت آرام سے ٹھٹھرتے ہوئے سوئے

قلات سے روانگی آج نومبر کی پہلی تاریخ ہے، صبح سویرے آنکھ کھلی، گرم پانی موجود تھا، وضو کرکے صبح کی نماز ادا کی، ساتھ کے رفیقون نے گرم پانی کی پیالیون کی مدد سے چہرے صاف کئے، تھوڑی دیر مین چائے آئی، ناشتہ کیا، چائے پی اور آگے بڑھنے کے لئے تیار ہوئے،

روانگی کے وقت یہان بھی فوجی دستہ نے اعزازی سلام کیا، ۸ بجے کے قریب روانگی ہوئی،

قندھار کا راستہ سردی کا وہی عالم تھا، موٹے موٹے کپڑون مین لپٹے اور اوپر سے اوورکوٹ وغیرہ پہنکر موٹرون مین بیٹھے موٹر کی کھڑکیان گو بند تھین، مگر ہوا اور سردی کا اثر اس کے اندر تک سرایت کر رہا تھا،

افغانستان کے اس حصہ مین قلات تک اونچائی ہوتی چلی آئی ہے، قلات سے نکل کر نصف راستہ کے بعد اونا شروع ہوجاتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ سردی کم اور گرمی بڑھتی جاتی ہے، یہان تک کہ قندھار پہنچکر پنجاب کے شہرون کے قریب قریب کا موسم آجاتا ہے، ہندوستان مین اخیر جنوری مین جاڑون کے دنون مین دہلی سے بمبئی جائے تو اچھے خاصے گرم کپڑون مین لپٹے ہوے سوار ہوجائے، مگر بھوپال کے بعد سے سردی کا زور کم ہونا شروع ہوگا، منماڈ کے بعد سے کپڑے اترنے شروع ہوجائینگے، یہان تک کہ جب آپ بمبئی پہنچین گے تو بدن پر گرمی کے کپڑے اور ہاتھون مین پنکھے ہونگے، اسی طرح جیسے جیسے ہم قلات سے دور اور قندھار سے نزدیک ہوتے جاتے تھے، جاڑون کے کپڑے اترتے جاتے تھے،

قلات سے قندھار تک کا راستہ اچھا نہین، عموماً راستہ گو ہموار ہے، تاہم کہین کہین چڑھائیان بھی آتی جاتی تھین، راستہ مین ایک بہت بڑا افغانی قلعہ سامنے سے گذرا، راہ مین چشمے بھی جابجا بہ رہے تھے، دیکھنے مین یہ علاقہ بھی سرسبز و شاداب معلوم ہوتا تھا، بڑی بڑی وادیان کھیتون سے آباد تھین،

اطراف خیبر فتنہ زا کیون ہین افغانستان کے پچھلے حوادث پر جب نظر کیجئے تو آپ کو یقین آجائیگا کہ خیبر کے اطراف ہی دراصل اس کے ہر فتنہ کی جڑ ہین، ان اطراف کے قبائل خواہ ہندوستان ہو یا افغانستان جہان موقع ہو وہ لوٹ مار کے لئے آمادہ رہتے ہین اور یہین سے بغاوتین اٹھتی ہین، کبھی آپ نے غزنین اور قندھار کے اطراف مین کسی بغاوت کا قصہ نہین سنا ہوگا، حالانکہ اگر لڑائی آپڑے تو اس مین ادھر کے پٹھان بھی کم نہین، دُرانی کے ہندوستانی حملون کے سپاہی یہی تھے، ہم نے پشاور

سے کابل تک اور کابل سے قندھار تک افغانستان کے جو علاقے دیکھے، اس سے یقین آگیا، کہ اس اختلاف نتائج کی تہ مین ان دونون مختلف سمتون کی معاشی کیفیتون کا اختلاف ہے، خیبرستان تمامتر سنگستان اور پتھریلا ہے، زمین قابل زراعت بہت کم ہے، اس لئے اُدھر کے قبائل اپنے پیٹ کے لئے اس بات پر مجبور ہین کہ فتنے پیدا کرین، بغاوتین اٹھائین اور لوٹ مار کرکے پیٹ بھرین، برخلاف اس کے کابل سے قندھار تک کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب ہے، اور لوگ کھیتی باڑی اور تجارت کرکے اپنی روزی پیدا کرنے اور مشغول رہتے ہین، اس لئے طبعاً امن پسند ہین،

قندھار کی منزلین

قلات سے قندھار تک پرانی منزلین حسب ذیل تھین،

۱۔ قلعہ قلات سے تیر انداز تک جو ترنک نام ایک ندی کے کنارہ آباد ہے، اور جہان سے درانی قوم کا مسکن شروع ہوجاتا ہے

۲۔ قلعہ تیر انداز سے شہر صفا تک، اس شہر کو تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی کے مدار المہام قاضی فیض اللہ خان نے آباد کیا تھا،

۳۔ شہر صفا سے کاریز علمدو تک، یہ ایک چشمہ ہے،

۴۔ کاریز علمدو سے شہر قندھار تک۔

یہ منزلین بارہ، تیرہ، چودہ اور بعض سولہ کوس کی مسافت پر آبادی کی مناسبت سے قائم کی گئی تھین، اب ان مین سے بعض منزلین باقی ہین، اور بعض بدل گئی ہین، مثلاً اب قلات سے پہلی منزل قلعہ جلدگ دوسری تیر انداز، تیسری شہر صفا، چوتھی [illegible]، پانچوین مومند ہے، مگر تیز رفتار موٹرون نے اب ان منزلون کو منسوخ کردیا ہے صرف پیدل اور [illegible] پر سوار ہوکر چلنے والون کے حق مین ان منازل کا حکم باقی رہ گیا ہے، چنانچہ آپ دیکھین کہ راستہ کی خرابی کے باوجود قلات سے [illegible] بجے چل کر ۱۲ بجے چار گھنٹون مین قندھار پہنچ گئے،

قندھار مین [illegible] [illegible] شہر کے قریب پہنچنے کے ساتھ شہر کے کچھ گنبد اور مینارے دکھائی دینے لگے، اور معلوم ہونے لگا [illegible] یورپ مین جائیے تو جیسے اکثر مقامات پر آبادی کی دور کشش [illegible] پہنچے ایک بڑا میدان [illegible] ایک طرف نگاہ گئی، تو کچھ فوجی عمارتین تعمیر نظر آئین، یہ میدان

بھی کسی فوجی غرض کے لئے معلوم ہوتا تھا، شاید ہوائی جہازات اور فوج کی چاندماری کی جگہ ہو، اس کے بعد اصل شہر آیا، اللہ! اللہ! یہ شہر تو افغانستان کے تمام گذشتہ شہروں سے بڑا، متمدن، پر رونق اور کاروباری ہے، کشادہ سڑکیں، با ترتیب دکانیں، مسقّف اور گنبد والی عمارتیں، مناروں اور گنبدوں والی مسجدیں،

پہلے موٹریں ایک بازار سے گذر کر ایک بڑے گنبددار چوراہہ پر پہنچیں، اس گنبد کے چاروں طرف سڑکیں اور ہر سڑک پر بازار تھا، اسکی کیفیت شہر حیدرآباد دکن کے چارمینار کی سمجھئے بجز اسکے کہ چارمینار کے اندر ہو کر راستے نہیں جاتے، اور اس کے اندر ہو کر سب راستے جاتے ہیں، پہلے موٹروں نے اس سڑک سے جانا چاہا جو سرکاری عمارتوں کی طرف جاتی ہے، اور جسکا نام شاہ بازار ہے، غالبًا اسی لئے کہ وہ شاہی عمارتوں کیطرف جاتی ہے، گر معلوم ہوا کہ وہ سڑک مرمت کے لئے بند ہے، اس لئے دوسری سڑک سے ہو کر شہر کے باہر کی سڑک سے عمارتوں کی پشت کی طرف سے ہم ارک یعنی قلعۂ شاہی میں پہنچے، اور یہیں ایک عالی شان اور وسیع عمارت کی دوسری منزل پر قیام ہوا،

قندھار کا ارک قندھار کی شاہی قیام گاہ کی یہ عمارت تمام پچھلے شہروں کی عمارتوں سے وسیع، بلند، خوشنما، آراستہ اور پر تکلف ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ دار الحکومت تھا، تو یہ ایوان شاہی تھا، شہر کا قلعہ جس میں یہ ارک واقع ہے بدستور کچی مٹی کا بنا ہوا ہے، مگر اس کا عرض اس قدر ہے کہ دو تین سوار اس پر چل سکتے ہیں، جا بجا گوشوں پر برجیاں بنی ہیں، ایک دو جگہ نالیوں میں بارش کے بہاؤ سے دیواریں کچھ کچھ کٹ گئی ہیں، دیواریں اتنی صاف اور چکنی ہیں کہ کسی مصالحہ کا دھوکا ہوتا ہے،

اسی ارک کے اندر تمام سرکاری عمارتیں ہیں، اور سب کے آخر میں دو منزلہ عمارت ہے جو ہماری قیامگاہ ہے، اسی پر اس ارک کی عمارت کا خاتمہ ہوتا ہے، اس کے شمالی رخ پر بلند دیواروں کے اوپر دوسری منزل ہے، اس دوسری منزل کے شمالی رخ بڑے بڑے اونچے ستونوں پر چھت ہے، اور اس کے اوپر افغانستان کا شاہی جھنڈا لہرا رہا ہے، یہ رخ اسی شاہ بازار کی طرف ہے جسکا نام پہلے آیا، ارک کی دیوار کے نیچے اس رخ پہلے ایک وسیع میدان ہے جس کو اب باغ عمومی (پبلک گارڈن) بنایا جا رہا ہے، داہنے بائیں دو باغ لگ رہے ہیں، ان کو

کے بیچ سے جواتی سڑک نکل کر سیدھی شاہ بازار کی سڑک مین جاکر مل جاتی ہے، پھر دو سڑکین ارک کے پیچھے سے دونون باغون کے پیچھے سے ہلالی شکل مین نکل کر شاہ بازار کی سڑک مین ملائی گئی ہین، اور ان ہلالی سڑکون کے کنارے کنارے اوپر سے ایک قطار مین مسلسل ہم شکل دوکانین بنائی گئی ہین جنمین بعض آباد ہین بعض کی تعمیر ناکمل ہے،

[illegible] ہماری قیامگاہ کے جنوب رخ گھرا ہوا ایک صحن ہے، جس مین چمن بندی ہے، بیچ مین فوارہ ہے اور [illegible] دوسری طرف جنوب مین بالمقابل دوسری عمارت ہے یعنی یہ صحن ان دونون کے بیچ مین ہے اس [illegible] کی صدر دروازہ یا پھاٹک مغربی رخ کو واقع ہے، پھاٹک سے داخل ہون تو صحن مین آئیے، صحن [illegible] مذکورہ بالا دو عمارتین ہین، ہماری قیامگاہ شمال عمارت ہے، ادھر آپ کو زینہ ملیگا، [illegible] ارک کی اس چھت پر آگئے جہان ہم ٹھہرے ہین، اوپر نیچے اور مضبوط ستونون پر شمال کے رخ شاہ بازار [illegible] کی سمت کو کھلا منظر ہے، یہ گویا سائبان ہے، جو ہلالی صورت، یا نصف دائرہ کی شکل مین ہے، سائبان [illegible] ہوجاتی ہے، پہلے دو درجون کا وسیع ہال ملے گا، پہلے پہلا درجہ آئیگا یہ شاید دربار شاہی کے منتظرین کی [illegible] بالمقابل یہ اس عمارت کی ڈائننگ ہال (کھانے کا کمرہ) تھا، یہان کھانے کی میزین بچھی تھین، کمرہ کی پوری [illegible] ساخت کا ایک قالین بچھا تھا، ہال کے دوسرے درجہ مین، جا بجا کوچ اور مختلف شکلون مین [illegible] ستھری کرسیان بچھی تھین، اس ہال کے دونون مغربی و مشرقی رخ پر سونے کے متعدد [illegible] ساخت کی لوہے کی کمانی دار اونچی مسہریون سے آراستہ تھا، زمین مین [illegible] لگے رہتے تھے، مشرقی رخ جدھر خاص میرا کمرہ تھا، ایک اور مستطیل [illegible] ایک لمبی سنر بانات کی میز بچھی تھی، اور اس مین لکھنے پڑھنے کا [illegible] ہوتا تھا کہ یہ خاص انخاص استعمال کے لیے ہے،

[illegible] افغانستان اور قندھار کے مختلف سلاطین اور امرار کے فوٹو، درباروں کے [illegible] تھے جنمین امان اللہ خان کے عہد کی تصویرین بھی تھین،

گندھار قندھار بھی دنیا کے پرانے شہروں مین ہے، ہندؤن کی پرانی کتابون مین اس کو گندھار کہا گیا ہے، اس نام کا شہر جنوبی ہند مین بھی ہے، قندھار غلزی پٹھانون کا خاص مرکز ہے، اور پشتو زبان بولنے والی قومون کی خاص آبادی ہے،

پٹھان اور راجپوت میرا ایک پرانا نظریہ جو اب تک مزید دلائل کا تشنہ ہے، یہ ہے کہ ہندوستان کے راجپوت اور افغانستان کے پٹھان دونون ایک قوم ہین، انہین سے جو ہندوستان آکر ہندؤن مین شامل ہوگیا، اس نے راجپوت نام پایا، اور جو ادھر رہ گئے اور بعد کو اسلام سے مشرف ہوئے وہ پٹھان کہے گئے، یہان کے مختلف کوہستانی درون سے سلطان محمود اور سلطان شہاب الدین کے پرچمون کے نیچے جو حملہ آور ہندوستان آئے وہ ہندوستان کی تاریخ کا نیا واقعہ نہ تھا، بلکہ انھین پرانی پٹھانی مسلسل آمدون اور فوجی داخلون مین سے ایک داخلہ تھا جو ہمیشہ ہندوستان مین ہوتے رہتے تھے لیکن چونکہ یہ حملہ آور اب بودھ دھرم کے نہ تھے، بلکہ مسلمان، اور ایک قومی و منظم حکومت کے ماتحت تھے اس لئے قدیم سے آئے ہوے راجپوتون نے ان کو قدم قدم پر روکا،

مورخ مسعودی جس نے ۳۰۴ھ کے پس وپیش مین اطراف سندھ کا سفر کیا تھا وہ قندھار کے ذکر مین لکھتا ہے،

والقندھار یعرف ببلاد الرھبوط رص ۳۷۲ جلد اول پیرس) یعنی قندھار رہبوط (؟) کے ملک کے نام سے معروف ہے" مین رہبوط کو رجپوت (راجپوت) سمجھتا ہون، اس نے غالبا سندھ مین قندھار کے پٹھانون کا نام رجپوت" سنا ہوگا"

قندھار سندھ کے خاتمہ پر ہے دوسری طرف اگر پہاڑ حائل نہ ہون تو بنون (صوبہ سرحد) اور قندھار مین بہت کم مسافت رہ جائے اس کے بعد وادی سندھ اور دریائے سندھ سامنے آجاتے ہین، غالبًا یہی وجہ ہے کہ قندھار کے حکمرانون نے سندھ پر بارہا قبضہ کیا ہے،

موجودہ قندھار شہر قندھار گو پرانا شہر ہے، مگر ہماری دلی کی طرح وسیع و فراخ وادی کے گوشون مین مختلف حکمرانون اور فاتحون کے عہد مین اپنی نئی نئی جگہ بدلتا رہا ہے، گویا یہ وہ کرے ہین، جو اپنی جگہ قائم بھی ہین، اور حرکت دوری بھی کر رہے ہین، سب سے اخیر زمانہ مین قدیم قندھار کی بربادی احمد شاہ درانی کے ہاتھون ہوئی جس نے قندھار کے شہر اور قلعہ کو برباد کرکے نیا شہر آباد کیا، اور اب موجودہ قندھار درحقیقت یہی احمد شاہی قندھار ہے، احمد شاہ اور اس کے جانشینون کا یہ دارالحکومت

رہا، اس زمانہ میں افغانستان کی حکومت میں بلوچستان سندھ صوبہ سرحد، پنجاب کے کچھ اضلاع اور کشمیر داخل تھے، احمد شاہ نے ہندوستان پر جو فوج کشیاں کیں اور مرہٹوں کے خلاف جو فاتحانہ جنگ کی، ان کا مرکز یہی شہر قندھار تھا،

موجودہ شہر قندھار کی تصویر آج بھی وہی ہے جو آج سے سو برس پیشتر تھی، تاریخ احمد شاہ درانی کا مصنف ۱۲۶۴ھ میں اس کا نقشہ یہ کھینچتا ہے،

"وگرد شہر پادشاہ ممدوح قلعۂ پختہ، وجوہاے آبریز زیر ہر بازار ودکانہا جاری، وکنار جوہا سایۂ درختان توت، وبازارش چارسو، ودر میانش گنبدے بلند بنا ساختہ" (ص ۴۵)

ارک شاہی میں قیام | ارک میں پہنچکر کچھ دیر آرام کرکے میں نے اور بعض دوسرے صاحبوں نے غسل سفر کیا کہ اب ہندوستان کی صرف ایک آخری منزل باقی ہے، یہ تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے شاہی محل میں بھی مکان کے دو ضروری کمرے (غسلخانہ وبیت الخلاء) اسکی حیثیت سے بہت ادنی اور معمولی، بلکہ تکلیف دہ تھے، بات یہ ہے کہ قدیم تمدن میں غسلخانے رہنے کے مکانوں سے الگ حمام کی صورت میں مستقل بنائے جاتے تھے، چنانچہ یہاں بھی نیچے حمام الگ موجود تھا، جس میں ٹھنڈا اور گرم پانی الگ الگ اور نہانے کے دوسرے ضروری سامان موجود تھے، بعض صاحبوں نے وہاں جاکر غسل کیا، لیکن میں نے اسی ارک کے مختصر غسلخانہ میں حمام سے گرم پانی منگواکر غسل کیا، یہاں کا موسم ملتان کے موسم کے قریب قریب تھا، نہانے میں بھی لطف آیا، اور کپڑے بھی اب ہندوستان کے موسم والے پہنے،

پشتو تحریک | ہم لوگوں کے پہنچنے کے بعد شہر کے کچھ ممتاز اصحاب ملنے آئے جن میں سے قابل ذکر دو صاحب ہیں، وزارت خارجیہ افغانستان کے نمائندہ متعینہ قندھار، اور یہاں کی انجمن ادبی کے ناظم اور پشتو رسالہ طلوع افغان کے اڈیٹر عبدالحئی خان، وزارت خارجیہ کے یہ نمائندہ پہلے ترکی کی افغان سفارت میں کسی عہدہ پر رہ چکے ہیں، اور اب یہاں متعین ہیں، عبدالحئی خان ہندوستان میں شاید سندھ اور بندر کراچی میں کچھ دنوں مقیم رہے ہیں، اردو خاصی بولتے ہیں، وہ اس تحریک کے کہ افغانوں کی قومی زبان پشتو کو ترقی دیکر یہاں کی تعلیمی وعلمی وسرکاری زبان بنائی جائے، علمبردار ہیں، انھوں نے آنے کیساتھ ڈاکٹر اقبال سے اس موضوع پر گفتگو شروع کی، ڈاکٹر صاحب نے جواب میں زبانوں کی نشوونما اور ترقی پر اصولی بحث فرمائی، اور اس بات پر

زدر دیا کہ زبان ایک قوم کے مختلف افراد کی باہم پیوستگی کا سب سے ضروری اور مؤثر ذریعہ ہے، لیکن اگر اس تحریک سے قوم کے افراد مین اتحاد کے بجائے اختلاف رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ پیوستگی کا پیغام ہونے کی جگہ نزاعات اور اختلافات کا ترانۂ جنگ ہے، جس سے افغان قوم کو موجودہ منزل مین بہت کچھ بچنا ہے،

میرا خیال ہے کہ آجکل تنگ قومیت اور غلط نیشنلزم کا جو بھوت قومون کے سرون پر سوار ہے، اس کے اثر سے نوجوان افغانون کے دل ودماغ کا بھی متاثر ہونا ضروری ہے، فارسی گو ایکہزار سال سے اس ملک کی علمی وادبی وسرکاری زبان ہے تاہم اس دیس کے عوام کی مادری زبان اب تک پشتو ہی ہے، اسلئے عجب نہین، کہ اس پشتو تحریک کو آئندہ مزید تقویت پہنچے، اور ایک دن وہ افغانی قوم کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل کرلے،

گورنر قندھار اور دیگر عہدہ دار

ابھی ہم لوگ جنگجو افغانون کی "زبانی جنگ" مین مصروف تھے کہ قندھار کے گورنر اپنے کشوری (سول) اور لشکری (ملٹری) اسٹاف کیساتھ تشریف لے آئے، وہ ملیریا بخار مین مبتلا تھے، اور بخار کے اترنے کے بعد بھی اسکا ضعف باقی تھا، اور اسی لئے شہر سے کئی میل دور کسی فرحت افزا مقام مین تھے، مگر صرف ہم لوگون سے ملنے کی خاطر انھون نے علالت اور ضعف کے باوجود یہان آنے کی تکلیف گوارا کی، سردار موصوف نے ہم سب سے سلام ومصافحہ کے بعد اسٹاف کے ایک ایک عہدہ دار کا تعارف کرایا، یہان کے بلدیہ (میونسپلٹی) کے صدر بھی اسٹاف کے ساتھ تھے، دیر تک مختلف امور پر باتین ہوا کین، آخر چار بجے کے قریب ملنے والے میہمانون نے رخصت چاہی، ہم لوگ بھی ساتھ ہی قندھار کی سیر کے لئے اٹھے،

سردار موصوف نہایت متین سنجیدہ اور ملنسار معلوم ہوئے، یہ بھی موجودہ حکمران خاندان سے تعلق رکھتے ہین خیال آتا ہے کہ شاہ نادر خان مرحوم کے بھانجے ہین، ارک کے صدر دروازہ تک ہم لوگ ساتھ چلے، سردار موصوف قریب کے مقامات تک ہمراہ چلنا چاہتے تھے، مگر ان کے ضعف کے سبب سے ان کو رخصت کیا، اور وہ اپنی خوبصورت اور شاندار کار پر سوار ہو کر واپس گئے،

خرقۂ شریف کی زیارتگاہ اور احمد شاہ درانی کا مقبرہ قریب تھا، اسلئے ہم لوگ پیدل روانہ ہوے، اور موٹرون کو مقبرہ کے دروازہ پر لیجانے کا حکم دیا گیا،

(باقی)

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی

یورپ نے مذہب کو تیاگ دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ جو مذہب ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا وہ تھا بھی اسی قابل کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس سے تبرّی و بیزاری کا اعلان کر دیا جائے، اس لئے کہ ایک ایسی قوم جس کی قوتِ بازو قلزم بادہ پیمائی میں ساحل ناآشنا، اور جس کی ذہنی جولانگاہ فضائے سائنس میں حدود فراموش واقع ہوئی ہو، ایسے خدا کو کب گوارا کر سکتی جس کی "شاہنشاہیت میں مرفہ الحال انسان کے لئے کوئی جگہ نہ ہو" اور جس کی بارگاہ جبروت وسطوت سے ہر جویائے علم و حقیقت کے لئے فتوائے موت صادر ہو جائے، دنیائے عمل میں اس مذہب کی تعلیم انھیں آگے ہی نہیں بڑھنے دیتی تھی، اس لئے وہ اسے کاربیکاراں سمجھکر اس سے کنارہ کش نہو جاتے تو اور کیا کرتے لیکن چونکہ یورپ کا ذہنی انقلاب نتیجہ ہوتا ہے کسی نہ کسی شدید ردّ عمل کا اس لئے ان کی گاڑی جب کبھی کانٹا بدلتی ہے تو جادۂ اعتدال سے بہت دور جا پڑتی ہے، مذہب سے تبرّی اور علیحدگی کے وقت بھی ان سے یہ خطرناک غلطی ہوئی کہ بجائے اس کے کہ وہ یہ دیکھتے کہ قصور اس مذہب کا ہے جس کے مخصوص معتقدات کارزارِ حیات میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتے، وہ نفس مذہب ہی سے بیزار ہو گئے، جسکا فطری نتیجہ یہ کہ ہرچند انھوں نے مادیات میں ایسی ترقی کی کہ تاریخ عالم کے صفحات اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں، اخلاقیات میں وہ ایسے پچھڑے کہ اسکی مثال بھی ڈھونڈے سے نہ ملیگی، اور چونکہ نظام کائنات کا دار و مدار ان دونوں قوتوں کے بروئے کار لانے پر ہے اور یہ قوتیں ایک پرندہ کے دو بازوؤں کے مشابہ ہیں، (جنہیں اخلاقیات یا روحانیت بمنزلہ دائیں بازو کے ہے) تو ان میں سے اگر ایک بھی کمزور ہو جائے (چہ جائیکہ مفلوج) تو طائر فلک آشیان زمین گیر ہو کر رہ جائے، اور حسرت پرواز

زبان حال سے کہہ رہی ہو کہ

صبا شکستہ پرون کی دعائین لیستی جا جھکا دے اور ذرا شاخ آشیا نے کی،

لہذا ان مطففین اور معتدین کے عدم توازن کی وجہ سے ان کا معاشرتی نظام کچھ ایسا بے طرح متزلزل ہوا ہے کہ اب سنبھالے نہین سنبھلتا،

ذَالِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ (۴۷: ۳)

یہ اس لئے کہ انھون نے اس چیز کی پیروی کی جس نے خدا کو ناخوش کر دیا اور انھون نے خدا کی رضا جوئی حاصل کرنے کو پسند نہ کیا، لہذا ان کے اعمال غارت ہو گئے،

یورپ نے تو یہ ٹھوکر کھائی تھی، لیکن افسوس آتا ہے ان روشنخیال مسلمان حضرات پر جن کے نزدیک یورپ کا ہر قول و فعل وحی ربانی سے بھی بڑھکر واجب العمل ہوتا ہے، ان کی دیکھا دیکھی انھون نے بھی بیبا کی سے کہنا شروع کر دیا کہ ہم تو کامل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ مسلمانون کی نکبت و افلاس اور ذلت و مسکنت کا واحد سبب انکا مذہب ہے، جب تک یہ اس حدیث پارینہ کو خیرباد نہین کہتے دنیا ے جدید مین ان کا کوئی قدم آگے نہین بڑھ سکتا" حالانکہ انکے کامل غور و خوض، اور مکمل ریسرچ کی حقیقت صرف اس قدر ہوتی ہے کہ گراموفون یورپ مین رکھا ہوتا ہے اور ریکارڈ یہان بجتا ہے،

ع کوئی چمن نہ ملا جس کو وہ بہار ہین یہ

دیکھنا یہ ہے کہ

(۱) مذہب کو چھوڑکر یورپ کی اخلاقی حالت کیا ہو گئی،

(۲) کیا مذہب (اسلام) ہی ترقی کا مانع ہے، ؟

(۳) اسلامی ترقی اور مذہبی ترقی مین کیا فرق ہے، ؟

مختلف زاویہ ہاے نگاہ سے تہذیب اور اخلاق کے مختلف معانی ہین، لیکن ہمارا مقصد تہذیب سے وہ

نصب العین حیات ہے، جس کے ماتحت کسی قوم کے مخصوص ترکیبی عناصر مثل تمدن و معاشرت، صنائع و حرف، سیاست مدن اور تدابیر منازل متشکل ہوتے ہیں، اور اخلاق سے وہ عالمگیر مفہوم مراد ہے جو ملکات فاضلہ اور عادات جمیلہ کا تصور ذہن نشین کرانے کے لیے مستعمل ہوتا ہے،

ہمارے "نئے اخلاقیین" (جو تزکیہ نفوس اور اصلاح قلوب کیلئے مذہبی اعمال و عقائد کی ضرورت نہین سمجھتے) انکا اس باب مین عروۃ الوثقی یہی ہے کہ تہذیب اخلاق کے لئے سوسائٹی کے قوانین ہی کافی ہین، لیکن وہ اس حقیقت پر نظ نہین رکھتے کہ سوسائٹی کی نظر تو محض اعمال و افعال پر پڑسکتی ہے جو سوسائٹی کے مشاہدات مین آجائین لیکن قلب انسانی جو حقیقی سرچشمہ ہے ان اعمال و افعال کا وہ سوسائٹی کی ظاہر بین نگاہون کی گرفت مین نہین آسکتا، در حقیقت یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کے اعمال نظام کائنات مین اس قدر بے اعتدالی پیدا نہین کرتے جتنے قلبی رجحانات اور ذھنی تغیرات،

مین اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہین دنیا مرا دل ہے   بدل جانے سے اسکے رنگ ہر اک چیز کا بدلا

مذہب اپنے آپ کو علیم مافی الصدور اور مقلب القلوب کی طرف سے پیش کرتا ہے، وہ اعمال و رسوم سے پہلے نیتون اور ارادون پر نظر رکھتا ہے۔ نیات فاسدہ کے عمل مین آنے سے پیشتر ان کے انسداد کی کوشش کرتا ہے، مذہب اور سوسائٹی کے قوانین اور تدابیر انسداد اعمال رذیلہ مین یہ ایک ایسا بین فرق ہے جو زیادہ دقت نظر کا محتاج نہین، دفیھا بصائر للناس،

علاوہ ازین اخلاق جمیلہ محض عادات رذیلہ سے اجتناب کا ہی نام نہین، بلکہ اس کے بعد اعمال حسنہ کا اکتساب بھی ضروری ہے، سوسائٹی کے مسلمات اپنی جگہ جس درجہ صحیح و موثر ہون تاہم یاد رہے زیادہ سے زیادہ انسداد افعال شنیعہ ہی اُن کے امکان مین ہوگا، ملکات فاضلہ کی نشو و نما اور انہین بروے کار لانے کے لئے سوسائٹی کے پاس کونسا حربہ ہے زیادہ سے زیادہ نام و نمود کی شہرت اور ستایش خلق، سو جو عمارت ان بنیادون پر قائم ہوگی، اسکا استحکام معلوم،

مذہب صرف تقوی و پرہیزگاری کی تلقین ہی پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ اس سے آگے عملوا الصلحت کی

لائینفک شرط بھی عائد کرتا جاتا ہے، وہ اگر پہلے جذبات خبیثہ کی حدت کو اعتدال پر لانے کے لئے "شراب کافوری" تجویز کرتا ہے، تو اس کے بعد تقویت قلب (مومن) کے لئے "شربت زنجبیل" بھی اس کے نسخے مین موجود ہوتا ہے، اور مقصد ان تمام اعمال صالح کا شہرت نام نہین بلکہ ابتغاء مرضات اللہ قرار دیتا ہے، جو تمام فانی مقاصد سے ارفع و اعلیٰ ہے

سب سے بڑھ کر یہ کہ سوسائٹی نام ہے افراد کے مجموعہ کا، اور افراد کی طبائع کا یہ عالم کہ جب کوئی عادت راسخ ہو جائے تو بلا قصد و ارادہ خودبخود سرزد ہوتی رہتی ہے، اور آہستہ آہستہ اس کی برائی تک محسوس نہین ہوتی ایسی برائیان جب سوسائٹی کی اکثریت مین حلول کر جائین تو ان کے عیوب نگاہون مین کھٹکتے ہی نہین، بلکہ تدریجاً یہی چیز جب فیشن (روش مروجہ) مین داخل ہو جاتی ہے تو اس کے عیوب محاسن مین شمار ہونے لگ جاتے ہین؛ جب کسی برائی کی یہ حالت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی اصلاح انہی افراد کے ہاتھون کیسے ممکن ہے، غور سے دیکھئے تو یورپ کی تہذیب کا آج یہی نقشہ ہے، جس چیز پر انگلی رکھئے، ہمارے اخلاقیین اسے مغرب کا مخصوص تمدن کہکر بزعم خود اس کی تمام سیأت کو مبدل بہ حسنات کر دیتے ہین، حالانکہ اصولاً برائی جتنی عام ہوتی جائے اتنی ہی زیادہ خطرناک ہوتی جاتی ہے، چہ جائیکہ عام ہونے کی وجہ سے اسے حسنات کا لائسنس مل جائے، قرآن حکیم نے بعثت نبوی (صلعم) کے وقت تہذیب عالم کا جو نقشہ کھینچا ہے اس مین یہی نکتہ ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر، یعنی خشکی و تری، تمام روئے ارض پر فساد ہی فساد رونما ہو چکا تھا، کوئی چیز اپنی اصلیت پر باقی نہ رہی تھی اور سوسائٹی مین عیوب عام ہو چکے تھے، بھلا فرمایئے ایسے مین انسانی افراد ان افراد کے مجموعی دماغ اور ان کے وضع کردہ قوانین ان برائیون کا استیصال کیسے کر سکتے ہین، اس تو بہ تو اندھیرے کے لئے ایک ایسی مشعل ہدایت کی ضرورت ہے جس کی کرنین سوسائٹی کے تاثرات کے رنگین فانوس سے چھنکر نہ نکلین بلکہ اس کا مجلیٰ تنویر وہ سراج ہو جو انسانی فضاؤن سے بلند و بالا تر ہو،

ل‍ه سورۂ نور (۴۰ - ۳۹) ان کے اعمال ایک بحر ذخار مین گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح ہین جہان موج پر موج متلاطم ہو اور ان کے اوپر بادل، تو بر تو ظلمات اور اندھیرا . . . . . .،

اخلاق رذیلہ کی تفصیل یون تو بہت طویل ہے لیکن ان مین کچھ اجزاء مشترکہ ایسے بھی ہین جنھین ہر تہذیب و معاشرت نے ام الخبائث قرار دیا ہے، مثلاً شراب خواری، قمار بازی اور زناکاری، آئیے پہلے انھی تین عنوانون سے اس داستان رنگین پر سرسری نگاہ ڈالین اور اس تصویر کا نظارہ اپنی عینک سے نہین بلکہ خود اہل یورپ کی مہیا کردہ آنکھون سے کرین کیونکہ سب سے معتبر شہادت من اھلہا (سورۂ یوسف) ہوا کرتی ہے،

شراب خواری میخانۂ مغرب کے متوالے اکثر کہا کرتے ہین کہ صاحب یورپ مین

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو

وہان تو صرف ایک آدھ گھونٹ، اوقات معینہ پر محض بطور ٹانک (مقویات[1]) استعمال کیجاتی ہے، لیکن ذرا سنئے کہ رندان بلانوش کا خود اس کے متعلق کیا بیان ہے،

ڈاکٹر الفرڈ رسالسٹر جو ایک مشہور ڈاکٹر، ماہر سائنس اور حکومت برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ممبر ہین، ۱۴ مئی کو گلاسکو مین تقریر فرماتے ہوے بتاتے ہین کہ

"شراب پارٹی (لیبر پارٹی) کے اکابر کو برباد کر رہی ہے، شراب پئے ہوئے لیبر ممبر پارلیمنٹ مین ہر رات دیکھے جاسکتے ہین، کچھ ممبر ایسے بھی دیکھنے مین آئے ہین جو اٹھ اٹھ کر سگرٹ نوشی کے کمرے مین چلے جاتے ہین، اور وہان جاکر اتنی پیتے ہین کہ بدمست ہوجاتے ہین، وزرائے سلطنت تک ایسی حالت مین پارلیمنٹ کے اندر آتے ہین کہ کھڑے بھی نہین رہ سکتے"

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے پریس کے ایک بیان کے دوران مین فرمایا کہ

"مین نام بنام ایک ایک ممبر کو بتا سکتا ہون، بلکہ ایک بار تو مین خود ایک ممبر کو پکڑ کر موٹر تک لے گیا تھا"

---

[1] ہمارے مغرب زدہ مسلمانون کے بعض روشن خیال اسی بات سے سند لیکر شراب کے بطور دوائی استعمال کرنے کے جواز کا فتوی صادر فرمادیتے ہین اور (WINE CARNES) جسمین ایک تہائی شراب خالص کی آمیزش ہوتی ہے) تو آجکل بلاتامل پی لیجاتی ہے اور بڑے بڑے مقتدر حلقون سے اس ام الامراض کے مین شفا ہونے کے سارٹیفکٹ عطا ہوتے رہتے ہین، ذالک رجس من عمل الشیطان

انھون نے یہ بھی فرمایا کہ

"مین نے اسپیچ مین لیبر ممبرون کا ذکر کیا، اس سے یہ مراد نہین کہ قصور وار صرف لیبر ممبر ہی ہین، ہم کو غرض اپنی پارٹی سے ہے، دوسری پارٹیون والے خود اپنے افعال کے ذمہ دار ہین"

ان کا بیان ہے کہ

" جتنا خرچ دودھ، روٹی، کرایہ مکانات و دیگر اشیائے ضروری پر ہوتا ہے اس کے مجموعے سے بھی زیادہ شراب پر ہوتا ہے"

اور ایک اور سرکاری بیان کے مطابق تو قریبًا ۲ ارب ۔ ۷۴ کرور روپیہ سالانہ برطانوی قوم صرف شراب پر صرف کرتی ہے،

ملاحظہ فرمایا آپ نے، یہ جہلا کی جماعت کا ذکر نہین، عوام الناس کا تذکرہ نہین، بلکہ خیر سے ان ممتاز اشخاص کا ذکر ہے جو تہذیب و تمدن کے علمبردار، ساری قوم کے بہترین دماغون کا نچوڑ، اور حکومت کے ارباب حل و عقد ہین کہ جنکی کثرت آرا سے قومی قسمتون کے فیصلے ہوتے ہین، اور جن کے وضع کردہ قوانین سوسائٹی کے قانون کہلاتے ہین،

اور پھر یہ پونے تین ارب روپیہ سالانہ کا خرچ بھی ملاحظہ فرمایا، ان حقیقتون کے سامنے تو مشرق کے افسانے بھی مات ہین، مشرقی شاعر کے شہپر تصور نے اتنی ہی بلند پروازی کی تو یہ کہ

پیون شراب اگر خم بھی دیکھ لون دوچار ۔۔۔ یہ شیشہ و قدح و کوزہ وسبو کیا ہے،

اور اتنے ہی مین دیوانہ پٹ گیا کہ

صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی ۔۔۔ تھے یہ ہی دو حساب سو یون پاک ہو گئے

لیکن مغربی اعداد و شمار کے سامنے تو عمر خیام اور حضرت ریاض کی خمریات بھی پھیکی ہو گئین،

اور سنئے

لندن کے ایک معزز اہل قلم مسٹر ٹیلر کراف نے حال ہی مین ایک کتاب CLOVEN HOOF کے نام سے شائع

کی ہے جس میں اہل لندن کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کے اصل خط و خال نمایاں کئے ہیں، اسمیں وہ رقمطراز ہیں کہ

"مینوشی کی رسم اتنی قدیم ہے اور شعر و ادب نے اسے اس قدر رنگین بنا دیا ہے کہ انگریزی قوم میں یہ عیب کوئی عیب ہی نہیں رہا، بلکہ لوگ اسے ہنر سمجھنے لگ گئے ہیں، اور ایسا جوہر کہ بغیر اس کے گویا مردانگی میں فرق ہے۔"

دیکھ لیجئے عیوب کے عام ہونے سے عیب ہنر بنگیا، ڈھونڈھئے اب اس سوسائٹی میں مصلحین کو، شراب نوشی کی اس عمومیت سے ان کی معاشرتی زندگی پر جو جہنم زا اثر ہوا اسکا اندازہ مسٹر میور کے ان الفاظ سے لگ سکتا ہے، جو انھوں نے کلکتہ روٹیرین کلب کے ہفتہ وار جلسہ میں اواخر مئی ۱۹۳۳ء میں کہے، ان کا بیان ہے کہ

"واقعات طلاق کی بہت بڑی تعداد کی ذمہ داری شراب نوشی ہی پر ہے، خواہ وہ شراب نوشی افراط کی حد تک بھی نہ پہنچی ہو" (اسٹیٹسمین یکم جون)

ان اقتباسات پر ایک دفعہ اور نظر ڈالئے، دیکھئے کہ یورپ کی ساری فضا کی گود میں میخانے تھرتھرائے ہوئے، دکھائی دیتے ہیں یا نہیں، جس قوم کے عناصر حیات میں ام الخبائث اس درجہ سرایت کر چکی ہو اس کے اخلاقیات کے متعلق کچھ بھی کہنا تحصیل حاصل ہے۔

قماربازی کی قدامت اہل مشرق اپنے عیوب و جرائم میں بھی کوئی جدت پیدا نہیں کر سکا لیکن قربان جائیے مغربی ترقی کے کہ اپنے عیوب میں اس قدر اختراعات سے کام لیا ہے کہ ان کی یکسانی تنوع سے بدل گئی ہے، پانسے اور گولیوں سے جوا خلاف قانون اور خلاف تہذیب ہے، وہی جوا جب تاش کے پتوں سے کھیلا جائے تو برج BRIDGE نام رکھا جائے اور مہذب سوسائٹی کا بہترین مشغلہ بنے، اس کے علاوہ کارنیوال اور گھوڑ دوڑ، لاٹری اور ڈربی، اور پتہ نہیں اور کیا کیا طریقے اس قدر مروج اور عام ہو چکے ہیں کہ کھلے بندوں، سورج کی شعاعوں میں اور بجلی کی روشنی میں قماربازی کا مذموم پیشہ چل رہا ہے اور کوئی تہذیب، کوئی قانون اسے عیب قرار نہیں دیتا۔

مسٹر شیلر کرافٹ مذکور اپنی کتاب کے صفحہ ۴۳ پر رقمطراز ہین کہ

"انگریزون کا من حیث القوم جواری ہونا تو ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ میرے خیال مین اگر قماربازی کو معصیت قرار دیا جائے تو ہر انگریز اس مین اپنی توہین سمجھے اور اسے غصہ آجائے، تمام قومون مین ہم ہی ایسے ہین جنکے ہان بحیرہ اتوار گڈ فرائیڈے اور بڑے دن کے گھوڑ دوڑ سال بھر برابر ہر روز ہوتی رہتی ہے، اور اس موقع پر جو بازیان لگتی ہین چاہے وہ کتنی ہی قیود و شرائط کے ساتھ کیون نہ ہون، ہر جگہ سے زیادہ کھل کر لگتی ہین، یہ مشغلہ ہماری قوم کے ہر طبقہ کا جزو زندگی بن گیا ہے . . . .

خاص شہر لندن مین کوئی ایک لاکھ افراد تو ضرور ایسے نکلین گے (علاوہ باضابطہ دلالون اور ان کے عملہ والون کے) جنکا ذریعۂ معاش ہی یہی ہے" (CLOVEN HOOF)

اسی طرح مولوی صدر کلکتہ روٹیرین کلب کے جلسہ مین مسٹر وارن بولٹن نے کہا کہ

"کلکتہ مین جتنے لوگ مے نوشی سے تباہ ہو رہے ہین اس سے بھی بڑھکر گھوڑ دوڑ کے جوئے سے برباد ہو رہے ہین" (اسٹیٹسمین یکم جون)

فرمائیے اب سوسائٹی کا کونسا قانون اس کا سدباب کریگا،

زناکاری تہذیب حاضر کا یہ باب اس درجہ عریان اور شرمناک ہے کہ معارف کے صفحات کو ان کے ذکر سے ملوث کرنے کو جی ہی نہین چاہتا تھا، لیکن مشکل یہ کہ

بنتی نہین ہے ساغر و مینا کہے بغیر

معارف سے تو مین کسی عفو خواہی کی ضرورت نہین سمجھتا، کیونکہ

ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

البتہ قارئین کرام کے ذوق سلیم سے ضرور معذرت طلب ہون کہ اس باب کے بعض ٹکڑون سے تو استفراغ ہونے کا احتمال ہے،

حقیقت یہ ہے کہ کثرت مینوشی سے جذبات پر بہیمیت اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ پھر خواہشات کی کامجوئی کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز مشکل ہوجاتی ہے، اس پر بلحاظ تناسب عورتون کی آبادی کی اس قدر اکثریت، پھر آزادیٔ نسوان کی وجہ سے بیوی کی کفالت اس قدر گران کہ ایک بھلے آدمی کی متوسط آمدنی اس کی متحمل ہی نہین ہوسکتی، ان حالات کے ماتحت تدریجًا وہان نکاح کی رسم ہی اٹھتی چلی جارہی ہے، ادھر ضبط تولید کے آلات و ادوات نے رہا سہا خدشہ بھی مٹا دیا، نتائج ظاہر کہ

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

خاص شہر لندن مین، عام بے عصمتی سے قطع نظر کرکے' ان مخصوص کسبیون کی تعداد، بقول مسٹر ٹیلر کرافٹ مذکور، ۳۰۰۰۰ ہزار ہے جو باضابطہ لائسنس حاصل کرکے علانیہ اور خالصتہً اس پیشے کو کر رہی ہین، جن کے محبوب مشاغل علاوہ عصمت فروشی کے یہ ہین،

"نشیلی دواؤن کا استعمال، شرفا کو دھمکا کران سے روپیہ وصول کرنا، مخبری کرنا، ناجائز شراب کی تجارت پر کمیشن وصول کرنا، اور جیب کاٹ لینا، گویا بیسوا ہونا، اور جرائم پیشہ ہونا کچھ اس طرح لازم و ملزوم ہوگیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا دشوار ہے" (CLOVEN HOOF)

علاوہ برین عیاشی کے غیر طبعی طریقے بے حد عام اور مروج ہو رہے ہین، جو عورتین عورتون کی طرف میل رکھتی ہین ان کی تعداد مسٹر ٹیلر کرافٹ کے الفاظ مین "خطرناک حد سے زائد" ہے، اسی طرح صاحب موصوف نے اس حقیقت کا بھی انکشاف فرمایا ہے کہ

"[illegible] سے معلوم ہوا کہ لندن مین خاص انہی اغراض کے پورا کرنے کے لئے مستقل عمارتین موجود [illegible] ایک مدت کے دوران مین اسکا علم ساری پبلک کو ہوگیا" (صفحہ ۹۲ - ایضًا)

[illegible] مصنف موصوف نے عیاشی کے ایسے مکروہ اور گھناؤنے طریقون کا ذکر کیا ہے جنکا تصور بھی [illegible] نہین کرسکتا، صنف نازک کا جذبات پرستی کے لئے انسانون سے گذر کر جانورون تک پہنچنا فحش کاری کا

کا ایسا واقعہ ہے کہ صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل

خواہشات کا یہ باب صنف نسوان تک ہی بند نہیں ہو جاتا بلکہ مردانہ بیحیائی کی تصویرین بھی (جو شہر سدوم کی داستان پارینہ سمجھی جاتی ہین) وہان متحرک نظر آتی ہین، چنانچہ اس کے لئے بھی متعدد کلب اور سوسائٹیان موجود ہین جن کے سرپرست

"اسکولون کے ماسٹر، گرجون کے پادری اور اسکاؤٹ ماسٹر حضرات ہین"، (منٹ - ایضاً)

ان تمام تفصیلات سے مقصد یہ نہین کہ کسی خاص فرقہ، قوم یا ملک کے اخلاقیات کی تصویر کا سیاہ رخ نمایان کرکے ان کے خلاف نفرت کے جذبات ابھار دیئے جائیں، بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب جذبات سفلی کے حدود و قیود توڑ کر انھین آزادانہ چھوڑ دیا جائے تو پھر "سیلاب نہ پرسد کہ در خانہ کدام است"۔ جذبات بہیمیہ کو ضرور کسی نہ کسی قاعدے اور ضابطے کے ماتحت رکھنا پڑیگا، اور وہ قواعد انسانی دماغ یا تاریخی تجارب کا نتیجہ نہ ہونگے بلکہ اس ہستی مطلق کے مرتب فرمودہ ضوابط ہونگے، جو انسانی سرشت اور اس کے بہاؤ سے خوب واقف ہو،

یہ بھی نہین کہ یہ اخلاق رزیلہ سوسائٹی کے کسی ذلیل طبقہ سے ہی متعلق ہین بلکہ حالت یہ ہے کہ جب فواحش کاری اس حد تک عام ہو جائے، جب زندگی کا مفہوم ہی جذبات پرستی قرار دے دیا جائے، تو آہستہ آہستہ سوسائٹی سے فحش کاری کی برائیون کا احساس اٹھتا چلا جاتا ہے، امریکہ مین بچون کے اخلاق کی نگرانی کی خاطر ایک انجمن قائم ہے، اس نے عدالت مین دعویٰ دائر کیا کہ فلان مرد و عورت بلانکاح رہ رہے ہین، اور اس کا اثر ان کے چار سالہ بچے کے اخلاق پر پڑتا ہے، عدالت نے فیصلہ صادر فرما دیا کہ نہین، اس سے بداخلاقی کا کیا خطرہ، وہ تو جب تھا کہ مرد و عورت کسی فضیحتے سے رہتے، چنانچہ قانونی نقطۂ خیال سے بھی محض زنا کوئی جرم نہین تا وقتیکہ اس کا شمار ان امور مین نہ ہو، جو تکلیف عامہ (پبلک نیوسنس) کا باعث ہوتے ہین، اسی طرح محض "تفنن طبع" کے لئے کسی غیر مرد سے آشنائی پیدا کر لینا بھی وہان کوئی جرم نہین، کیمبرج کے ایک دکاندار کی بیوی نے ایک مقامی ڈاکٹر سے راہ و رسم پیدا کرلی، دکاندار نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا اور عدالت عالیہ کے جج مسٹر میکارڈی نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بیوی شوہر کی غلام نہین ہے،

اسے بھی اپنی پسند کے مطابق مردون سے دوستی پیدا کرنے کا حق حاصل ہے،

جب خانگی زندگی کی یہ حالت ہو جائے تو عصمت فروش طبقہ کی آزادی کا خود قیاس فرمالیجئے، ابھی کچھ دن ہوئے یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ بمبئی کارپوریشن زنانِ بازاری کو شہر سے نکال دینے کی تجویز پر غور کر رہی تھی لیکن حکومت بمبئی نے جواب دیا کہ یورپ کے بڑے بڑے متمدن شہرون نے بھی ایک عصمت فروش طبقہ کی ضرورت محسوس کرلی ہے اور وہان بازارِ حسن شہر کے اندر ہی ہوتا ہے۔ لہذا اگر بمبئی مین انھین شہر بدر کر دیا گیا تو یہ فعل جدید تمدن کے خلاف رجعت پسندی پر محمول ہوگا

جب شہرون کی مہذب آبادی کی یہ حالت ہے کہ زناکاری بھی ضروریاتِ معاشرت مین سے تسلیم کیگئی ہے، تو فوجی زندگی جو اپنے سپاہیانہ پن کے لئے پہلے ہی بدنام ہے، اس کا کیا حال ہوگا، مشتے نمونہ از خروارے سن لیجئے، کہ فرانسیسی فوج کا ایک حصہ "فرنچ فارن لیجن" کے نام سے نامزد اور اپنے ضبط ونسق کی سختیون کے اعتبار سے ضرب المثل ہے اس کی جو چھاؤنیان فاس مین متعین ہین، ان مین ایک انگریز نامی جے میک ہنری نامی پانچ سال تک ملازم رہا ہے، اس نے اپنے مشاہدات وہان ہی مین شائع کئے ہین، جنمین وہ لکھتا ہے کہ

"یہ بات بہت کم لوگون کو معلوم ہوگی کہ ہم لیجن والون کو ایک خاص پیشہ کی عورتون کی کوئی کمی نہین؛ چنانچہ فاس (مراکش) مین ایک پورا محلہ ان سے آباد ہے جنمین کوئی تین ہزار عورتین ہونگی، اور ہر نمونہ اور ہر قوم کی، اور چھوٹی سے چھوٹی چوکی پر بھی دو تین ایسی عورتین ضرور رہتی ہین" (نشنل ایڈورٹائزر ۱۰ جون)

بس کا نتیجہ یہ ہے کہ پبلک ہیلتھ کمشنر کی سالانہ رپورٹ کے مطابق سنہ ۲۶ء مین مرض آتشک مین مبتلا ہوکر ہسپتال مین داخل ہونے والے دیسی سپاہیون کی اوسط فی ہزار ۱۵،۷ اور گورون کی ۱،۲۶ تھی، (ماڈرن ریویو نومبر سنہ ۲۲ء)

ثمراتِ تمدن | یہ تو تھا مختصر سا تذکرہ ان تین عنوانون کے تحت جنھین خالصتہً اخلاق سے تعلق ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اخلاقی حالت کے علاوہ مادی ترقی کی برکات کا ان کی عام معاشرتی زندگی، اور زندگی کے سکون اور امن پر کیا اثر ہوا اگر درست ہے کہ درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ تو مذہب کو تیاگ کر جو مادی ترقی حاصل کیگئی ہے، اس کے نتائج سے اس کی کسوٹی پر صحیح صحیح اندازہ ہوسکیگا، سب سے پہلے یہ متعین کرلینا چاہیئے کہ انفرادی و اجتماعی، ملکی و ملی تگ ودو

حیات اور جد و جہد زندگی سے مقصد کیا ہے؟ مادی ترقیات کا، خدا کی زمین پر بسنے والون پر جو احسان عظیم ہے، وہ کن معنون مین احسان ہوگا؟ ہمدردانِ بنی نوع انسان یعنی مفکرینِ امم اور مصلحینِ ملل نے اپنے پیہم تدبر و تفکر سے جو حیرت انگیز انکشافات کئے ہین، دنیا مین رہنے والون پر ان کا کیا اثر ہونا چاہئے، ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب اور ان تمام خوابون کی ایک ہی تعبیر ہوسکتی ہے، یعنی یہ کہ انسان کا جو قدم اس دنیا مین اٹھے وہ اس غرض سے اٹھے کہ اس سے بنی نوع انسان کے سکونِ قلب اور جمعیت خاطر مین کچھ اضافہ ہو، دماغ سوچین تو اس لئے کہ مصائب و آلام ارضی وسماوی کا حل کیا ہے، اور ہاتھ اٹھین تو اس غرض سے کہ وہ اس سیلاب بلا کو روکین جو نوع انسانی کے امن و مسرت کو تہ و بالا کرنے کے لیے امڈتے چلے آرہے ہون، ترقیون کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس جہان عناصر سے خوشدلی کے چشمے ابلنے لگین، مسرتون کے دریا بہہ رہے ہون، سکونِ قلب کی بارشین ہون، طرب و سرور کی ہوائین چلین، سائنس کی کرشمہ زائیان اگر بجلی کے شرارے پیدا کرین تو ظلم و فساد کے خرمن کے جلانے کے لیے اور مشینین اگر آلات حرب جدید اصولون پر تیار کرین تو جور و استبداد کے انسداد کی خاطر، غرضیکہ ذہنی و دماغی قوتین بڑھین تو امن و سکون کی فضا پیدا کرنے کے لئے نہ کہ اس جنت ارضی کو جہنم زار بنانے کی خاطر،

تو کیا موجودہ تمدن نے یہی نتائج پیدا کئے ہین، افسوس کہ واقعات اس کا جواب نفی مین دے رہے ہین، امریکہ جو آج تہذیب حاضرہ کا علمبردار اور مادی ترقیون مین دنیا کا امام ہے اس کی امن پسندی کی کیفیت یہ ہے کہ

"۱۹۳۱ء مین ایک سال کے اندر ۱۲ ہزار قتل ہوئے ۳۵ ہزار انسان موٹرون وغیرہ کے حوادث سے ہلاک ہوئے اور ۲۰ ہزار انسانون نے خودکشی کی" (ماڈرن ریویو۔ دسمبر ۱۹۳۲ء)

جرمنی علم و فضل مین آج اپنی نظیر نہین رکھتا لیکن وہان بھی،

"۱۹۱۳ء مین خودکشی کرنے والون کی سالانہ تعداد ۱۴۷۷۳ تھی، اور یہ تعداد ۱۹۳۲ء مین ۲۱۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے" (ریوٹر۔ ڈیلی اکسپرس لندن۔ ۲۲ مئی ۱۹۳۳ء)

یعنی جس قدر تہذیب مین ترقی ہوتی چلی جارہی ہے انسان اپنی زندگی سے تنگ آتا جارہا ہے، جنون خودکشی

کے بعد اب جرائم کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے،

سر ارنسٹ وریلڈ نے برطانیہ کے عدالتی اجلاس کے افتتاح کے موقعہ پر ستمبر ۳۲ء مین فرمایا کہ

"چوری، نقب زنی، رہزنی اور تشدد کی وارداتین عموماً بڑھتی جارہی ہین، اور اس مین شک نہین کہ انگلستان مین اب قانون شکنی اس سے زائد ہے جو دو تین سال قبل تھی۔"

اسی طرح امریکہ مین ۲۶ء سے ۳۱ء تک کی تعداد جوڑنے سے معلوم ہوا کہ اس پانچ سال کے عرصہ مین ۱۲۰۶۵ قتل کے واقعات پیش آئے ہین، اور قتل عمد ملک مین ایک فن لطیف کی حیثیت حاصل کرتا جاتا ہے" (نیوز آف ورلڈ ۲۶ اپریل ۳۳ء)

مادی ترقی کا تعلق اخلاقی اصلاح سے نہ سہی جسمانی صحت اور دماغی قوا ے مین تو کچھ اصلاح ہونی چاہئے تھی لیکن وہان تو

نہ بآن بیچارہ می سازی نہ باما ساختی

کا مضمون ہے چنانچہ

"صوبہ متحدہ کے انگریزی علاقہ مین فی لاکھ ۲۳ اشخاص دیوانے نکلے اور دیوانون کی یہ تعداد گذشتہ مردم شماری سے بہت زائد ہے، لیکن اس پر بھی برطانیہ مین دیوانون کی تعداد مین جس سرعت سے اضافہ ہو رہا ہے، اس سے یہ کہین کم ہے، ۱۹۱۱ء کی مردم شماری مین وہان فی لاکھ ۴۴ اشخاص دیوانے تھے اور دیگر یورپی ممالک مین شرح دیوانگی اس سے بھی زائد ہے۔" (لیڈر ۱۵ اپریل ۳۱ء بحوالہ رپورٹ مردم شماری)

اب اس دیوانگی کا باعث بھی ایک معتبر انگریز مسٹر ٹرنر کی زبانی سن لیجئے جو صوبہ متحدہ کی مردم شماری کے مرتب ہین، وہ فرماتے ہین کہ

"یورپی ممالک کے مقابلہ مین اس صوبہ مین دیوانگی کی کمی کا بڑا سبب وہ پرسکون زندگی ہے جو عموماً یہان کے باشندون کو حاصل ہے . . . . . . یہ مشہور و مسلم ہے کہ تمدن کی وسعت کے ساتھ ساتھ دیوانگی بھی بڑھتی رہتی ہے کہ اعصاب پر تمدنی حالات سے طرح طرح کا زور پڑتا ہے۔" (ایضاً)

یقیناً۔ اور اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ کسی شہر مین جا کر دیکھ لیجئے کہ اشیاے خوردنی و دیگر ضروریاتِ زندگی کی دکانین اتنی نہ ہونگی جتنی ڈاکٹرون اور دوا فروشون کی، اب ذرا حوادثِ اتفاقی کا اندازہ فرمائیے،

سرہیوجیوزانفی برطانیہ کے ایک نامور مدبر، ویکلی ٹیلیگراف مین رقمطراز ہین کہ

"جس چیز کا نام ہم نے حوادثِ اتفاقی رکھ لیا ہے اس کے ذریعہ سے ہر سال ملک مین ۲۰ ہزار نفوس سڑکون پر ہلاک ہوتے رہتے ہین، اور کم از کم ۲ لاکھ کی تعداد مین زخمی، یہ ہولناک اتلاف جان و اعضا کھلا ہوا نتیجہ ہے سائنس اور انجینیری کی ترقی کا جس پر ہم نے ہر چیز کو قربان کر دینے کا تہیہ کر رکھا ہے، فرض کر لیجئے کہ کسی غنیم سے ہمین جنگ درپیش ہو اور اس مین ہر سال بیس۲۰ بائیس۲۲ ہزار آدمی کٹنے اور ۲۔۳ لاکھ زخمی ہونے لگین تو ملک مین کیسی ہلچل مچ جائے" (آنسر ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

ممکن ہے یہان یہ اعتراض کر دیا جائے کہ جانون کو بچانے کی ہی اگر فکر ہے تو پھر تو ترقی ہو چکی، پھر تو جین مت والون کی طرح منہ پر کپڑا باندھ کر ننگے پاؤن پھرتے رہنا چاہئے کہ کہین جیو ہتیا نہ ہو جائے، لیکن یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے، جس چیز کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہین وہ یہ ہے کہ ترقی کی دھن اور "مشینون کی دنیا" مین مہذب انسان اس درجہ لاپروا ہو رہا ہے کہ اسے انسانی زندگی کی قیمت کا اندازہ ہی نہین رہا، وہ اگر پروا کرتا ہے تو اپنے آرٹ اور سائنس کی خواہ اس تزئین و تحسین مین انسانی خون کی سرخی کی آمیزش ہی کیون نہ ہو، پچھلے دنون شملہ مین ڈاکٹر رشید الدین خان (سابق راماس خان) ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، نے اپنے ایک لکچر کے دوران مین کیا صحیح فرمایا کہ چند سال پیشتر انگلستان مین یہ سوال اربابِ فکر و نظر کے سامنے پیش کیا گیا کہ "فرض کرو کہ ایک کمرہ مین ایک انسانی بچہ اور ایک یونانی سنگ تراش کا ایک نادر روزگار مجسمہ رکھا ہے، کمرہ مین آگ لگ گئی ہے اور ان دو چیزون مین سے صرف ایک ہی چیز بچائی جا سکتی ہے تو آپ کے خیال مین کس چیز کا بچانا ضروری ہے؟" اس کے جواب مین بڑے بڑے مقتدر دانایانِ فرنگ کی اکثریت اسی طرف تھی کہ "اس مجسمہ کو ضرور بچا لینا چاہئے، کیونکہ بچے کا کیا ہے، وہ تو ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہین" ہمارا مقصد اس ترقی کے خلاف لب کشائی کرنا نہین بلکہ محض اُسی ذہنیت کو منظرِ عام پر لانا ہے،

(باقی)

اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیات

از

جناب محمد عبدالرزاق خان صاحب بی لے ال ال بی، وکیل ہائی کورٹ ناگپور،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" قوانینِ وراثت کو معلوم کرو اور انھیں دوسرون کو بتاؤ کیونکہ وہ مفید علم کا نصف حصہ ہین"۔ (سراجیہ)

موجودہ زمانہ مین جبکہ سخت پیچیدہ معاشرتی و تمدنی مسائل پیدا ہوگئے ہین اور دنیا تقسیم دولت کے مختلف اصول کی بنا پر مختلف و متضاد حصون مین تقسیم ہوگئی ہے، یعنی ایک جانب سرمایہ داری ہے اور دوسری طرف اشتراکیت تو اس وقت مختلف مروجہ قوانینِ وراثت کا مطالعہ دلچسپی نیز فائدہ سے خالی نہین ہوسکتا،

ہم دیکھتے ہین کہ عہدِ حاضر مین مجلسِ انسانی کا نظام تمدن زیادہ تر سرمایہ داری پر مقرر ہے، جس کی وجہ سے نہایت ضروری اور خطرناک مسائل پیدا ہوگئے ہین، صرف یہی نہین کہ ہر قوم کی اندرونی حالت مین ایک اضطراب کارفرما نظر آرہا ہے بلکہ تمام بین الاقوامی حالت بھی نہایت خطرناک طور پر مضطرب و مشتعل معلوم ہوتی ہے، اور ایک عالمگیر تزلزل و تباہی کا اندیشہ ہے، اس تمام خرابی کا سبب صرف دولت ہی کی نہایت غیر مساوی تقسیم ہے، ہم دیکھتے ہین کہ نظام سرمایہ داری مین قومی دولت کا غالب حصہ صرف چند افراد کے خزانون مین جمع ہے اور اشتراکی نظام مین [illegible] کا دستور ہی ممنوع ہے، اور سرمایہ داری منسوخ اور سود ممتنع قرار دیا گیا ہے، درحقیقت موجودہ زمانہ [illegible] تہبات کے باوجود قحط کا ایک بے مثل منظر پیش نظر ہے، گویا فصلِ بہار مین خزان کا دور دورہ ہے، [illegible] فاقہ کش بیکار آدمی خلافِ وقت پیدا ہوگئے ہین، اور کساد بازاری کی وجہ سے عمدہ خوراک زمین مین دفن کیجارہی ہے، [illegible] عصر حاضر مین جبکہ دنیا بیکاری و فاقہ کشی کی مصیبت مین مبتلا ہے، سرمایہ دار اپنی دولت مین

اضافہ کرنے کی غرض سے اس کو محفوظ کر رہے ہین،

اس وقت ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ناظرین کرام کو اسلامی قوانین ملکیت و وراثت کی ایک جھلک دکھائین،

اسلام مین ذاتی جائداد رکھنے کی اجازت ہے اور اس کو اچھی طرح محفوظ کیا گیا ہے، تمام جائداد ایک امانت الٰہی (TRUST FROM GOD) متصور ہوتی ہے، اور مقدس قانون کے مطابق اس کو رکھا جاتا ہے،

اسلامی قانون جہان پورے طور پر ذاتی جائداد رکھنے کی اجازت دیتا ہے، وہان وہ اس کی منصفانہ تقسیم بھی دو طرح کرتا ہے،

اول طریقہ زکوٰۃ ہے، جو کہ مساکین کی امداد کے لئے اسلامی محصول ہے، ہر دولتمند مسلم پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کا ایک مقررہ حصہ غربا کو دیدے، دراصل لفظ زکوٰۃ بہت ہی معنی خیز ہے، اس کے معنی ہین تراش کے ساتھ کاشت کرنا، اور پودون کو سیدھا اگانا، جب ایک پودہ اپنی بالیدگی کے بار کا تحمل نہین ہوسکتا تو اس کی شاخون کو تراشنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ تندرست اور طاقتور زندگی سے لطف اندوز ہوسکے یہی قاعدہ ہر فرد بشر پر بھی منطبق ہوتا ہے اگر صرف چند افراد کو قومی دولت کا زیادہ حصہ جمع کرنے کی اجازت دے دیجائے تو یہ قومی زندگی کی فلاح وبہبود کے لئے مفید نہین ہوسکتا،

مطالعۂ تاریخ شاہد ہے کہ جب اسلامی ممالک مین باقاعدہ زکوٰۃ وصول کیجاتی تھی اور حسب ضرورت مستحقین مین تقسیم کرنے کے بعد باقی حصہ بیت المال (ایک قسم کا بینک جو تمام فرقہ کی مساعی کا معاون ہوتا تھا) مین جمع کردیا جاتا تھا، تو اہل حاجت کو امداد دینے اور خیرات کو صحیح مصرف مین لانے کا ایک نہایت اعلیٰ و باقاعدہ انتظام تھا، جس سے اسلامی ممالک مین صدیون تک تمام قومی ضرورتین پوری ہوتی رہین ان ممالک مین جہان اب بھی زکوٰۃ باقاعدہ وصول اور تقسیم کیجاتی ہے، یعنی نجد مین تو وہان شاذ و نادر ہی کوئی مفلس مسلمان نظر آسکتا ہے،

دوسرا طریقہ جس کے ذریعے سے اسلامی شریعت دولت کی مؤثر تقسیم کامیابی کے ساتھ کرتی ہے، وہ قانون وراثت ہے، جیسا کہ ہم کو آیندہ معلوم ہوگا، کہ قانون مشترکہ خاندان کی دوامی ملکیت وغیرہ کو تسلیم نہین کرتا

بلکہ یہ پورے خاندان پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہر مرد عورت اور بچے کی شخصیت کا جائزہ لیتا ہے اور خاندان کے ہر رکن کو ایک انفرادی شخصیت و حیثیت عطا کرتا ہے، اس کے قواعد ان اصول سے مشابہ ہیں، "جو بینتھم کے آئیڈیل کوڈ" (BENTHAM'S IDEAL CODE) میں بیان کئے گئے ہیں، قانونِ وراثت کو اخلاقی ذمہ داری کے نہایت نمایاں اسباب اور اس فطری تعلق کے مطابق ہونا چاہئے، جو ہر خاندان کے ذاتی نظام میں پایا جاتا ہے، اور وہ اشخاص متوفی کی جائداد کے جائز مستحق ہونے چاہئیں، جبکہ وہ اپنی زندگی میں امداد دینے کا ذمہ دار تھا، اسلامی قانون کے رو سے پانچ اشخاص بلا تفریق وارث قرار دیئے جاتے ہیں یعنی (۱) باپ، (۲) ماں (۳) بیٹا (۴) بیٹی (۵) شوہر یا بیوی، پہلے درجہ جو ذوی الفروض کہلاتے ہیں بلحاظ تعداد بارہ ہوتے ہیں، ان میں چار مرد ہیں، اور آٹھ عورتیں یعنی (۱) بیوی یا متعدد بیویاں (۲) بیٹی یا بیٹیاں (۳) بیٹے کی بیٹی یا بیٹیاں جو نسلاً خواہ کسی پشت میں ہوں (۴) اخت عینیہ یعنی حقیقی بہن یا بہنیں (۵) اخت علاتیہ یعنی وہ سوتیلی بہن یا بہنیں جو ایک ہی باپ کے صلب سے ہوں، (۶) اخت اخیافیہ یعنی وہ سوتیلی بہن یا بہنیں جو ایک ہی ماں کے بطن سے ہوں (۷) ماں اور (۸) حقیقی دادی یا وہ دادی جو نسلاً خواہ کسی پشت میں ہو، ذوی الفروض میں جو چار مرد ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے (۱) باپ (۲) حقیقی دادا (خواہ کسی پشت میں ہو) (۳) اخ اخیافی یعنی سوتیلا بھائی یا چند بھائی (جو ایک ہی ماں کے بطن سے ہوں) اور (۴) شوہر، اس درجے کے ورثہ یعنی ذوی الفروض کے لئے جو مخصوص حصص مقرر ہیں وہ بلحاظ تعداد چھ ہیں، یعنی اُن کے حصوں کی مقدار یہ ہے، $\frac{1}{2}$ ، $\frac{1}{4}$ ، $\frac{1}{8}$ ، $\frac{1}{3}$ ، $\frac{1}{6}$ اور $\frac{2}{3}$ بعد اس کے عصبہ ہیں جو تین درجوں میں منقسم ہیں،

اوّل وہ جو ذاتی حق کی بنا پر حصہ پاتے ہیں، یعنی متوفی کی اولاد نرینہ (خواہ نسلاً کسی پشت میں ہو) اس کے آباؤ اجداد (خواہ نسلاً کسی پشت میں ہوں) اس کا حقیقی اور اخت علاتی یعنی سوتیلا بھائی (جو ایک ہی باپ کے صلب سے ہو) اور ان کی اولاد نرینہ اور سب سے آخر میں وہ اولاد نرینہ جو بلحاظ نسل خواہ کتنی ہی دور کا تعلق رکھتی ہو۔

دوئم وہ حصے دار جو دوسروں کے حصوں کی وجہ سے حقدار ہوتے ہیں، (وہ چار عورتیں جو اپنے ہم رتبہ مردوں کے حصوں میں سے حصہ پاتی ہیں) یعنی وہ بیٹی جو بیٹے کی ہمعصر ہو، بیٹے کی بیٹی جو بیٹے کے بیٹے کی ہمعصر ہو

حقیقی بہن جو حقیقی بھائی کی ہمعصر ہو، اخت علاتیہ یعنی سوتیلی بہن (منجانب پدر) جو سوتیلے بھائی (منجانب پدر) کی ہم عصر ہو،

سوم وہ حصے دار جو دوسرون کے ساتھ حصہ پاتے ہین، (وہ عورتین جو اپنے ہم رتبہ عورتون کے حصون مین حقدار ہوتی ہین) یعنی وہ حقیقی اور سوتیلی بہن (منجانب پدر) جو بیٹی یا بیٹے کی ہمعصر ہو، بعد ازان ذوی الارحام حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین،

اس عجیب وغریب تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلم کی متروکہ جائداد چھوٹے چھوٹے حصون مین تقسیم ہوجاتی ہے، اور ورثہ کی ایک کثیر تعداد اس سے مستفید ہوتی ہے، اس طرح ایک شخص کی جائداد تین نسلون مین عموماً خود بخود قابلِ اطمینان حصون مین تقسیم ہوجاتی ہے، اور نہ صرف ایک خاندان بلکہ بہت سے خاندانون کے افراد نیز بہت دور کے رشتہ دارون کو حصہ رسد پہنچتی ہے،

اس طرح ہر خاندان مین یہ عمل کارفرما ہونے کے باعث اس کا اعلیٰ نتیجہ یہ ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ قابلِ لحاظ افراد مین تقسیم ہوجاتی ہے، درانحالیکہ ہر ایک کو ذاتی جائداد رکھنے کا حق حاصل رہتا ہے، دراصل یہ قانون اپنے تمول کے معاملہ مین اس قدر محتاط ہے کہ اگر کوئی شخص تقسیم وراثت کے اصول کو نظرانداز کرکے کسی خاص شخص کو اپنی تمام ملکیت دینا چاہے تو یہ اس کے حق وصیت کو مسلوب کرسکتا ہے، اور اگر کسی ایک وارث کے حق مین وصیت کیجائے تو اسکو ناجائز قرار دیتا ہے، جبتک کہ دوسرے ورثہ رضامند نہ ہون، اور اگر کسی غیر شخص کے حق مین وصیت کیجائے، تو جب تک وصیت کنندہ کے دوسرے ورثہ رضامند نہ ہون وہ جائداد کا صرف ایک ثلث پانے کا مستحق ہوسکتا ہے،

قانون جانشینی و وراثت کے انہی دوررس اثرات کی بناء پر جس سے مجلسِ انسانی عام طور پر متاثر ہوتی ہے، پیغمبر عربیؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قوانینِ وراثت کو معلوم کرو اور انھین دوسرون کو بتاؤ کیونکہ وہ مفید علم کا نصف حصہ ہین،

اب اسلامی قانون کی چند اور خصوصیات ملاحظہ کیجئے،

معارف نمبر ۱ جلد ۴۴ ۳۴ اسلامی قانون وراثت

اس مین بزرگی کا کوئی لحاظ نہین لہذا سب سے بڑے لڑکے کے مقابلہ مین دوسرون کو نظر انداز نہین کیا جا سکتا، البتہ شیعہ، شافعی اور مالکی حضرات اس قانون پر صرف اس حد تک عمل پیرا ہین کہ متوفی کا قرآن پاک، جبہ، اسلحہ اور گھوڑا سب سے بڑے لڑکے کا حق سمجھے جاتے ہین،

اس قانون مین جدی اور خود پیدا کردہ اصلی (ظاہر و موجود) اور ذاتی، منقولہ اور غیر منقولہ جائداد مین کوئی تمیز و تفریق نہین کی جاتی، کسی جائداد کو مخصوص و محفوظ کر دینے کی بھی اجازت نہین اور حنفی فقہ کے رو سے اس کو وقف بالذات کر دینے یا مستقل طور پر قبضے مین رکھنے کو بھی جائز نہین قرار دیا جا سکتا، اس مین مشترکہ خاندان اور استمراری ملکیت کا کوئی وجود نہین، یہ قانون رسم و رواج کی بنا پر وراثت مین تغیر و تبدل کو بھی تسلیم نہین کرتا، البتہ ہندوستان مین عہد انگریزی مین بعض حالات مین بعض رسوم کی بنا پر بعض قومون اور صوبون مین اس قسم کے تغیر کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس مین کسی کو متبنی بنانے کا بھی طریقہ نہین اور متوقع جانشینی و وراثت بھی ناقابل تسلیم ہے، شیعہ حضرات کے سوا وراثت کی رو سے اصلی وارث کا قائم مقام اور فرقون کے نزدیک جائز نہین،

متوفی خواہ مرد ہو یا عورت تقسیم وراثت کا قانون دونون کے لئے یکسان ہے، علاوہ ازین مرد یا عورت کے لئے خود جائداد پیدا کرنے کی کوئی ممانعت نہین، غیر وصیت شدہ جائداد کو منقسم و منتقل کرنے مین بھی موانع و قیود نہین، ہر شخص کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تمام جائداد یا اس کا کوئی حصہ دوسرے کے نام منتقل کر دے، ایک ہی درجہ کے ورثہ مین تقسیم جائداد بلحاظ افراد ہوتی ہے نہ کہ خاندانی ورثہ کے مطابق (PER STIRPLS) اس طرح ایک وارث کے تنہا لڑکے کو دوسرون کے حقوق پر کوئی ترجیح نہین دی جاتی یعنی ایک شخص نے پانچ پوتے چھوڑے مثلاً اس کے ایک لڑکے زید کا ایک بیٹا ہو اور دوسرے لڑکے بکر کے چار لڑکے ہون تو ان پانچون مین سے ہر ایک کو جائداد کا ۱/۵ حصہ ملیگا، اور زید کا لڑکا یہ دعوی نہین کر سکتا کہ اس کو جائداد کا نصف حصہ ملنا چاہئے، کیونکہ اسکا باپ زندہ ہوتا تو وہ بکر کے ساتھ برابر حصہ پاتا،

اسلامی قانون مین عورتون کے حقوق پر اُن کے شوہرون کو کوئی حق حاصل نہین، حالانکہ انگریزی قانون

کی رو سے ایک عورت شادی کے بعد اپنی قانونی حیثیت کو کھو دیتی ہے، انگلستان میں "میرڈ ویمنس پراپرٹی ایکٹ" (THE MARRIED WOMEN'S PROPERTY ACT) کے نفاذ سے پہلے کوئی شادی شدہ عورت جائداد نہیں رکھ سکتی تھی، وہاں کا قانون شادی شدہ جوڑے کو ایک شخص سمجھتا ہے، اب بھی ایک انگریزی عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ اگر اس کا شوہر اس کو کوئی ذاتی نقصان پہنچائے مثلاً اس کو مارے یا اس کی ناک یا کان یا ہاتھ کاٹ ڈالے تو وہ اس نقصان کا دعویٰ نہیں کر سکتی، لیکن ایک مسلم خاتون کو اپنے شوہر کے خلاف دعویٰ دائر کرنے کا حق حاصل ہے، اسکی حیثیت و شخصیت اس کے شوہر کے مقابلہ میں بالکل ممیز و ممتاز ہے، دراصل شادی ہوتے ہی وہ اپنے شوہر کی گویا قرض خواہ ہو جاتی ہے اور جب تک اس کا مہر ادا نہ کیا جاوے، اس کا قرض باقی رہتا ہے[ا]،

چونکہ جائداد کو ایک امانت الٰہی (TRUST FROM GOD) خیال کیا جاتا ہے، لہذا قانون کا قدیم نظریہ یہ تھا کہ مرور ایام کے باعث کسی شخص کا حق ساقط نہیں ہو سکتا، یعنی تمادی عارض ہونے یا مخالفانہ قبضہ کرنے کا کوئی قاعدہ نہ تھا، مگر بعد کے قانون دان حضرات نے زمانۂ خلافت میں ان اصول کو تسلیم کر لیا، جو خلفا نے میعاد مقرر کرنے کے لئے جاری کئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسلامی ملک کے بادشاہ کو اضافی قانون وضع کرنے کا اختیار حاصل تھا اور وہ یہ حکم دے سکتا تھا کہ ایک مقررہ میعاد منقضی ہونے کے بعد دائر ہونے والے مقدمات کی سماعت قاضی نہ کرے،

درحقیقت اسلامی اصول قانون میں کوئی ایسی دفعہ نہیں جس کے رو سے لاوارث جائداد حکومت وقت کی ملکیت متصور ہو، ایک ایسے مسلمان کی جائداد جو لاوارث فوت ہو جائے اور اس نے اپنی جائداد کے متعلق کوئی وصیت بھی نہ کی ہو تو وہ بیت المال کے سپرد ہونی چاہئے، خزانۂ عامرہ (PUBLIC TREASURY) بیت المال کا صحیح ترجمہ نہیں، بیت المال کا دراصل مفہوم خزانے کے تہ خانے نہیں بلکہ وہ ایک سرمایہ (فنڈ) ہے، اور غریب مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جو کچھ بھی خرچ کیا جاوے وہ اسی سرمایہ سے خرچ

[ا] **معارف:** اور بلکہ جب تک وہ مہر واجب الادا، ادا نہ ہو جائے، قانون وراثت اسلام کے رو سے جائداد کی تقسیم بھی صحیح نہیں کرا و لاً متوفی کے دیون ادا ہونگے، پھر ترکہ کی تقسیم عمل میں آئیگی، "ر"

ہونا چاہئے (آغا فی صفحہ ۴۲۳) شیعہ قانون جو بیت المال کے قیام کو تسلیم نہین کرتا اس کے روسے شہر کے غربا لاوارث جائداد کے آخری وارث قرار پاتے ہین، امیر علی کی رائے ہے کہ ہندوستان مین لاوارث جائداد کو حکومت برطانیہ کی جائز ملکیت کبھی تسلیم نہین کیا جاسکتا، حکومت کی جانب سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہین وہ شیعہ یا سنی عقائد (اصول وراثت) کے مطابق مستند نہین، اگر حکومت کا دعویٰ تسلیم کیا جاسکتا ہے تو صرف اس صورت مین کہ لاوارث جائداد بطور امانت (IN TRUST) افسران حکومت کی نگرانی مین رہے اور اس سے غربا کی امداد کیجائے۔

یہ سوال کہ آیا برطانوی ہند مین ایک مقامی مسلم جماعت مسلمانون کی امداد کے لئے ایسا فنڈ (بیت المال) قائم کر سکتی ہے اور اس کو جاری رکھ سکتی ہے اور یہ کہ آیا کوئی شخص لاوارث اور بغیر وصیت کئے مرجائے تو اسکی جائداد کو اس فنڈ کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، اس کا جواب سر رولینڈ والسن (SIR ROLAND WILSON) نے اثبات مین دیا ہے یعنی "درحقیقت کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ حکومت برطانیہ کو جس نے مذہبی معاملات مین غیر جانبدار رہنے کا عہد کیا ہے، کیون معقول طور پر اس امر پر آمادہ نہین کیا جاسکتا کہ لاوارث جائداد کو ان لوگون کے عام فائدے کے لئے جو ایسا عقیدہ رکھتے ہین کام مین لائے اور اس کے لئے کوئی ادارہ قائم کرلے[1]"،

---

[1] معارف: یہ کام ہندوستان مین حکومت برطانیہ کی قائم کردہ اسی اسلامی مجلس قضا کے ماتحت انجام پاسکتا ہو جسکے قیام کی تحریک سالہا سال پیشتر معارف نے کی لیکن ہماری بدقسمتی سے ہمارے بہت سے قومی مسائل کی طرح یہ تحریک بھی ابھی تک ہمارے باہمی اختلاف و انتشار کی نذر ہے۔ "ر"

یوذاسف کون ہے؟

بُدھ یا یسوع!

ازجناب "ارسطو"

یوذاسف کون ہے؟ یہ علم تاریخ کا کوئی نیا مسئلہ نہیں، متعدد علماے مشرق و مغرب نے اسپر خامہ فرسائی کی اور وہ ایک ہی نتیجہ پر پہنچے، کہ یہ بدھ ہے، اگر سری نگر (کشمیر) مین ایک قبر ملی ہے جس کی نسبت عوام مین مشہور ہے، کہ یہ یوذاسف کی قبر ہے، احمدی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ

۱- یسوع ناصری کی قبر ہے،

۲- یوذاسف لفظ یسوع کی بگڑی ہوئی شکل ہے،

۳- قبر انیس سو برس کی پرانی بتائی جاتی ہے، اس کی اسلامی محلون مین موجودگی بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کسی ہندو رشی منی کی سمادھ نہین،

انھون نے خاص اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ رازِ حقیقت لکھا ہے جس مین قبر کے گرد و نواح کا نقشہ وغیرہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

لیکن یہ نظریہ بوجوہ غلط ہے،

ہندوستان ایام قدیم سے قصہ کہانیون کی وجہ سے خاص طور پر مشہور رہا ہے، یہان کے لوگ افسانے گڑھنے مین خاص مہارت رکھتے ہین، آج مغرب و مشرق مین جس قدر تمثیل اور افسانے ہین، اگر ان پر غور کیا جائے، اور ان کے ماخذ کی کھوج نکالین، تو معلوم ہوگا کہ ان مین سے اکثر ہندوستان کی پیداوار ہین، منجملہ آن "بدھ کی پیدائش کے افسانے"

(جنمین سے اکثر زمانہ قبل مسیح کی تصنیف ہین) "پنچ تنتر" "ہست اوپدیش" "قصۂ سندباد" "پران" وغیرہ عجیب و غریب کہانیون کا مجموعہ ہین، "الف لیلہ" مین بھی ہندی اثرات کا سراغ نکالا گیا ہے، لیکن اس سے یہ خیال نہین کرنا چاہئے کہ یہ سب محض تفنن طبع کا سامان تھے، بلکہ ان مین اخلاقیات، مذہب، سیاسیات وغیرہ مباحث پر تمثیلی پیرایہ مین گفتگو ہے، مختلف زمانون مین یہ کتابین تراجم وغیرہ کے واسطہ سے اقطار مغرب مین پہنچین، اور ہندوستان کی شہرت کا باعث ہوئین، ان مین سے جس کتاب نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ کلیلہ دمنہ ہے، اس کتاب کی اصل سنسکرت اب ناپید ہے، یہ کتاب چھٹی صدی عیسوی مین پہلی بار پہلوی مین ترجمہ ہوئی، اس ترجمہ کا پھر سریانی زبان مین ترجمہ ہوا، پہلوی ہی سے خلیفہ منصور عباسی کے عہد مین عبداللہ ابن المقفع نے عربی مین منتقل کیا، اور اس سے آگے یہ دنیا کی مختلف زبانون مین شایع ہوئی، اس کتاب کا اصل موضوع سیاسیات اور اخلاق ہے،

ہندی حکمت و دانش کی دوسری کتاب "بوذاسف و بلوہر" ہے جس کی شہرت گو کلیلہ دمنہ سے کم ہے، مگر اسکی اہمیت اور بلندی اس سے کہین بڑھ کر ہے، ابن ندیم نے اس کا ذکر ان ہندی افسانون مین کیا ہے، جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئے تھے، اس مین تو کوئی شک نہین کہ بوذاسف سے بدھ مراد ہے، پرانی فارسی مین دال کی جگہ ذال لکھتے تھے، اس لیے بوداسف کی جگہ بوذاسف ہوگیا، آخری حرف سف بقول زخاؤ ستو ہے، بودھی ستو کا بوذاسف ہوگیا، کہ خاص قسم کے واؤ جیسے رومن کی (v) عربی مین ف ہوجاتی ہے، اور بوہر کی اصل زخاؤ صاحب پروہیتر سمجھتے ہین جس کے معنی گورو کے ہین، اس کتاب مین بدھ کی پیدائش، تربیت اور پھر ایک اتفاقی واقعہ سے اس کا دنیا سے بیزار ہونا، اور اس کی خبر سنکر سراندیپ کے ایک جوگی کا سوداگر کے لباس مین اس کے پاس آنا اور تلمیح و اشارہ مین اور حکایتون اور تمثیلون مین شاگرد و استاد کا دنیا کے سربستہ رازون اور کائنات کے لاینحل عقدون پر تشفی بخش بات چیت و سوال و جواب ہے، یہ کتاب عربی زبان سے مختلف زبانون مین پھیلی، اور مذہبی حلقون مین اسقدر پسند کی گئی کہ عیسائیون نے اس کو اپنے ایک ولی کی طرف منسوب کر لیا، مسلمانون کے ایک فرقہ نے

اس کے بڑے حصہ کو لے کر اپنے ایک امام کی تصنیف بتایا "اخوان الصفا" جو چوتھی صدی (ہجری) کی ایک نیم مذہبی اور نیم فلسفیانہ کتاب ہے، اور جس کی اس حیثیت سے ایک خاص اہمیت ہے کہ ایک خاص نظام تخیل (اسکول آف تھاٹ) کے طریق پر یہ کتاب چوتھی صدی مین ایک پوشیدہ انجمن نے رازدارانہ طریقہ پر لکھی تھی اور اسلام کے ایک فرقہ کے نزدیک وہ ایک مذہبی صحیفہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب مین یوذاسف وبلوہر کی کتاب کے مختلف ابواب داخل ہین۔ میری نظر مین وہ کتاب دنیا کی ان چند کتابون مین سے ہے، جن کی تاثیر گنہگارون کے دلون مین بھی گھر کر لیتی ہے، اسمین بعض ایسی موثر مثالین بھی ہین، جو آج مسیح کے کلام مین ہم کو ملتی ہین، اور ہم نہین کہہ سکتے، کہ یہ موتی کس سمندر کی تہ سے پہلے نکلے ہین[1] ؛

بدھ کے متعلق اور کتابین بھی عربی زبان مین منتقل ہوئین، چنانچہ ایک کتاب البُدْ خاص طور پر مذکور ہے[2]، صفحہ ۳۴۷ پر ابن ندیم لکھتا ہے، کہ بدھ اور بوداسف ایک ہی شخص ہے،

مولنا سید سلیمان صاحب ندوی نے فرمایا ہے، کہ اسی کتاب بوذاسف وبلوہر کا ترجمہ عیسائیون مین پھیلا یہان میرے نزدیک انھین مغالطہ ہوا ہے، اگر ان کی مراد اس یونانی کتاب سے ہے، جو سنٹ جان دمشقی نے لکھی اور جسکا نام "بارلعم و یواسف" یا "بارلعم وجوزافٹ" ہے، تو وہ خود لکھتا ہے، کہ مین نے یہ کہانی ہندوستانی لوگون کی زبان سے سنی، مگر "بارلعم وجوزافٹ" مین جوزافٹ کے ابتدائی حالات بالکل ویسے ہین، جیسے بدھ کی منظوم سوانحعمری "للت وستار" (LALITA VISTARA) مین دیے ہین، وہ بدھ کی پیدائش پر نجومی کی پیشینگوئی، وہ اس کی بچپن ہی سے سنجیدہ اور سوچ بچار کی عادت، اس کے والد کی قدغن، وہ اس کی مشہور تین ملاقاتین جب وہ باری باری ایک ضعیف و نزار بوڑھے، ایک بیمار اور ایک لاش سے ملتا ہے، نہ صرف یہ کہ جوزافٹ کے حال مین دی ہین، بلکہ دونون کے نقط بالکل ایک سے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک دوسرے کا ترجمہ ہے، رہا یہ سوال کہ کون ترجمہ ہے اور

[1] عرب و ہند کے تعلقات از مولنا سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۶۰-۱۶۱ [2] الفہرست ابن ندیم جلد اول (فلوگل) صفحہ ۳۰۵

اور کون اصل، تو اس مین کوئی شک نہین رہتا، جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ للت وستار بارلعم وجوزوفٹ سے پہلے کی تصنیف ہے، اس سے بھی بڑھکر للت وستار کی قدامت کا یہ ثبوت ہے، کہ چینی سیاح فاہیان جب پانچوین صدی کے اوائل (۳۹۹ء تا ۴۱۴ء) مین ہندوستان آیا، تو اس نے کپل وستو مین جو بدھ کی جنم بھومی تھی، ان چارون مینارون کو دیکھا، جو بدھ کی ان ملاقاتون کی یادگار مین قائم کئے گئے تھے، سینٹ جان دمشقی اس سے تین صدی بعد ہوا،[ل] غرضکہ بارلعم وجوزافٹ کی داستان سنی سنائی ہے، یا للت وستار سے ماخوذ ہے، شروع سے آخر تک بدھ کی کہانی،

ایک اور ثبوت بھی اس کے بدھ کا حال ہونے کا یہ ہے، کہ بیک وقت جرمنی، فرانس اور انگلستان کے محققین اس نتیجہ پر پہنچے، کہ "بارلعم وجوزافٹ" بدھ کے حالات بیان کر رہی ہے، جبکہ دوران تحقیق مین ایک دوسرے کا پتہ نہ تھا، کہ وہ بھی اسی موضوع پر کچھ کام کر رہے ہین،

یہ کتاب ازمنۂ وسطیٰ مین یورپ کی نہایت ہردلعزیز کتابون مین سے تھی، اس کے تراجم مختلف زبانون

ل خاندان عباسی کے دوسرے خلیفہ المنصور (۷۵۳ء تا ۷۷۴ء) کے عہد مین حکومت کی طرف سے بغداد مین ایک مستقل دارالترجمہ قائم کیا گیا، اس کی نگرانی مین مختلف زبانون کی بیش قیمت کتابین عربی مین منتقل کیگئین، عبداللہ ابن المقفع نے کلیلۂ دمنہ کا پہلوی سے عربی ترجمہ اسی عہد مین کیا، خلیفہ المنصور کے دربار مین ایک عیسائی سرجیوس (SERGIUS) تھا، وہ کئی سال بیت المال مین ملازم رہا، سرجیوس کا ایک لڑکا تھا، جسے اس نے بہترین تعلیم دلائی، اس کا اتالیق خاص ایک طالوی راہب کاسمس ([illegible]) نامی تھا، جسے سرجیوس نے غلامی سے خرید کر آزاد کر دیا تھا، اس لڑکے کا عربی نام منصور اور عیسائی نام جان تھا، اپنے مولد کی نسبت سے جان دمشقی کہلاتا ہے، اپنے والد کی وفات کے بعد یہ اس کا جانشین ہوا، ۷۳۰ء کے قریب اس نے بت پرستی کی تائید مین چند رسائل تصنیف کئے، جس کے خلاف اس وقت شہنشاہ لیو (LEO) نے ایک جہاد شروع کر رکھا تھا، آخر جان نے دنیا ترک کر دی، اور یروشلم کے قریب سینٹ سبا کے راہب خانہ مین مقیم ہوگیا، اور اپنی جائداد غربا و احباب مین تقسیم کر دی، اس گوشہ نشینی کے بعد اس نے عیسائیت کے متعلق کئی ایک عالمانہ کتابین لکھین،

مین ہوئے مشرق مین سریانی، عربی، افریقی (ETHIOPIC)، ارمنی، عبرانی اور مغرب مین لاطینی، فرانسیسی، اطالوی، بوہیمی، پوستانی، جرمنی، انگریزی، اسپینی زبانون مین اس کے تراجم ہوئے ۱۲۰۴ء مین ایک ناروے کے بادشاہ نے اس کا آئس لینڈی زبان مین ترجمہ کیا، اور جزائر فلپائن کی قدیم زبان تگلا (TAGALA) مین ایک عیسائی راہب نے ترجمہ کیا[1]، آخر اس کا اتنا چرچا ہوا، کہ پاپائے روم اور یونانی کلیسا دونون نے جوزافٹ اور بارلعم کو مذہب عیسوی کے ولیون مین شامل کر لیا، اور دونون جگہ حکم مین لکھا، کہ یہ دونون ولی ہندوستان میں ہوئے ہین، یونانی کلیسا مین ۲۶ راگست کا دن سینٹ جوزافٹ سے مخصوص ہے، اور کلیسائے روما میں ۲۷ نومبر ہردو بارلعم و جوزافٹ سے منسوب ہے[2]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) اس نے اسلام کے خلاف بھی چند رسائل لکھے، اور آخر اپنے علم اور زور بیان کی وجہ سے عیسائیت کے مستند علما اور اہل قلم مین شمار ہونے لگا، فصاحت کی وجہ سے اُسے "گوہر بار" کا خطاب دیا گیا، وہ عربی، یونانی، اور غالباً فارسی زبانون کا ماہر تھا، اپنی زندگی کے آخری ایام مین اس نے شام کا سفر کیا، اور بت پرستی کی تائید اور بت شکنی کی مخالفت مین پروپگنڈا کیا، اسی سلسلہ مین وہ اپنی جان کی پروا نہ کرتا ہوا قسطنطنیہ بھی گیا، جان عیسائیت کے دونون کلیساؤن کا سینٹ ہے، یونانی کلیسا اس کا تیوہار ۴ دسمبر اور ۲۹ نومبر کو مناتا ہے، اور لاطینی ۶ رمئی کو، اس کا زمانۂ وفات ۷۵۲ء کے قریب قریب ہے، اپنی تصنیف "بارلعم و جوزافٹ" مین اس نے دراصل عقائد عیسوی کی تشریح کی ہے، کہانی چند لفظون مین یہ ہے:۔ کہ "ہندوستان کا ایک بادشاہ عیسائیون کا اشد مخالف تھا، اس کا اکلوتا لڑکا تھا، جوتشیون نے پیشین گوئی کی، کہ وہ عیسائیت قبول کریگا، بادشاہ ہر طرح کوشش کرتا ہے، کہ اُسے دنیا کی تکالیف اور مکروہات سے ناواقف رکھے، اور کسی طرح اس کی توجہ عیش و عشرت میں لگ جائے، ایک عیسائی راہب کسی طرح شاہزادہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اسے عیسائیت کی تعلیم دیتا ہے، آخر نوجوان شہزادہ کو اصطباغ دیا جاتا ہے، اور وہ ترک دنیا کا عزم کر لیتا ہے، انجام مین وہ اپنے والد اور اسکی کثیر رعایا کو بھی عیسائی بنا کر اس راہب کی معیت مین صحرا کو چلا جاتا ہے" انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ج ۴ از میکس طرص ۴۴ ۴ - ۴ ۷

[1] انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۳ ص ۵۵ ۴ [2] میکس مرج ۴ ص ۵۶ ۴ ،

بارلعم و جوزافت کی تحقیق پر مفصل بحث رہس ڈیوڈز نے کی ہے، رہس ڈیوڈز بدھ مت کے ماہر مستشرقین کی صف اول میں نمایاں جگہ کا مالک ہے، وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ جوزافٹ بدھ ہے،اور کہ جوزافٹ عربی اور فارسی میں یوذاسف لکھا جاتا ہے[1]،

کاتبوں نے اس لفظ بوداسف کے املا میں عجیب و غریب جدتیں کی ہیں، چنانچہ اس کے بعض املا جو مختلف نسخوں میں ملتے ہیں، لو اسف، یواسف، برسف، یوذاسف، بوراسف، بوداسف، بوراشف ہیں[2]،

بودھی ستو سے بوذاسف اور پھر یوذاسف یہ اس لفظ کی تین ارتقائی صورتیں ہیں[3]، بھلا کاتب کے لئے بوذاسف کے نیچے ایک نقطہ اور بڑھا دینا کونسی ایسی مشکل بات تھی،

بدھ مت کسی زمانہ میں افغانستان اور ایران کا مذہب تھا، اور وہاں بدھ بوذاسف ہی کے نام سے مشہور تھا، چنانچہ نوبہار (نودہار) جو ایران میں بدھوں کا سب سے بڑا اور عالیشان وہار تھا، اس کے دروازے پر لکھا تھا:-

"بوذاسف کا قول ہے کہ بادشاہوں کے دروازے تین خصلتوں کے محتاج ہیں عقل، صبر اور مال"[4]

رفتہ رفتہ یہی لفظ بوذاسف بگڑ کر یوذاسف زبانوں پر چڑھ گیا، اور یوذاسف سے بدھ سمجھا جانے لگا،

مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق نے یہ بھی ثابت کردیا ہے، کہ بغداد کے عباسی خاندان کے مشہور وزراء برامکہ بھی اصل میں بدھ مت کے پیرو تھے، ان کا جد امجد اسی نو وہار کا پرمک تھا، یہی لفظ پرمک بگڑ کر برمک بنا، جس سے اس خاندان کا نام ہی برمکی ہوگیا[5]،

---

[1] BUDDHIST BIRTH STORIES PHYS DAVIDS دیباچہ صفحہ ۲۰ سے آگے،

[2] الفہرست (فلوگل) جلد دوم صفحہ ۱۰۰، [3] معارف :- دال کا حرف قدیم ایرانی میں ذال سے لکھا جاتا تھا، اور دھ کے بجائے دال بولا جاتا تھا، اس لئے بودھ، بودا، اور بودا، بوذا ہوا، [4] مسعودی بحوالہ "عرب و ہند کے تعلقات" صفحہ ۱۱۵،

[5] اس مسئلہ پر مفصل بحث "عرب و ہند کے تعلقات" میں موجود ہے،

جناب مرزا صاحب قادیانی نے یسوع کے یوذاسف ہونے کا ایک اور ثبوت دینا چاہا ہے، لکھتے ہین کہ کتاب "اکمال الدین واتمام النعمۃ" مین یسوع کے سفرِ ہندوستان کے حالات درج ہین، اور وہان یسوع کا نام یوذاسف درج ہے،

مندرجۂ بالا طویل اقتباس مین جہان مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے فرمایا ہے، کہ "مسلمانون کے ایک فرقے نے اس کے بڑے حصہ کو لے کر اپنے ایک امام کی تصنیف بتایا" وہان غالباً ان کی مراد اسی کتاب "اکمال الدین واتمام النعمۃ" سے ہے اس کا پورا نام "اکمال الدین واتمام النعمۃ فی اثبات الغیبۃ وکشف الحیرۃ" ہے، اس کے مصنف جناب علامہ ابوجعفر محمد بن یحیٰی ابن الحسین ابن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) ہین، اس کتاب مین انھون نے غیبت ورجعت امام منتظر کے مشہور مسئلہ پر بحث کی ہے، پوری کتاب عجیب وغریب افسانون کا مجموعہ ہے، امام محمد بن حسن عسکری کی رجعت کے ثبوت مین مختلف انبیا علیہم السلام کی غیبت اور رجعت کا بیان کرتے ہوے مصنف علام ازمنۂ گذشتہ کے ان اشخاص کا ذکر چھیڑ دیتا ہے، جنھون نے حالات سے مجبور ہو کر غیبت اور تقیہ کا دامن پکڑا اور اسی سلسلہ مین وہ یوذاسف کا قصہ شروع کر دیتا ہے، اور اس کے والد کا "ملکا من ملوک الہند" کہکر تعارف کراتا ہے، اس کے بعد وہی حالات ہین، جو کتاب "یوذاسف وبلوہر" مین ہین، نہ معلوم اس سے مرزا صاحب نے یہ استدلال کیسے کیا، کہ اس کتاب مین یوذاسف سے مراد یسوع ہی،

بدھ کی وفات کے قریبی زمانہ مین ہی بدھ مت کشمیر مین پہنچ چکا تھا، کشمیر موریا خاندان کی وسیع سلطنت مین شامل تھا، اشوک اعظم کے عہد مین بدھ مت نے جس قدر ترقی کی اور خود اس بادشاہ نے لوگون تک بدھ کا پیغام پہنچانے کے لئے جو مساعی صرف کین، وہ تاریخ کے مبتدی سے بھی مخفی نہین، انہی کا نتیجہ تھا، کہ کشمیر بدھ مت کا نہایت زبردست مرکز بنگیا، تا آنکہ سک خاندان کے بادشاہ کنشک کے عہد (پہلی دوسری صدی عیسوی) مین کشمیر کے دار الخلافہ سری نگر مین اس مذہب کے پیروون کی چوتھی کونسل ہوئی، اس کونسل کے فیصلہ جات کو تانبے کے پترون پر کندہ کرا کے زمین مین دفن کر دیا گیا، اور جس طرح مسٹر وی، اے، اسمتھ لکھتے ہین، کیا عجب ہے، کہ کسی دن حسن اتفاق سے زمین اپنا یہ دفینہ اگل دے، جس جگہ یہ پترے دفن کئے گئے تھے، وہان بودھی طرز کا ایک استوپ بنایا گیا تھا،

اس کے بعد پھر برہمنی دور آیا، لیکن اس حالت میں بھی بدھ مت والون کا اقتدار کافی تھا، پھر مسلمان آئے، چودھوین صدی مین (۱۳۳۴ء کے قریب) سلطان شمس الدین شاہ مرزا نے کشمیر مین اسلامی حکومت قائم کی، اور کشمیر کی آبادی کا کثیر حصہ اس خاندان کے چھٹے حکمران سلطان سکندر (۱۳۸۶ء لغایۃ ۱۴۱۰ء) کے عہد مین داخل اسلام ہوا، غرضیکہ چودھوین صدی تک کشمیر کی آبادی کی اکثریت بدھ یا برہمنی مذہب کی مقلد تھی، خود افغانستان مدتون بدھ مت کا گہوارہ رہا، وہان کے آثار قدیمہ اس دعویٰ کے مسکت ثبوت ہین، یہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہین، کہ افغانستان اور ایران مین بدھ، یوزآسف کے نام سے مشہور رہا؟ اس لئے جب مسلمان کشمیر مین داخل ہوئے، تو انھون نے ایران کے بودھون کو یوزآسف کے پیرو ہی کہا،

اگر قبر انیس سو برس کی پرانی ہے، جو بجائے خود محل نظر ہے، تو بہرحال اپنی تعمیر کے وقت تو یہ اسلامی مقلومین نہین ہوسکتی، کیونکہ اس وقت نہ صرف یہ کہ اسلام کشمیر مین نہین تھا، بلکہ ابھی عالم وجود ہی مین نہین آیا تھا، لہٰذا آج اس کا اسلامی محلون مین ہونا لائق حجت نہین،

رہا یہ سوال کہ پھر یہ "یوزآسف کی قبر" کس کی قبر ہے، تو اس کے متعلق کئی امکانات ہوسکتے ہین،

(۱) بدھ کی وفات پر جب راج گرھ مین اس کے جسد خاکی کو سپرد آتش کیا گیا، تو مختلف جگھون کے لوگ اسکی راکھ لے گئے تھے، اپنے اپنے ملکون مین انھون نے اس پر یادگاری استوپ قائم کئے، ممکن ہے کہ جہان آج یوزآسف کی قبر ہے، وہان کسی زمانہ مین وہ استوپ رہا ہو، جو حوادث زمانہ سے گر گیا، مگر اس کا نشان رہ گیا، اور اسلامی عہد مین اسے "یوزآسف کی قبر" کے نام سے شہرت حاصل ہوگئی،

(۲) مین اوپر لکھ چکا ہون اکہ کنشک نے بدھ مت کے پیرون کی چوتھی کونسل کے انعقاد کے بعد اس کے ... کو ... کے پتھرون پر کندہ کرکے ... مین دفن کرادیا، اس جگہ ایک استوپ بنایا گیا تھا، ممکن ہے کہ موجودہ ... تاریخی خزانہ کا مدفن ہو،

(۳) یہ بھی ممکن ہے، کہ اسلامی عہد کے ابتدائی زمانہ مین بدھ مت کا کوئی قابل عزت بزرگ بھکشو

یا تھیرا فوت ہوا ہو، اس جگہ اس کی سمادہ بنی ہو، مرور زمانہ سے صاحب قبر کا نام بھول گیا، مگر مسلمانون نے اس کے مرشد کے نام پر اس جگہ کا نام محض "یوذاسف کی قبر" رکھدیا ہو،

۴ - یہ بھی ممکن ہے، کہ اس جگہ کسی زمانہ مین بدھ دہار رہا ہو، جس کی باقیات مین سے یہ قبر اب رہ گئی ہو، مگر یہ سب ظنیات سے ہین، جنکا فیصلہ کبھی اس نواح مین آثار قدیمہ کی کھدائی ہی سے ہوسکتا ہے، بہر حال ایک بات قطعی طور پر ثابت ہے، کہ یوذاسف بدھ کے سوا اور دوسرا نہین،

کتاب المعتبر لابی البرکات البغدادی

از
مولوی سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

رسالہ معارف مئی سنہ ۳۴ء کے شذرات مین کتاب المعتبر لابی البرکات کی طباعت کی خبر شائع ہوئی ہے، جسمین اس امر کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ عربی کے بجائے نئے ترکی لاطینی خط مین چھپی ہے،

ہم دلی مسرت سے اہل علم اصحاب کو یہ اطلاع دیتے ہین کہ یہ کتاب اس وقت بحمد اللہ دائرۃ المعارف مین زیر تصحیح ہے اور انشاء اللہ جلد از جلد حلیہ طبع سے آراستہ ہوگی،

یہ کتاب ہمارے مطبوعہ برنامج (لائحۂ عمل) مین درج نہ تھی لیکن علامہ شرف الدین آفندی پروفیسر دار العلوم آستانہ نے جنکو علوم عقلیہ سے خاص دلچسپی ہے اس کتاب کا ایک نایاب قلمی نسخہ بتوسط مولوی حمید اللہ صاحب ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی مجلس دائرۃ المعارف کے پاس روانہ فرمایا اور اس کو جلد طبع اور شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی، مجلس نے اس کتاب کی خصوصیت اور اہمیت کا لحاظ کرکے پروفیسر موصوف کی تحریک کو منظور کیا، انکی اس علمی اعانت کا بطور خاص شکریہ ادا کیا اور اس کتاب کو اپنے نظام العمل کے دوسرے سال مین شریک کرنے کی مسرت دی، چنانچہ یہ کتاب اس وقت مولوی سید زین العابدین صاحب رکن و مصحح علوم عقلیہ کے زیر تصحیح ہے اور عنقریب وہ مین لائق طبع ہوسکے گی، یہ کتاب تین حصون پر منقسم ہے، (۱) علوم منطقیہ (۲) علوم طبیعیہ (۳) علوم الٰہیہ مقدمہ مین یہ عبارت درج ہے جو لغرض وضاحت نقل کیجاتی ہے،

فی تصنیف ھذا الکتاب فی العلوم الحکمیۃ الوجودیۃ والطبیعیۃ والالٰہیۃ وسمیتہ بالکتاب المعتبر لانی ضمنتہ ما عرفتہ واعتبرتہ وحققت النظر فیہ و

ولیست بانا انتقادیت من غیر وثیقت لو فسخت وتقبلته من غیر نظر واعتبار لم اوافق علی ما اعتمدت علیہ فیہ من الآراء والمذاہب کبیر الکبرہ وخالفت صغیر اصغرہ بل کان الحق من ذلک ہوالغرض والموافقۃ والمخالفۃ فیہ بالعرض وکان اغلب ما بقی فیہ لکبیر تلامذتی وقد یعصم الذی ہو کاتبہ ومستملیہ والذی تصفح تعالیمہ وراجع فی علومہ حتی کمل وانتھی باستملائہ مع تعلیمہ وتحقیقہ وقدمت علی ما ضمنتہ من العلوم الوجودیۃ ذکر العلوم المنطقیۃ التی قیل فیہا انہا قوانین الانظار وعروض الافکار واحتذیت فی ترتیب الاجزاء والمقالات والمسائل والمطلوبات حذو ارسطو طالیس فی کتبہ المنطقیۃ والطبیعیۃ والالٰہیۃ،

مصنف کا ترجمہ طبقات الاطباء ۲۷۸ مین درج ہے، یہ ۵۶۰ھ مین موجود تھے، پہلے یہودی تھے اس کے بعد اسلام لائے خلیفہ مستنجد باللہ کے دربار مین کسی خدمت پر مامور تھے، ان کے تصانیف مین کتاب المعتبر کو (اجل کتبہ) لکھا ہی، یہ نسخہ جو دائرۃ المعارف کے پاس قسطنطنیہ سے وصول ہوا ہے نہایت نایاب ہے، جزء اول کے آخر مین یہ عبارت درج ہے،

فی آخر الجزء الاوّل۔ عورض بنسخۃ مہذبۃ مقروءۃ علی المصنف وذالک فی شھور سنۃ ست وخمسین وخمسمائۃ، والحمد للہ حق حمدہ کما ہو اہلہ،

اس نسخہ کے علاوہ پروفیسر شرف الدین آفندی نے دو اور قدیم نسخون کا آستانہ کے کتب خانون مین پتہ چلایا ہے، اگر اس امر کی ضرورت محسوس کیگئی کہ اس کتاب کا مقابلہ دوسرے نسخون سے بھی کر لیا جائے تو اس کام مین پروفیسر موصوف سے ہم کو بڑی مدد ملنے کی توقع ہے،

تلخیص و تبصرہ

عقلیت کا نقطۂ نظر

عہد حاضر کے تمام فتنوں میں عقلیت (RATIONALISM) سب سے زیادہ دلفریب فتنہ ہے، یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو میں عقل کا بیش از بیش استعمال چاہتی ہے اور یہی چیز اس کو مقبول بنا رہی ہے، خداوند عالم کی اس نعمت کے افادہ و اہمیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا لیکن عقلیت کی تمام موجیں مادی حدود سے ٹکرا کر رہ جاتی ہیں اور جو باتیں مادہ کے دائرہ سے باہر ہیں عقلیت انھیں ناقابل فہم سمجھ کر مسترد کر دیتی ہے، انکار وجود باری تعالیٰ اسی تصور فہم کا نتیجہ ہے۔ حال میں عقلیت کے نقطۂ نظر پر برطانیہ کے ایک فاضل پروفیسر جولین ہکسلے نے تقریر کی تھی جو لندن کے مشہور عقلی رسالہ لٹریری گائڈ (جون [illegible]) میں نقل ہوئی ہے، سطور ذیل میں اسکی تلخیص پیش کیجاتی ہے

"عقلیت بجائے خود کوئی مذہب نہیں ہے، بلکہ یہ مذہب اور اس کے متعلقہ مسائل کی نسبت ایک مخصوص زاویۂ نگاہ کا نام ہے، اسکی تعریف یوں کیجا سکتی ہے کہ یہ ان مسائل میں سند (AUTHORITY) یا وحی، جذبہ یا عقیدہ کے برخلاف عقل کا بیش از بیش استعمال چاہتی ہے، عقلیت یہ نہیں کہتی کہ یہ چیزیں فائدہ سے خالی ہیں، [illegible] یہ چیزیں [illegible] لیکن عقلی کا قول یہ ہے کہ عقیدہ کو اندھا نہ ہونا چاہئے اور جذبہ فی نفسہ [illegible] نہیں ہے، سند کی بھی ایک جگہ ہے لیکن یہ کبھی قطعی نہیں ہو سکتی اور اکثر غلط ثابت ہوئی ہے [illegible] عقلیت کا ایک ایجابی پہلو بھی ہے، یہ ترقی کے حصول کے لئے عقل انسانی کو سب سے [illegible] عقلی کے نزدیک محض استدلال منطقی کوئی مضبوط شے نہیں، استدلال منطقی اسی وقت قابل [illegible] ہو سکتا ہے جب وہ تجربہ کے واقعات سے قریب ترین تعلق رکھتا ہو، جبتک ضروری

واقعات فراہم نہیں ہوتے "عقلی" اپنا فیصلہ معلق رکھتا ہے،

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلیت نے ہمیشہ کسی نہ کسی شکل مین انسانی ترقی مین ایک اہم حصہ لیا ہے، سقراط اپنے طریقہ کا ایک بڑا "عقلی" تھا اور عقلیت ہی پر عقیدہ رکھنے کی پاداش مین اسے جان دینی پڑی قرون وسطیٰ مین عقلیت کے رجحانات کلیسا کے ہاتھون سختی سے دبا دیئے گئے تھے، لیکن "نشأۃ ثانیہ" اور "اصلاح کلیسا" کے بعد وہ پھر ظاہر ہونا شروع ہوئے، اس وقت سے اٹھارہوین صدی کے آخر تک اہل علم اور فلاسفہ مثلاً والٹیر اور ہیوم ممتاز عقلیین تھے، انیسوین صدی کی ابتداء سے سائنس کی ترقی نے عقلیت کے لئے ایک جدید اور مضبوط بنیاد قائم کردی، اور کلیسا کو پسپا ہوجانا پڑا، ہربرٹ اسپنسر، مل، لیزلی اسٹیفن، بریڈلا اور ہولیوک اس جدید تحریک کے نمایندے ہین، لیکن لفظ عقلیت (ریشنلزم) کا استعمال کسی متعین تحریک کے سلسلہ مین ۱۸۹۹ء تک شروع نہین ہوا، اس سال ریشنلسٹ پریس ایسوسی ایشن (RATIONALIST PRESS ASSOCIATION) قائم کیا گیا، اس وقت سے برابر یہ جماعت وہم پرستی، عقلی بددیانتی اور بے قاعدہ مذہبی پابندیون کو دور کرنے کی کوشش کررہی ہے اور اس قلیل مدت مین اس نے کافی اثر پیدا کر لیا ہے،

"عقلی" کا نقطۂ نظریہ ہے کہ مذہبی جذبات، مذہبی عقائد اور مذہبی تنظیمات تجربہ کی چیزین ہین، مذہب کی ان مختلف شکلون کا مطالعہ عقل کی مدد سے کیا جاسکتا ہے اور اس مطالعہ کے بعد بعض موٹے موٹے اصول مستنبط ہوسکتے ہین، ان مین سے پہلا اور سب سے زیادہ واضح اصول یہ ہے کہ مذہبی عقائد و اعمال کا اختلاف تقریباً غیر محدود ہے، عام طور پر لوگ صرف اپنے ہی مذہب کو حق اور تمام دوسرے مذاہب کو باطل خیال کرتے ہین، باطل ہی نہین بلکہ وہ غیر مذاہب کو وہم پرستی سے تعبیر کرتے ہین، بہرحال "عقلی" معروضی طور پر (OBJECTIVE) سوچتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ حقیقت مطلقہ یا حقیقت کاملہ پر عقیدہ رکھنا ناممکن ہے، اس کے اس خیال کو مذہب کے دوسرے مستنبط اصول سے تقویت پہنچتی ہے، یعنی مذاہب مین تغیر و ارتقا ہوتا رہتا ہے، اور اس کلیہ سے وہ مذاہب بھی مستثنیٰ نہین جو وحی پر قائم ہونے کے دعویدار ہین، چنانچہ آج کا رومن کیتھولک مذہب نشأۃ ثانیہ کے

مذہب سے یا ابتدائے عہد کلیسا کے مذہب سے بالکل مختلف ہے، شیطان اور دوزخ کے متعلق عیسائی عقیدہ میں گذشتہ چند صدیوں میں نمایاں طور پر انحطاط ہو گیا ہے،

اکثر اشخاص کے نزدیک مذہب سے مراد خدا کا عقیدہ یا خدا کی پرستش ہے، دوسروں کا خیال یہ ہے کہ مذہب حیات بعد الممات کے لئے تیار ہونے کا نام ہے، لیکن "عقلی" اس کی تعریف یوں کرے گا کہ مذہب نتیجہ ہے ایک خاص قسم کے رد عمل کا جو فطرت انسانی اور ماحول انسانی کے بعض حالات کے درمیان پیش آتا ہے، فطرت انسانی کے عناصر باہم گر بہت مختلف ہو سکتے ہیں، اسمیں محبت سے لیکر خوف تک اور رفعت و سربلندی سے لے کر تذلیل نفس تک کے جذبات شامل ہیں، لیکن یہی عناصر پاکی اور تقدس کی آمیزش کے بعد مذہبی ہو جاتے ہیں، ماحول انسانی کے حالات بھی حد درجہ گوناگوں ہیں، وہ فطرت کے سخت واقعات ہو سکتے ہیں، مثلاً زلزلہ اور وبا، پیدائش اور موت، یا وہ ایسے تعلقات ہو سکتے ہیں، جو ایک انسان دوسرے انسانوں یا سوسائٹی کے ساتھ رکھتا ہے، ماحول کے ان حالات کے سامنے انسان اپنے کو لاچار محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ ان پر قابو نہیں پا سکتا، یا ان کو سمجھ نہیں سکتا،

عقلیت مذہب کی تشریح میں مدد دیتی ہے ، اس کا اصول یہ ہے کہ جہاں کہیں ایک فطری قابل فہم اور معقول توجیہ مل سکے اسے فوق العادت، بدیع الفہم اور نامعقول توجیہ پر ترجیح دینی چاہئے،

مذہب کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر مذہبی اثر چار خاص طریقوں سے پڑا ہے، پہلا اثر اس پر سحر کاری کے ذریعہ پڑا، سحر کاری کا مفروضہ (HYPOTHESIS) بہت سے قدیم مذاہب میں پایا جاتا ہے، اس مفروضہ کے مطابق بعض اشیا، مقامات، افعال اور رسوم میں ایک طرح کی مقدس طاقت ہوتی ہے، جس میں مذہب کا خاص کام یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ طلسمی رسوم کے ذریعہ اس طلسمی اثر کو قابو میں لائے، مذہبی اثر کی دوسری راہ "مفروضہ الوہیت" (GOD HYPOTHESIS) سے ظاہر ہوتی ہے جو موجودہ مذاہب میں سے اکثروں میں پایا جاتا ہے، اس کے رو سے واقعات و حوادث پر قابو صرف خداؤں یا روحوں

کو حاصل ہوتا ہے اور اس صورت مین قربانی، عبادت، نماز اور عشائے ربانی کے رسوم مذہب کے خاص اعمال ہوتے مین، تیسرا مفروضہ وہ ہے جس کا تعلق تمام تر انسان کی باطنی کیفیات سے ہے، اسکی بہترین مثال بدھ مذہب کی خاص شکل ہے، یہ نجات پر زور دیتا ہے اور نجات بھی وہ جو خود اپنی ذات کے اندر سے حاصل ہو، اس کا معتقد سمجھتا ہے کہ "آسمان کی بادشاہت ہمارے اندر ہے"۔ چوتھے مفروضہ کا دعوٰی ہے کہ مذہب مین تقدس کا عنصر انسان ہی کا پیدا کردہ ہے اگرچہ بعض اشیاء اور حالات مین دوسری اشیاء اور حالات کی بہ نسبت مذہبی جذبات کو ابھارنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے،

"عقلی" کا خیال ہے کہ پہلے دونون عقیدے باطل ہین، سحر کاری باوجود اس کے کہ اب بھی لوگ کثرت سے اس کے قائل ہین محض ایک وہمی اور خیالی شے ہے جو صرف غیر تربیت یافتہ دماغون مین پائی جاتی ہے اسی طرح اس کا یہ بھی خیال ہے کہ دیوتا انسانی دماغ کی پیداوار ہین، سائنس کے نقطۂ نظر سے خدا محض ایک مفروضہ ہے اور سائنس مین ایسے مفروضہ کو بھی اکثر ترک کر دینا پڑتا ہے جو کسی وقت مفید ثابت ہو چکا ہو، خدا کا مفروضہ اس وقت تک کارآمد تھا جب تک خارجی فطرت (EXPERNAL NATURE) انسان کی دسترس سے باہر تھی اور طغیانی، وبا، قحط اور اسی نوع کے دوسرے مصائب کا خطرہ ہمیشہ رہا کرتا تھا، آج وبا یا قحط کو دور کرنے کے لیے کسی غیر انسانی اور مستتر طاقت کو منانے کی ضرورت نہین ہے، انسان خود ہی ان چیزون پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے اور حدود کے اندر کامیاب بھی ہوتا ہے، اسکی کوشش نماز اور قربانی کی بہ نسبت تو ضرور ہی زیادہ کامیاب ثابت ہوتی ہے، وہ جانتا ہے کہ بیماریان مادی اسباب مثلاً جراثیم اور ناقص طریق زندگی سے پیدا ہوتی ہین، اس لئے وہ ان کو خدا کی قدرت کی طرف منسوب نہین کر سکتا، سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ خدا ناگزیر طور پر انسانی معاملات سے دور ہوتا جاتا ہے،

انسانی ماحول کی دو قسمین ہین، خارجی اور داخلی، انسان اس وقت تک جس ماحول سے بہت کچھ واقف ہو چکا ہے اور اس پر بہت کچھ قابو بھی رکھتا ہے وہ اسکا خارجی ماحول ہے، داخلی ماحول پر جو سوسائٹی اور اُن

خیالات وجذبات کے نظام پر مشتمل ہے جنمین وہ پرورش پاتا ہے، اس کو بہت کم قابو حاصل ہو سکا ہے، چنانچہ اقتصادی، قانونی، سیاسی اور معاشرتی نظامات ہی جو انسان ہی کے بنائے ہوئے ہین دنیا کی موجودہ مشکلات کی بنیاد ہین، اسی بناء پر "عقلی" یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ مستقبل قریب مین مذہب کا تعلق معاشرتی احوال سے زیادہ قریب ہوتا جائیگا، واقعہ یہ ہے کہ یہ تبدیلی بڑے پیمانہ پر ایک عرصہ سے ہو رہی ہے، ملک کے مروجہ مذاہب سے روسی اشتمالیت اور جرمن نازی تحریک کی آویزش صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ یہ تحریکین حقیقی معنون مین بجائے خود حریف مذاہب ہین، ہمارے سامنے ایک ایسی جنگ کی ابتدا ہو رہی ہے جو سائنس اور مذہب کے درمیان نہ ہوگی بلکہ خدائی مذہب اور سوشل مذہب کے درمیان ہوگی،

"عقلی" ایک ایسے مذہب کو قائم کرنا چاہتا ہے جو مذہب انسانیت ہو، رواداری اسکا شیوہ ہو، اور اس کا دائرہ تمام دنیا کو محیط ہو، لیکن اس نصب العین کا حصول ابھی ممکن نہین، "عقلی" کو اس امر کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ مذہب ابھی ایک طویل مدت تک قومی اور نسلی جذبات سے وابستہ رہیگا، اس سے ناروا داری ہوتی رہتی ہے اور یہ حکومت کو فرد کے اوپر ایک طرح کا خدا بنا کر کھڑا کر دیگا، اسے اس قسم کے رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے"

"ع ز"

معارف: اس مختصر مقالہ مین عقلیین کے جو نظریئے پیش کئے گئے ہین، انھین سامنے رکھکر دیکھئے کہ ہمارے ہندوستان کے "عقلیین" جو فخر سے علم عقلیت بلند کئے ہین، ان کا مبلغ علم کچھ اس سے زیادہ ہے؟ وہ ان خیالات کو نہایت تازہ دم اور رنگون مین پیش کرتے ہین، حالانکہ یہ وہ فرسودہ عقائد و نظریات ہین جنکے ارکان کی دیوارین شکستہ ہو چکی ہین، اور وہ ہتھیار ہین جنھین یورپ کے عقلیین کی جماعت بھی کند سمجھ کر علحدہ رکھ چکی ہے، اب خود علماے سائنس جو کبھی "خدا کو اپنی سرحد سے نکال چکے تھے" پھر اسے بلا کر اس کے سامنے دوزانو ہو کر سجدہ ریز ہونے کا تہیہ کر رہے ہین، اب پیغامات ربانی، رسالت و وحی کا بھی دبی زبان سے اقرار کرنے لگے ہین، کرۂ ارض کے کبھی تباہ و برباد ہو جانے، پہاڑون کا روئی کے گالون کی طرح اُڑ جانے اور مختلف

کردن کے باہم ٹکرا جانے کی پیشین گوئیاں کر رہے ہیں، اور کھلے الفاظ میں قیامت کا اعتراف سائنس کی زبان سے ہوتا جاتا ہے، ہم ان اعترافات کو وقتاً فوقتاً ان صفحات میں شایع کرتے رہے ہیں، لیکن ابھی ہمارے ہندوستان کے "مجددین دعقلیین" اسی منزل میں ہیں جب سائنس کے لئے ان امور کا انکار کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، تاہم توقع ہے کہ اگر انھوں نے محض عقلی نظریات سازی میں وقت نہیں گذارا، اور کچھ لکھنے پڑھنے کے ساتھ غور و فکر کی بھی عادت ڈالی، تو ان کی نظر بھی جدید یورپ کے اس نئے لٹریچر پر پڑیگی، اور رفتہ رفتہ ان کی زبان و قلم سے بھی اعترافات نکلینگے۔

"ر"

کائنات کی مقدار

کائنات طبیعی کا قطر (۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰) سال نور (light years) کے برابر ہے، یہ ایک محدود کرہ ہے جو نہایت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور ہر لمحہ زیادہ وسیع اور زیادہ خالی ہوتا جاتا ہے، اس کے خارجی حدود روشنی کی رفتار یعنی تقریباً (۱۸۶۰۰۰) میل فی سکنڈ کی رفتار سے مرکز سے دور ہوتے جاتے ہیں، مندرجۂ بالا تخمینہ حال میں ڈاکٹر ہبل (Dr. Hubble) نے جو رصد خانہ ماؤنٹ ولسن (امریکہ) کے مشہور ہیئت دان ہیں نیشنل اکاڈیمی آف سائنسز کے ایک جلسہ میں پیش کیا ہے، یہ تخمینہ ماؤنٹ ولسن کی منعکس دوربین کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، جو تمام دنیا میں اپنی قسم کی سب سے بڑی دوربین ہے، اور یہ جدید تخمینہ ان تمام تخمینوں سے کئی گنا زیادہ ہے جو اس سے قبل کئے جا چکے ہیں، نیز اپنی مقدار کے لحاظ سے اس درجہ وسیع ہے کہ محدود دماغوں کے لیے اسے پورے طور پر سمجھ لینا قطعاً ناممکن ہے،

مثلاً روشنی کی رفتار تقریباً (۱۸۶۰۰۰) میل فی سکنڈ یا (۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) میل فی سال ہے، یہ ماہتاب کی سطح سے ہم تک تقریباً دو سکنڈ میں پہنچتی ہے، آفتاب سے زمین تک پہنچنے میں اسے صرف آٹھ منٹ لگتے ہیں، نظام شمسی کو طے کرکے پلوٹو (Pluto) کے مدار تک چند گھنٹوں میں پہنچ جاتی ہے، ہم قریب ترین ستارہ سے ہم تک تقریباً چار سال میں پہنچتی ہے، یہ ہمارے عالم کہکشاں کے قطر کو قریب (۱۰۰۰۰۰)

سال مین طے کرتی ہے، اور تقریبًا اسی مدت مین سحاب ماجلان (Lesser Magcllanic Clond) سے ہم تک پہونچتی ہے یہ مادۂ مسلسلہ (Andromeda) کے سحابیۂ عظمیٰ سے کرۂ زمین تک (۹۰۰۰۰۰) سال مین آتی ہے،

سحاب ماجلان اصغر اور سحابیۂ عظمیٰ ہمارے عالم کہکشان کے نسبتًہ قریبی ہمسایہ ہین، رصدخانہ ماونٹ ولسن کی دوربین سے وہ چیزین بھی دیکھی جاسکتی ہین جو (۳۰۰۰۰۰۰۰) سال نور کی دوری پر واقع ہین، ڈاکٹر ہبل کا بیان ہے کہ اس فاصلہ پر کم سے کم (۱۰۰۰۰۰۰) دھندلے ستارے دیکھے جاسکتے ہین اور ان مین کا ہر ستارہ اتنا بڑا ہے جتنا ہمارا عالم کہکشان، وہ فضا مین بظاہر ہر طرف ہموار طور پر پھیلے ہوئے ہین، ان مین سے ہر سحابیہ مین آفتاب سے تقریبًا (۸۰۰۰۰۰) گنا زیادہ مادہ ہے،

ڈاکٹر ہبل نے تحقیق کی ہے کہ جو کہکشان کرۂ ارض سے قریب ہین وہ نسبتًہ سست رفتاری کیساتھ حرکت کرتی ہین اور جو کرۂ ارض سے دور واقع ہین ان کی رفتار مین اسی نسبت سے ترقی ہوتی جاتی ہے، (۳۰۰۰۰۰۰۰) سال نور کے فاصلہ پر ان کی حرکت تیس ہزار سے چالیس ہزار میل فی سکنڈ یا روشنی کی رفتار کا تقریبًا ایک خمس ہوجاتی ہے،

اسی بنا پر ڈاکٹر ہبل نے کائنات کے قطر کا تخمینہ کیا ہے، نظریۂ آئنسٹائن کے روسے مادہ کی رفتار روشنی سے زیادہ تیز نہین ہوسکتی، لہذا ہماری کائنات کی حد اسی نقطہ پر ہوگی، جہان خارجی کہکشانون کی سرعت رفتار اس سرعت کو پہنچے،

ڈاکٹر ہبل کی رائے ہے کہ کائنات اب سے (۳۰۰۰۰۰۰) برس پہلے کی بہ نسبت جبکہ روشنی بعید ترین مرئی سحابیات سے کرۂ ارض کی طرف روانہ ہوئی تھی، اس وقت بہت زیادہ بڑی اور بہت زیادہ خالی بھی ہے کیونکہ اگر کائنات کے پھیلنے کا نظریہ صحیح ہے تو یہ پھیلاؤ برابر جاری ہے، اور روشنی کی رفتار سے برابر جاری رہیگا، دس سکنڈ کے اندر جو اس پیراگراف کے مطالعہ مین صرف ہوئے، کائنات (۱۸۶۰۰۰) میل پھیل گئی،

سحابیات کا مجموعہ تخمینًا (۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہے اور ستارون کا شمار ان سے (۸۰۰۰۰۰۰) گنا زیادہ ہے، لیکن ستارون کی اس تعداد کے باوجود یہ کائنات اس بہترین خلاء (VACUUM) سے بھی زیادہ خالی ہے جو کسی معمل مین تیار کیا گیا ہو، ستارون اور سحابیات کی درمیانی فضا مین ایک گرام مادہ کا تناسب وہی ہے جو روئے زمین کے حجم اور ایک ذرۂ ریگ کا تناسب ہے،

(ریڈرز ڈائجسٹ) "ع ز"

اخبار علمیہ

زلزلہ کی علامتین

زلزلہ کے متعلق حال تک یہ خیال قائم تھا کہ اس سے کوئی مفر ہی نہین کیونکہ فطرت کا یہ قہر بغیر کسی اطلاع کے نازل ہو جاتا ہے، لیکن جدید انکشافات نے اس رائے کی غلطی ظاہر کر دی ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ زلزلہ کی علامتین اسکی آمد سے پیشتر نظر آجاتی ہین، چنانچہ ۱۵ جنوری ۳۴ء کو صوبہ بہار مین جو زبردست زلزلہ آیا اس کے سلسلہ مین تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس خطہ کی سطح ستر سال سے برابر بلند ہو رہی تھی اور اگرچہ یہ ارتفاع فی صد سال صرف چھ فٹ کی رفتار سے تھا تاہم کوہ ہمالیہ کی ہمسائگی نے اسے بہت کچھ خطرناک بنا دیا تھا، ہمالیہ اب بھی محسوس طور پر بڑھتا جا رہا ہے، اس کے دامن مین جو میدانی علاقہ ہے وہ بھی اوپر کی طرف کسی قدر کھنچتا جاتا ہے، اسلئے اس زلزلہ کے اسباب مین غالبًا ایک سبب اس خطۂ زمین کا بلند ہو جانا بھی تھا، اسی طرح جاپانیون نے جو اکثر زلزلہ کا شکار رہوتے رہتے ہین اس کی بعض علامتین سائنس کے ذریعہ سے معلوم کر لی ہین اور وہ اس واقفیت سے فائدہ اٹھا رہے ہین، انھون نے دریافت کر لیا ہے کہ زلزلہ کی آمد سے قبل زمین مین ایک تناؤ پیدا ہو جاتا ہے، نیز جھٹکہ سے کچھ دیر پہلے زمین ایک طرف کو جھک جاتی ہے، یہ علامتین سائنٹفک آلات سے معلوم ہو جاتی ہین، بڑے بڑے زلزلون کے ساتھ ایک طرح کی برقی روشنی بھی دیکھی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برق اور زلزلہ مین کوئی قریبی تعلق ہے، لیکن اب تک کوئی ایسا برقی آلہ ایجاد نہین ہوا ہے جو اس تعلق کو محسوس کر کے آنے والے زلزلہ سے متنبہ کر سکے، اس مقصد کے لئے جو چیز سب سے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے وہ ایک بدشکل مچھلی ہے جسے "گربہ ماہی" (Cat-fish) کہتے ہین، یہ مچھلی زلزلہ کی آمد کی اطلاع دیدیتی ہے، ممکن ہے کہ بعض دوسرے جانورون کو بھی پیشتر اطلاع ہو جاتی ہو

چنانچہ حال مین کیلیفورنیا (امریکہ) مین ایک زلزلہ سے پہلے دیکھا گیا کہ جھٹکہ شروع ہونے سے نصف گھنٹہ قبل ایک خاص قسم کی چڑیاں اپنے گھونسلے چھوڑ چھوڑ کر درختوں سے اڑ گئین، لیکن چڑیون کے ذریعہ زلزلہ کے متعلق کوئی اطلاع فراہم کرنا آسان نہین ہے۔ "گربہ ماہی" اہل جاپان کی دریافت کردہ ہے، اس مچھلی سے زلزلہ کی خبر معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک ٹنکی مین رکھتے ہین اور ہر چھ گھنٹہ مین ایک بار اس میز کو تھپتھپاتے ہین جس پر وہ ٹنکی رکھی ہوتی ہے۔ اگر زلزلہ آنے والا نہین ہوتا تو مچھلی کے طرز عمل مین کوئی فرق نہین دیکھا جاتا لیکن اگر میز کو تھپتھپاتے ہی مچھلی فوراً پانی مین غوطہ لگائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ چھ گھنٹے کے اندر ہی زلزلہ آنے والا ہے، تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ اس مچھلی کی یہ اطلاع اسی فی صدی صحیح ثابت ہوئی ہے، یہ مچھلی غیر معمولی طور پر بعض برقی حالات کا احساس رکھتی ہے، اگر زمین کی برقی رو اور اس مچھلی کے درمیان کوئی حاجز Insulator پیدا کر دیا جائے تو اسے آنے والے زلزلہ کی خواہ وہ کتنا ہی قریب کیون نہ ہو اطلاع نہین ہوتی کہ مچھلی اور زمین کے درمیان برقی تعلق کا قائم رہنا ضروری ہے، امید کیجاتی ہے کہ ایک نہ ایک روز کوئی ایسا برقی آلہ ایجاد ہو جائیگا جو اس مچھلی کی طرح آنے والے زلزلہ کا پتہ دے دیا کرے گا،

دنیا کی سب سے کم عمر یونیورسٹی

فلسطین مین یہود نے جو یونیورسٹی قائم کی ہے اس کی عمر صرف نو سال ہے، اس کے اکثر اساتذہ وہ یہودی پروفیسر ہین جنکو نازی استبداد نے حال مین جرمنی سے جلاوطن کر دیا ہے، اس کے چانسلر نیویارک کے سب سے زیادہ دولتمند یہودی کلیسا کے سابق ربی ڈاکٹر جوڈا مائگنیس (Dr. Judah Magnes) ہین جو ۱۹۲۵ء مین ایک عہدہ پر مقرر ہوئے تھے، اس یونیورسٹی کا افتتاح اب سے نو سال قبل لارڈ بالفور نے اس وعدہ کے مطابق کیا تھا جو انھون نے جنگ عظیم کے دوران مین یہود سے کیا تھا، اسکی تقریب افتتاح مین دنیا کی تقریباً ہر مہذب حکومت اور سو سے زائد علمی ادارون کے نمایندے شریک تھے، اس جامعہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مشرقِ ادنی مین پہلا ریڈیم انسٹی ٹیوٹ یہین قائم ہوا ہے، اس مین ایک مدرسہ طبیہ بھی ہے، گذشتہ سال اس کے

ایک فاضل طبیب ڈاکٹر سال ایڈلر (Saul adler) نے کالاآزار اور ایک دوسرے بخار کی تحقیق کے صلہ میں انگلستان کی رائل سوسائٹی کا سب سے بڑا انعام چامرس مڈل (Chalmers Medal) حاصل کیا ہے۔

طب کا حیرت انگیز تجربہ

کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک نوجوان ڈاکٹر رابرٹ کارنش (Robert Cornish) جن کی عمر صرف اٹھائیس سال ہے، مردہ کو زندہ کرنے کا تجربہ کر رہے ہین، انھون نے یہ تجربہ پہلے کتون پر شروع کیا ہے، کتون کو نائٹروجن کے ذریعہ دم گھوٹ کر مار ڈالتے ہین، اور پھر قلب کی حرکت کے بند ہوجانے کے بعد ان مین دوبارہ زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین، اول اول اس تجربہ مین کامیابی نہ ہوئی، لیکن چوتھا کتا چار منٹ تک مردہ رہنے کے بعد ڈاکٹر موصوف کی تدبیرون سے از سر نو زندگی کے آثار ظاہر کرنے لگا، یہ تدبیرین مصنوعی تنفس اور ایک خاص قسم کے انجکشن کے ذریعہ جو ڈاکٹر کارنش کا ایجاد کردہ ہے، عمل مین لائی جاتی ہین، چھٹے روز کتے نے آنکھین کھولین اور ہفتہ ختم ہونے پر اس قابل ہوگیا کہ نرم غذا کھا سکے، اطبار کا خیال ہے کہ یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوگیا تو ہزارہا انسانی جانین جو ہر سال پانی مین غرق ہوکر یا دم گھٹنے کی وجہ سے یا بجلی کے صدمہ سے ہلاک ہوجاتی ہین بچائی جاسکتی ہین۔

دنیا کی سب سے بڑی دوربین،

کیلیفورنیا کے ایک رصدخانہ کے لئے ایک دوربین بنائی جارہی ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی دوربین ہوگی، اس کے مصارف کا تخمینہ جس مین رصدخانہ اور معمل کی عمارت کے مصارف بھی شامل ہین، ساٹھ لاکھ ڈالر ہے، رسالہ پوپولر سائنس (Popular Science) کی روایت کے مطابق یہ دوربین موجودہ دوربینون مین سے سب سے بڑی دوربین سے بھی دس گنا زیادہ طاقتور ہوگی اور مصارف کے اعتبار سے اب تک جتنے سائنٹفک آلات بنائے گئے ہین ان سب سے زیادہ قیمتی ہوگی، توقع کیجاتی ہے، کہ اب تک جس قدر فضا کا مشاہدہ کیا جاچکا ہے، اس دوربین سے اس سے تیس گنا زیادہ مقدار مین مشاہدہ کیا جاسکے گا، کروڑون نئے ستارے ظاہر ہون گے، اور بعض ایسے مسائل حل ہوجائین گے جو صدیون سے

ہیئت دانون کی حیرانی کا باعث ہین، اس کے قرص کا قطر دو سو انچ ہے، اس کا شیشہ تقریباً تیس انچ دبیز اور تقریباً بیس ٹن وزنی ہے،

مشتری مین داغ

امریکہ کے ایک ہیئت دان پروفیسر نساؤ (Nassau) نے مشتری مین ایک بہت بڑا داغ دریافت کیا ہے جو حال مین نمودار ہوا ہے، پروفیسر موصوف کی دریافت کے بعد دنیا کے مختلف حصون مین دوسرے ہیئت دانون نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے، یہ داغ تقریباً دو ہزار میل چوڑا اور اس کا تین ہزار میل لمبا ہے، ہیئت دانون کا خیال ہے کہ یہ مشتری کے ہوائی کرہ مین ایک بہت بڑے طوفان کا نتیجہ ہے، مشتری اور زحل کے داغون کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے آفتاب کے داغون کے برخلاف، موسم ارضی پر کوئی اثر نہین پڑتا،

امراض چشم کا حیرت انگیز علاج

ڈاکٹر ولیم بینیڈکٹ (William Benedict) نے رسالہ سائنٹیفک ریویو (Science Review) مین اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ امراض چشم کے لئے بہترین علاج آنسو ہین، آنکھون کو صحت دینے کے لئے جو دوائین استعمال کیجاتی ہین آنسو ان سے کئی سو گنا زیادہ مفید ثابت ہوتے ہین،

ہزارون جدید عالم

امریکہ کے ایک فاضل ہیئت دان، ڈاکٹر ہارلو شاپلے (HARLOUSHAPLEY) نے جو مشہور عالم رصدخانہ ہارورڈ کے ڈائرکٹر ہین حال مین رائل اسٹرانومیکل سوسائٹی لندن مین ایک خطبہ دیا تھا جس مین انھون نے بیان کیا کہ اس رصدخانہ مین جو بوئم فونٹائن (BLOEMFONTEIN) جنوبی افریقہ مین واقع ہے ہزارون نئے عالم دو سو فی گھنٹہ کے حساب سے دریافت کئے جا سکتے ہین، انمین سے ہر عالم مین کرورون ستارے ہین، جو عالم اب تک دریافت شدہ تھے وہ بھی اس رصدخانہ کی تحقیقات سے بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ بڑے ثابت ہوئے جنمین سے بعض تو پچاس گنا زیادہ بڑے ہین،

"ع ز"

ادبیات

دریا اور ساحل

از جناب پروفیسر محمد اکبر منتظر ایم اے گورنمنٹ کالج، ملتان

ایک دن دریا نے اترا کر یہ ساحل سے کہا ۱ زندگانی کی حقیقت سے ہے تو ناآشنا
زندگی کیا ہے ؟ خدائے پاک کا انعام ہے گلستانِ دہر مین گلگشت کا پیغام ہے
حسرت و اندوہ ساماں ہین تن آسانی تری تیرے چہرے سے عیان ہے مرگ پنہانی تری
تو سکونِ جاودان سے پائے در زنجیر ہے تو سکوتِ جاودان سے موت کی تصویر ہے
تیری مدہوشی سے چرخِ نیلگون غمناک ہے تیری خاموشی سے چشمِ زندگی نمناک ہے
سینہ میرا دیکھ جذبون سے تلاطم خیز ہے میرے پہلو مین نہان طوفانِ حشر انگیز ہے
میری ہر اک موج مین اک نغمۂ دلسوز ہے میرے ہر اک قطرہ مین اک نورِ جان افروز ہے
کھیلتی ہے میری موجون سے شعاعِ آفتاب رقص کرتا ہے مرے پانی مین نورِ ماہتاب
سوتا ہے آکر مرے دامن مین چرخِ نیلگون وجد مین لاتا ہے انجم کو مرا جوشِ جنون
بزمِ ہستی مین ہے جوشِ عشق سے مجھکو بقا شوق ہر وادی مین بنجاتا ہے میرا رہنما
پلتے ہین دل مین مرے ہنگامہ ہائے آرزو مجھکو دائم خوب سے ہے خوبتر کی جستجو ·
اس تگ و دو مین مری مستور ہے رازِ حیات کشمکش امواج کی ہے زخمۂ سازِ حیات
زندگی کا نور ہے ہنگامہ آرائی مری بینشِ بزمِ دو عالم ہے تماشائی مری

میری موجون سے بیابان غیرتِ گلزار ہون　　خفتگانِ خاک نغمون سے مرے بیدار ہون

سُنکے ساحل نے ذرا پہلے تو کھایا پیچ و تاب　　(۲) پھر متانت سے کیا دریا سے اُسنے یون خطاب

مین نے مانا شور و شر کا تو علم بردار ہے　　آبِ دریا! تو ابھی نا محرمِ اسرار ہے

ہو نہین سکتی کبھی دلکش فسون سازی ترا　　آشکارا ہے جہان مین شانِ غمازی تری

چھوڑکر تو کوہساروں کو جہان مین خوار ہے　　ترکِ الفت کے سبب ناچار ہے نادار ہے

آہ تو پابندِ آئینِ وفاداری نہین!　　تیری موجین آشنائے لطفِ غمخواری نہین

دانہ آسا ہے مری افتادِ سامانِ حیات　　میرا ہر اک ذرہ ہے خورشیدِ تابانِ حیات

پھوٹتے ہین میرے سینے سے درختانِ بلند　　ڈالتی ہین جن کی شاخین آسمانون پر کمند

جو حوادث سے نہ گھبرائے وہ ہے میری ثبات　　لاکھ شورش جس پہ ہو قربان وہ ہے میرا ثبات

کس قدر حیرت فزا ہے کوہسارون کا سکوت!　　آسمانِ نیلگون کا اور ستارون کا سکوت!

خامشی کی گود مین پلتی ہے نیروئے حیات　　خامشی سے رہتی ہے پیہم روان جوئے حیات

میری خاموشی مین پنہان زندگی کا جوش ہے　　جوش سے لبریز ہو تو زندگی خاموش ہے

میرے دل مین حسن کے لاکھون جہان مستور ہین　　محفلین میری سراسر جلوہ ہائے طور ہین

میری فطرت کو نہین منظور خود آرائیان　　چشمِ ظاہر بین سے ہین اوجھل مری رعنائیان

مثلِ آئینہ سراپا دیدۂ بینا ہون مین　　عشق کی مے سے جو ہو لبریز وہ مینا ہون مین

حسن کا مظہر بھی ہون مین عشق کا پیکر بھی ہون　　سجدہ ریزِ بارگاہِ خالقِ اکبر بھی ہون

خلق سے خالق نے مجھکو کر دیا ہے بے نیاز　　رہتا ہون ہر وقت اس کی یاد مین محوِ نماز

میری خودداری، حصارِ گنبدِ دوار ہے　　میرا استقلال، نورِ سینۂ احرار ہے

نغمہ ہائے زندگی سے پر ہے خاموشی مری　　ہے حیاتِ جاودان کا راز مدہوشی مری

کوہساروں کیطرح گو خامش و مدہوش ہوں زندگی کے حسن سے لیکن میں ہم آغوش ہوں

محفلِ گیتی کا ذرہ ذرہ جان افروز ہے (۳) داستانِ ساحل و دریا سبق آموز ہے

تو مصافِ دہر میں ساحل بھی ہو دریا بھی ہو یعنی نورِ حسن بھی ہو حسن کا شیدا بھی ہو

بیخودی دریا کی ہو ساحل کی خودداری بھی ہو بے نیازی حسن کی ہو، عشق کی زاری بھی ہو

مثلِ ساحل دورِ ہستی میں رہے سینہ سپر اور مثالِ آبِ دریا ہو ترا خونِ جگر

موجِ دریا کی طرح ہو موجۂ خونِ حیات اور ساحل کی طرح ہو چشم میگونِ حیات

جذبہ ہائے عشق سے سینہ ترا لبریز ہو نعرۂ تکبیر ترا شورِ محشر خیز ہو

حشرِ جذبات

از مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

ہر حباب بحرِ رقصاں موت کی منزل میں ہے تشنہ کامِ آرزو کی آرزو ساحل میں ہے

لیں سبق عبرت کا، گر احساس اہلِ دل میں ہے ہے مرقع زندگی کا شمع جو محفل میں ہے

دیکھنے سے جس کے مٹ جاتا ہے احساسِ حیات ایک ایسی بھی کشش موجِ لبِ ساحل میں ہے

کر رہی ہے مرگِ حسرت اُسطرف آنکھوں کو بند اس طرف ذوقِ تماشا دیدۂ بسمل میں ہے

سخت جانی! اس بھرے مقتل میں کھلے میری بات حشر تک پوری نہ ہو جو کچھ دلِ قاتل میں ہے

تیرا ہی ذوقِ نظر نا آشنائے حسن ہے ورنہ لیلائے تمنا دل کے ہر محمل میں ہے

خاطرِ دشمن ہے میری دلدہی کے ساتھ ساتھ ہائے جانِ ناتواں بھی کس قدر مشکل میں ہے

کر رہا ہے شرحِ دردِ دل زبانِ راز میں آہ وہ آنسو جو ابتک دیدۂ بسمل میں ہے

کم نہ ہو جوشِ طلب اے پائے ہمت المدد! ایک لطفِ خاص حاصل سعیِ لاحاصل میں ہے

انتہائے یاس میں بھی جوشِ مقصد ہے وہی عزم کتنا ہمتِ گم کردۂ منزل میں ہے

داستانِ شوق تھی میری نگاہِ یاس مین اک پشیمانی کا عالم جذبۂ قاتل مین ہے،

اُٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہون اس کی بزم سے
دل کی تسکین کا مگر سامان اُسی محفل مین ہے

بیانِ اظہر،

از جناب منشی اظہار الحق صاحب نعمانی ردولوی،

حدودِ عقل و فہم مین کبھی نہ تو سما سکا تلاش و جستجو پہ بھی نہ اصل کوئی پا سکا
یہ رازِ اہلِ بزم مین کوئی نہین بتا سکا کہ دیکھ کر جمالِ رخ بھی ہوش کیون نہ آسکا
قدم لرز لرز گئے نظر جھپک جھپک گئی تجلیون کی روشنی مین اور بھی نہ پا سکا
فراق ہے حیاتِ عشق وصل اسکی موت ہو مگر ہر ایک بوالہوس کہان یہ راز پا سکا
کثافتین نگاہ کی حجابِ دید بن گئین مین سر ٹپک کے رہ گیا مگر انھین نہ پا سکا
شعاعِ رخ نقاب تڑپ کے خود نکل پڑی حجاب مین بھی رہ کے وہ نہ اپنے کو چھپا سکا
کثافتِ نگاہ، یا لطافتِ جمال تھی مری نظر ہی خیرہ تھی کہ خود نظر نہ آسکا
نہ عشق کی تسلیان نہ حسن کی تجلیان جنونِ دل کی شورشین کوئی نہین دبا سکا
اسی تلاش و جستجو مین عمر ختم ہو گئی حریمِ ناز کا پتہ مین آج تک نہ پا سکا
چمن کی دلفریبیان تسلیِ نظر ہوئین تعینات مین الجھ کے انتہا نہ پا سکا

تجلیاتِ حسن بھی نہ جانے کس بلا کی تھین
کہ اظہرِ حزین کو ہوش آجتک نہ آسکا

باب التقریظ والانتقاد

مرآۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم، اے

دنیاے اسلام نے مثنوی مولانا روم کی جو قدر دانی کی، وہ فارسی زبان کی کسی کتاب کو کم نصیب ہوئی ہوگی، فارسی نظم و نثر کی کتابون مین شاہ نامہ، دیوان حافظ اور گلستان کو بھی بہت زیادہ قبولیت حاصل ہوئی، لیکن مثنوی کا پلہ ان سب سے بھاری رہا، مسلمانون مین جب تک سلطنت کا جاہ و جلال قائم رہا اور بقاے سلطنت کے لئے فوجی جذبات بھی ساتھ ساتھ قائم رہے، شاہ نامہ کی داستانین لوگون کو ازبر رہین، لیکن اب اسکا ایک شعر بھی کسی کو یاد نہین، دیوان حافظ کو صرف غزل گو شعرا، اور رندانہ مزاج کے لوگون مین قبول عام حاصل ہوا اور کبھی کبھی صوفیہ کرام نے بھی اسکا مطالعہ کرلیا، باقی علماء اور قوم کے عام طبقہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہین رہی، گلستان کی فصاحت و بلاغت نے بے شبہہ اس کی شہرت کو بہت عام کیا، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خواص کے حلقہ سے نکل کر مکتب مین آگئی اور بازیچۂ اطفال بنگئی، لیکن مثنوی کی شہرت ہمیشہ لازوال رہی، وہ اب تک اسی قدر مقبول عام ہے جس قدر پہلے تھی، اس کی شہرت کسی خاص طبقہ تک محدود نہین رہی، بلکہ عام و خاص علماء و فضلاء صوفیہ سب اسکو حقائق و معارف کا گنجینہ سمجھتے رہے، البتہ مسلمانون کا علمی ذوق جس قدر پست ہوتا گیا لوگ اس کے حقائق و معارف کو چھوڑکر صرف اسکی تمثیلات و حکایات پر قانع ہوگئے، اور زیادہ تر وعظ و پند کی محفلون مین اس کی شہرت قائم رہی، مولنا شبلی مرحوم

پہلے شخص ہین جنھون نے اس طلسم حقیقت کا ایک قفل توڑ کر بتایا کہ مثنوی مین اور تمام حقائق کے ساتھ علم کلام کے مسائل کو بھی جس خوبی کے ساتھ حل کیا گیا ہے، علم کلام کی بڑی بڑی کتابون مین بھی اس کی جھلک نظر نہین آتی، لیکن انھون نے اپنے موضوع کے محدود ہونے کی وجہ سے صرف اسی پر قناعت کی اور بقیہ حقائق کو چھوڑ دیا، فرماتے تھے کہ اگر لکھنا چاہتا تو سوانح مولنٰنا روم سے دگنی بڑی کتاب لکھ سکتا تھا، لیکن ہم کو مسرت ہے کہ قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے نے جو بحمداللہ ایک جدید فاضل تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود پورے پورے مذہبی ہین اور مذہب و تصوف کا کافی علمی وعلی ذوق رکھتے ہین، یہ کمی پوری کر دی اور مثنوی کے متعلق تین کتابین لکھین جنھون نے مثنوی اور صاحب مثنوی کی تمام خصوصیات کو نمایان کر دیا یعنی

صاحب المثنوی - اس مین مولنٰنا روم کے سوانح حیات، اور انکے ہمعصر اور اصحاب کے حالات ہین،

نقد المثنوی. اس مین مثنوی پر مبسوط تبصرہ ہے،

مرآۃ المثنوی، اس مین مثنوی کا انتخاب مختلف حیثیتون سے کیا گیا ہے،

پہلی دونون کتابین ابھی زیور طبع سے آراستہ نہین ہوئین، لیکن تیسری کتاب چھپ کر ہمارے سامنے آگئی اور ہماری دیدہ افروزی کا سامان بنی ہوئی ہے، اگرچہ دیباچہ ضمیمہ اور فہرست وغیرہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو کتاب کی پوری ضخامت کم و بیش بارہ سو صفحات تک پہنچ جاتی ہے جس کی اجمالی تقسیم یہ ہے

(۱) دیباچہ،	۰ ۴ صفحہ،
(۲) فہرست .	۴۴ صفحہ،
(۳) یواقیت القصص یعنی انتخاب حکایات،	۲۹ ۵ صفحہ تمام حکایتون کا انتخاب ہے، صرف غیر ضروری اشعار بیچ سے چھوڑ دئے گئے ہین،
(۴) درر الحکم یعنی مختلف اسرار و معارف،	از ۴۸ ۵ تا ۸۱ ۷،
(۵) جواہر القرآن،	از ۸۵ ۷ تا ۹۰ ۸ اس مین ان اشعار کا انتخاب ہے جس مین مولنٰنا نے کسی آیت کی تفسیر کی ہے یا اس سے کام لیا ہے، پہلے آیت مع ترجمہ درج کیگئی ہے پھر اسکے متعلق اشعار نقل کئے ہین،

(۶) آلی السنن، از ۹۹۰ تا ۹۲۵ اس مین وہ اشعار درج کئے گئے ہین جسمین مولنا نے کسی حدیث کی شرح کی ہو یا اسکو بطور تلمیح کے لائے ہین، اشعار سے پہلے حدیثین درج کی گئی ہین،

اس کے بعد ضمیمے وغیرہ ہین،

حسن تقسیم نے مثنوی کے بکھرے ہوئے موتیون کو ایک لڑی مین پرودیا ہے، کیونکہ مثنوی کا انداز بیان یہ ہے کہ ایک حکایت شروع ہوتی ہو، بیچ بیچ مین بہت سے نکتے آتے جاتے ہین لیکن ابھی بات پوری نہین ہوتی کہ دوسری حکایت چھڑ جاتی ہے، اسی طرح یہ سلسلہ برابر قائم رہتا ہے، اسلئے پڑھنے والے کو معلوم نہین ہوتا کہ مولنا ان حکایات کے ضمن مین کن کن نکات کو سمجھانا چاہتے ہین، اس لئے ضرورت تھی کہ اصول کیمیادی کے طریقہ پر مختلف عنوانات کے تحت مین مثنوی کے تمام اسرار کو علیحدہ علیحدہ ابواب مین منقسم کر لیا جائے، اور قاضی صاحب نے بڑی عرقریزی سے یہی کام انجام دیا ہے۔

شروع مین متعدد فہرستین ہین، ایک ضروری فہرست یا اشاریہ (انڈکس) کتاب کے مطالب او مضامین کی ہے، جس سے بہت آسانی کے ساتھ ہر مضمون کا پتہ لگایا جاسکتا ہو، ایک دوسرا ضروری کام جامع نے یہ کیا ہے کہ ان آیات اور حدیثون کو جنکے ٹکڑے بصورت اقتباس مثنوی مین آتے ہین، ان کا پتہ لگا کر پوری آیت اور حدیث لکھدی ہے،

غرض کتاب ظاہری و باطنی دونون حیثیتون سے مکمل ہے، اور ہمکو یقین ہو کہ وہ زیادہ تر انگریزی خوان طبقہ کو جو کتاب کو صرف اس وقت پڑھتا ہو جب وہ عمدہ چھپی ہوئی ہو اور خوشنما جلد مین بندھکر اسکے سامنے آئے مثنوی کی طرف اور ضمناً تصوف و مذہب کیطرف بھی مائل کریگی، البتہ یہ کمی ہو کہ در الحکم مین علم کلام فلسفہ اور تصوف کے بہت سے نکات چھوڑ دیئے گئے ہین، شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ سوانح مولنا روم مین وہ آگئے ہین، تصوف کی کتابون میں جو حدیثین آتی ہین وہ بہت کچھ قابل تنقید ہوتی ہین، مثنوی مین بھی اس قسم کی حدیثین ہین، لیکن اس کتاب مین انپر کوئی تنقید نہین کیگئی ہو، غالباً نقد المثنوی مین ان سے تعرض کیا جائے،

بہرحال یہ کتاب اس قابل ہو کہ اہل علم بالخصوص انگریزی خوان طبقہ کی بزم علم مین بار پائے، اور بتائے کہ فلسفہ کی سرحد سے ماورائے غیب تک پہنچنے کی صحیح راہ کیا ہو، قیمت ۸ عہ مجلد لکھائی چھپائی اعلیٰ جلد خوبصورت چمڑے کی پتہ: دائرۃ الادب حیدر گوڑہ حیدرآباد دکن،

اُردو کے نئے رسالے

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس ششماہی مین، اردو کے نئے رسالے جاری کرنے مین سالہائے ماسبق کے برخلاف صوبہ پنجاب پر ہمارا صوبہ متحدہ سبقت لے گیا ہے، اس کے بعد دہلی کا درجہ رہا، پھر پنجاب کا نمبر آتا ہے، بنگال و بہار کا درجہ باہم مساوی رہا، اسکے بعد حیدرآباد دکن اور پھر اسیطرح اردو کے اصطلاحی مرکز سے دور دراز مقامات کاٹھیاواڑ، پشاور اور سندھ سے فقط ایک ایک نیا پرچہ نکلا ہے،

صوبہ متحدہ کے رسائل صوبہ متحدہ کے جو نئے رسالے ہمین ریویو کے لئے موصول ہوئے، وہ سخنور، انتخاب، ایوان، کومین، کائنات، الہیات، قائد، اور روح ادب ماہانہ رسائل ہین، اور ایک زنانہ رسالہ مستورات، پندرہ روزہ ہے،

سخنور لکھنؤ، مدیر جناب عبدالباری آسی، حجم ہ صفحے، قیمت سالانہ عہ مقام اشاعت احاطہ فقیر محمد خان لکھنؤ،

جناب عبدالباری صاحب آسی الدنی، اردو کے روشناس نقاد و ادیب ہین، اب تک وہ کبھی کبھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کر ادب اردو پر نقد و نظر کرتے تھے، اب وہ بجائے خود داد سخنوری دینے نکلے ہین، اور رسالہ سخنور کو جاری کرکے ایک مستقل ذمہ داری قبول کر لی ہے، اور اس کے ساتھ ان کی کوشش ہے کہ یہ رسالہ صرف ادبی صحیفہ بنکر نہ رہجائے بلکہ مختلف نوع کے مضامین سے اس کو دلچسپ بنایا جائے، چنانچہ اس وقت تیسرا نمبر ہمارے سامنے ہے، سر مقالہ "رسول پاک کا ایک نادیدہ عاشق" کے عنوان سے ہے، جس مین حضرت اویس قرنی کے حالات کو ہم نے اس رسالہ مین حیرت کے ساتھ پڑھا، بلکہ بیشتر حصہ سیر الاولیاء کی روایتون پر مشتمل ہے، دوسرا مضمون "پراسرار لاش" کے عنوان سے ہے جس مین شادی تعبیر درد کی پراسرار تحریک محیر الطرفانہ دکھائی گئی ہے، ایک مضمون "پامپی آئی کے کھنڈر" اور نادر ہے، یاد آتا ہے کہ یہ ترجمہ کسی دوسرے رسالہ مین نکل چکا ہے، "شاعر کی موت" کے عنوان سے مدیر کا ایک مضمون ہے، جس مین شعرا کے ایسے تخیلات پیش کئے ہین، جن مین انھون نے خدا و ملائکہ کو شوخ چشمی اور شاعرانہ لن ترانیون کے ساتھ خطاب کیا ہے، آخر مین "طرحیات" کے عنوان سے کسی مشاعرہ کے منتخبات درج ہین،

رسالہ اپنے مختلف حیثیات سے خاصہ ہے، لیکن ہمین "نرگس" و "عکاس" جیسے روشناسون سے اس سے زیادہ بلند خدمات کی توقع قائم ہے، امید ہے کہ وہ پوری ہونگی،

انتخاب، لکھنؤ، دارالاشاعت صدیق بک ڈپو امین آباد، لکھنؤ، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ سے ؎

یہ لکھنؤ کا دوسرا ادبی رسالہ ہے، جسے وہان کے مشہور صاحب ذوق تاجر کتب جناب محمد صدیق صاحب نے ماہ فروری سے نکالا ہے، پہلا پرچہ جناب سیفی "ندوی" (؟) کی ادارت مین اور دوسرا جناب نقاش سلطانپوری کی ادارت مین نکلا ہے، رسالہ کے اجراء کا مقصد "اردو کے ادبی رسائل کے پست معیار کو بلند کرنا ہے اور" ایک ایسا رسالہ جاری کرنا جو اسقام وعیوب سے پاک ہو" رسالہ کو ملک کے اچھے اہل قلم اور شعراء تک رسائی حاصل ہے، لیکن مضامین مین ابھی تک کوئی ایسی نشانی نظر نہین آئی، جو اس رسالہ کو اردو کے دوسرے ادبی رسالون کی سطح سے بلند دکھائے، جس کے دعاوی رنگہ "انتخاب" مین نظر آتے ہین، تاہم امید ہے کہ اگر جناب محمد صدیق صاحب نے اپنی اسی دھن سے اس رسالہ کی بھی خدمت کی، جو ان کی زندگی کا نمایان وصف ہے، تو وہ ایک اچھا رسالہ کامیابی کیساتھ چلا سکتے ہین،

ایوان، گورکھپور، مرتبہ جناب مجنون گورکھپوری، حجم ۶۰ صفحے، قیمت سالانہ للعہ، پتہ :- ایوان اشاعت گورکھپور

مجلس ایوان اشاعت، گورکھپور کا ماہنامہ ارگن دو سال ملتوی رہ کر ماہ رواں جولائی سے پھر نکلا ہے، رسالہ اور اس کے مدیر ملک مین دونون روشناس ہو چکے ہین، یہ جدید پرچہ بھی اپنی پچھلی خصوصیات کا حامل ہے، "داستان یوسف" کے عنوان سے جناب عبدالقیوم صاحب رسا نے حضرت یوسفؑ کے قصہ سے متعلق مغربی نقاد و مورخین کی تحقیقات کو پیش کیا ہے، اور جہان قرآن مجید کی روایت و بیان سے اختلاف نظر آیا، دلائل و درایت کی روشنی مین مغربی تحقیقات کی تصحیح کی ہے؛ "قائم چاندپوری" پر جناب مدیر نے اپنے تاثرات لکھے ہین، جناب مدیر کا ایک افسانہ "محبت کی فریب کاریان" ایوان کے پچھلے نمبرون مین نکلا تھا، اس کا بقیہ حصہ اس نئے نمبر مین درج ہے، ضرورت تھی کہ گذشتہ حصہ کا خلاصہ یہان چند سطرون مین درج کر دیا جاتا، کہ ربط قائم رہتا، اس ادبی و علمی پرچہ مین "یوپی وقف بل پر تبصرہ" تعجب انگیز ہے، شعراء کے کلام مین سید الشعراء حسرت موہانی کی ایک تازہ غزل

شریک اشاعت ہے۔

کوثر گورکھپور، زیر ادارت مولوی عزیز الرحمن صاحب اصلاحی و جناب محمد یحییٰ صاحب اعظمی، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۴ قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر کوثر، محلہ گھوکھر پور، گورکھپور۔

رسالہ کوثر کا مقصد مسلمانوں کے غیر مستطیع و نادار طبقوں میں کم از کم قیمت میں اوسط درجہ کا مفید اسلامی لٹریچر پہنچانا ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، اور مضامین سنجیدہ اور مطالعہ کے لائق ہوتے ہیں، اس رسالہ میں آخر کے چند نمبروں سے مولانا حمید الدین مرحوم کی عربی تفسیر سورۂ ابی لہب کا مسلسل ترجمہ مولانا مرحوم کے لائق و قابل اعتماد تلمیذ مولوی امین احسن صاحب اصلاحی استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قلم سے ہوتا ہے، جو کمال احتیاط سے مولانا مرحوم کے اصول تفسیر اور ان کے اصل نقطۂ نظر کو مد نظر رکھ کر اردو میں منتقل کیا جا رہا ہے، اگر یہ سلسلہ مستقلاً جاری رہا، تو کوثر کی معرفت ایک بڑی دینی خدمت انجام پائیگی، رسالہ سال رواں کے آغاز سے جاری ہے، رسالہ کے مضامین مختلف موضوع تاریخ، ادب، سیاست، اور مذہب پر مشتمل ہوتے ہیں۔

کائنات سنبھل، اڈیٹر جناب ظہور الدین احمد صاحب، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عار، پتہ:- دفتر رسالہ کائنات سنبھل ضلع مرادآباد (یو پی)

یہ ایک سیاسی و ادبی رسالہ ہے، اس کا مقصد مسلمانوں کی سیاسی و معاشرتی و اقتصادی اصلاح ہے، رسالہ میں روزانہ اخبارات کی خبریں بھی شائع کیجاتی ہیں، رسالہ کی ترتیب و تہذیب پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

الٰہیات کانپور، اڈیٹر مولوی عبد الحفیظ ملیح آبادی، حجم ۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عمر

مدرسہ الٰہیات کانپور کے علماء و طلبہ کی جانب سے یہ رسالہ نکلا ہے، جس کا مقصد دینی و تبلیغی خدمت کرنا ہے، خوشی کی بات ہے کہ مدرسہ الٰہیات کے قدیم رکن رواں مولانا آزاد سبحانی نے رسالہ کی سرپرستی قبول کی ہے، توقع ہے کہ رسالہ ان کے صحیح نقطۂ نظر کو پیش کریگا، اور مفید خدمت انجام دیگا۔

قائد امروہہ، ادارہ جناب سید حبیب اشرف کاظمی، و مولوی عبد الحلیم ناظم صدیقی، حجم ۴۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ: دفتر رسالہ قائد، خانقاہ حقیقیہ محلہ گنگوئی، امروہہ۔

یہ ایک مذہبی، علمی، ادبی و اصلاحی رسالہ ہے، جو ماہِ محرم ۵۳ھ سے نکلا ہے، صفر و ربیع الاول کا مشترک پرچہ ہمارے سامنے ہے، کارکنانِ رسالہ اخلاص کے ساتھ اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، مضامین میں زیادہ حصہ مذہبی مضمونوں کا ہے، نیز علمی و اصلاحی مختصر مضامین بھی ہیں، ادب کی خدمت نظموں اور غزلوں کے ذریعہ کیجاتی ہے،

روحِ ادب علیگڑھ، ادارہ جناب محمد اشفاق ادیب صاحب میرٹھی، و جناب محمد خلیل الرحمن صاحب سالک، دار الاشاعت رسل گنج، علی گڈھ، حجم ۷۰ صفحے، قیمت سالانہ عام

روحِ ادب ایک ادبی رسالہ ہے، جس کا دوسرا نمبر بابت ماہ فروری ہمارے سامنے ہے، مضامین ۷۰ صفحہ دو صفحے کے ہیں جنمیں زیادہ حصہ ادبی جواہر پاروں کا ہے، جو مختلف عنوانوں سے درج ہیں، "مدینۃ العلم علی گڈھ" کا انتساب ظاہر کرنے سے کارکنانِ رسالہ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، صوری حیثیت سے بھی اچھے کاغذ اور اچھی لکھائی چھپائی کی ضرورت ہے،

مستورات کانپور، (پندرہ روزہ) مدیرہ جناب حبیب بلقیس بیگم، حجم ۲۴ صفحے، قیمت سالانہ عے، وغیر مستطیع طالبات سے ۱۲، مقامِ اشاعت، سول لائن، علی گڈھ،

یہ ایک اسلامی زنانہ رسالہ ہے، جو صوبہ متحدہ کی مسلمان خواتین میں علمی و ادبی مذاق پیدا کرنے، مسلم خواتین کو بری رسموں کی پابندیوں سے دور کرنے، اونھیں اخلاقی و معاشرتی تعلیم دینے، اور بچوں کی تربیت کے اصول بتانے کے لئے نکلا ہے، رسالہ کا پہلا نمبر وسط مئی ۳۴ء کو شائع ہوا، پہلے پرچہ میں اپنے موضوع کے مطابق "اصلاح رسوم" "بی بیوں کے دستکاری کی ضرورت" وغیرہ پر مضامین ہیں، رسالہ کو نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فنانس حیدرآباد دکن کی سرپرستی حاصل ہے،

دہلی کے نئے رسالے | دہلی کے نئے رسائل، جاوید، جمالستان، رہبر نسوان، نئی دنیا، مدرس اور پیام تعلیم ہیں، جو سب کے سب ماہانہ ہیں

جاوید، اڈیٹر مولوی عبد الوحید صاحب صدیقی، مولوی محمد ادریس صاحب میرٹھی، حجم ۷۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱۔ سالانہ ۵ء، مقامِ اشاعت بازار مٹیا محل دہلی،

جاوید صحیح معنوں میں ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، جو ماہ جنوری سے نکلا ہے، رسالہ کو دار العلوم دیوبند کے

ذی علم ارباب علم اور ملک کے دوسرے اصحاب علم کی سرپرستی حاصل ہے، مضامین سنجیدہ، تحقیقی، اور معیاری ہوتے ہین، مذہبی مضامین کے ماسوا مغربی زبان کے ممتاز اہل علم کے علمی و تاریخی مقالات کے مفید ترجمے، اور اقتباسات کے ساتھ اُن پر نقد کیا جاتا ہے، نیز افسانون کی چاشنی بھی ہوتی ہے، جو دلچسپ اور سبق آموز ہوتے ہین بعض پرچون مین تحریرون کے فوٹو بلاک شائع ہوتے ہین، اردو زبان کے موجودہ "ادبی" و "اسلامی" رسالون کے دور مین کسی سنجیدہ اسلامی علمی و ادبی رسالہ کا نکال کر چلا لینا، کارکنان رسالہ کی انتہائی کوششون ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ قائم رہکر اپنی خدمات انجام دیتا رہے،

جمالستان زیر ادارت جناب مظہر انصاری، بی اے، و جناب محمد نقی دہلوی، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ [illegible]، پتہ: منیجر جمالستان، دہلی،

یہ صاف ستھرا اور خوشنما چھپا ہوا ادبی رسالہ ماہ جنوری سے نکلا ہے، فروری کا پرچہ ہمارے سامنے ہے، مضامین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے، افسانون مین جناب خواجہ حسن نظامی کا افسانہ "شہر لنکا کی آپ بیتی" سبق آموز ہے، اسی طرح جناب حسرت رحمانی کا افسانہ "مغالطہ" اور مزاحیہ مضامین مین جناب محمد نقی صاحب دہلوی کا افسانہ "مہمان" دلچسپ افسانے ہین، اسی نمبر مین جناب حمید اللہ صاحب مقیم شاہی نگینہ نے "ہندوستان مین زبان کا سوال" پیش کر کے یہ رائے دی ہے کہ ہندوستان کی بین الاقوامی زبان انگریزی قرار دیجائے، اور قومی زبان ہندوستانی بنائی جائے، اور وحدت پیدا کرنے کے لئے اسے رومن رسم خط مین لکھا جائے، تعجب ہے کہ ابھی تک ہمارے ارباب فکر مین یہ مسئلہ طے ہی نہین پایا کہ زبان اردو اور اردو رسم خط مین چولی دامن کا ساتھ ہے، کہ اس زبان کی بنیاد و اساس اسی رسم خط پر قائم ہے، رسم خط چھوڑنے سے دوسری نئی زبان اردو کے ترک کرنے کے ہین، اس لئے جو لوگ دانستہ و نادانستہ رسم خط کی تبدیلی چاہتے ہین، وہ در پردہ اس نئی زبان کے پروپگنڈے مین معاون ہوتے ہین، جسے کچھ دنون سے ہندی کے نام سے ملک مین رائج کرنے کی کوشش کیجا رہی ہے، مسرت ہے کہ کارکنان رسالہ نے اس مقالہ سے مناسب اختلاف کیا ہے،

رہبر نسوان، (مصور) اڈیٹر جناب فاروقی بیگم، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ ۱۲؎ پتہ دفتر رہبر نسوان

جو طلبہ کو بجلی کے مختلف قسم کے کام سکھاتا ہے، اس رسالہ مین اس اسکول کے حالات وکوائف چھپتے ہین، نیز علوم جدیدہ سے متعلق مضامین ہوتے ہین جن مین سے اکثر کسی نہ کسی اردو رسالہ یا اخبار مین چھپ چکے ہین، رسالہ مفید ثابت ہوا اگر واقعی اس سے مقصود ملک کے نوجوان کو الکٹریکل لائینون مین جانے کی ترغیب وتحریص دلائی جائے اوراس موضوع پر مستقل مضامین عام دلچسپی پیدا کرنے کے لئے شائع کئے جائین کہ ایسے رسالون کی اردو زبان مین بڑی ضرورت ہے،

نرگس، لاہور (مصور) مرتبہ جناب مطیع اللہ صاحب حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ ؎، پتہ منیجر رسالہ نرگس بل رود، لاہور،

رسالہ نرگس "گلشن علم وادب کا شگفتہ پھول" کے عنوان سے ماہ جنوری ۳۲ء سے نکلا ہے، نگاری صاحبہ' رسالہ مین عورتون کی دلچسپی کے ابواب "خوان نعمت" "سوائی دیا کی جبرین" اور "دستکاری" اور اس کے نمونے وغیرہ بھی موجود ہین،

نئی دنیا، اڈیٹر جناب سید صدیق احمد، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ ہر پرچہ ۱، پتہ:- دفتر نئی دنیا دہلی،

نئی دنیا ایک ستا رسالہ ہے، جو خاص نوجوانون کے لئے نکالا گیا ہے، اور "کونین شوگر کوٹڈ" شکر لپٹی ہوئی کونین کے بمصداق، اس کے مضامین تیار کئے جاتے ہین، لیکن بظاہر نظر شکر اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ کونین کا افادہ مشتبہ ہو گیا ہے، رسالہ ماہ اپریل سے جاری ہے،

مدرس، اڈیٹر جناب بشیر انصاری، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ ہر پرچہ ۲ مقام اشاعت کوچہ چیلان دہلی،

مدرس اپنے نام کے لحاظ سے تو تعلیمی رسالہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے شذرات مین زیادہ تر ہندوستان واسلامی سیاسیات پر بحث ہوتی ہے، اور مضامین مذہبی، اور اسلامی تاریخ پر ہین، اسی لئے سرورق پر "دین و دنیا کے درس وتدریس کا مدرس" مکتوب ہے، مضامین مین لوگون کی مستقل کتابون اور

پھول باغ پٹیالہ، اڈیٹر جناب صاحبزادہ کوشان سنگت پوری، حجم ۶۲ صفحے قیمت سالانہ للعہ وطلبہ سے ۱۲ مہ رتبہ :۔ دفتر رسالہ پھول باغ، پٹیالہ،

پھول باغ ایک ادبی وتعلیمی رسالہ ہے مضمون نگارون مین بعض اچھے اچھے بلند پایہ ہندو ومسلم اہل قلم ہین، مضامین کا معیار بھی خاصہ بلند ہے، ہمین ایسے رسائل کو دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی قومی تفریق کے زبان اردو کو ملکی زبان تصور کرتے ہین، اور اس کی خدمت کو خود اپنی خدمت سمجھتے ہین، ایسے رسائل سے اردو کی مفید خدمت انجام پانے کی توقع ہے، رسالہ کے آخر مین بطور ضمیمہ "چنی ہوئی کلیان یعنی بچون کا باغ" کے عنوان سے چند صفحے ہوتے ہین، جو بچون کے لئے مخصوص ہین،

کلکتہ کے نئے رسائل | اس ششماہی مین کلکتہ سے صرف دو ماہانہ رسالے نکلے، وہ ماہ تمام اور المومن ہین،

ماہ تمام، اڈیٹر جناب محمد اسحق امرتسری، حجم ۷۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ للعہ رتبہ نمبر ۶، بی، کنائی اسٹریٹ کلکتہ،

ماہ تمام "اردو زبان کے درجۂ پست و زبون کو بلند کرنے" کے لئے نکلا ہے، اس کا پہلا نمبر بابت ماہ جون ہمین موصول ہوا ہے، اس کے مضامین کا بیشتر حصہ انگریزی زبان کے رسالون اور افسانون کے مترجمات وملخصات پر مشتمل ہے، جو اوسط درجہ کے اچھے اور پڑھنے کے لائق ہین، اسی کے ساتھ خامیون سے بھی خالی نہین، مثلاً پہلا مضمون "گنہگار لڑکی" جناب مدیر کے قلم سے ہے، جو تھامس ہارڈی کے ایک فسانہ کا ترجمہ ہے جسے ہندوستانی معاشرت کے رنگ مین پیش کیا گیا ہے، جا بجا زبان کی لغزشین موجود ہین، مثلاً "ہم آٹھ دس لڑکیان کھیل رہی تھین" (ص ۱۷) "اتنے مین گھوڑے [illegible] دکھائی دی" (ص ۱۲) "مری کی آنکھون سے "آنسون" جاری تھے"۔ "بیگم صاحب" کنے "پہنچاد [illegible] ہندوستانی زبان دکھانی تھی، تو کوئی دیہاتی لڑکی جس کی ماں "گائے کو چارہ دیتی" ہو وہ اپنی ماں کو شاید [illegible] جان [illegible] کہتی ہوگی، اسی طرح دوسرا مضمون "انقلاب روس کا ایک ورق" ہے، جس مین [illegible] کے سفر روس کی سرگذشت اور "انقلاب روس کا فنون لطیفہ پر اثر" دکھایا گیا ہے، پھر "غالب ومومن"

کے عنوان سے غالب کے ایک شعر پر مدیر ماہ تمام اور مدیر نگار کے درمیان ایک ادبی مباحثہ ہے جس مین جیت مدیر ماہ تمام ہی کی نظر آتی ہے، "موت کی لذت" کے عنوان سے جناب ایم ضیاء الدین کا ایک دلچسپ مضمون اور اس پر مدیر ماہ تمام کی ایک مختصر آپ بیتی درج ہے، پرچہ مجموعی حیثیت سے اردو کے ادبی رسالون مین ایک اچھی جگہ پانے کا مستحق ہے،

المومن مدیر جناب محمد یحییٰ صاحب حجم ۳۲ صفحے قیمت سالانہ عہ پتہ مقام اشاعت نمبر ۳ نبیا پوکھر روڈ شمالی کلکتہ

"المومن" اسلامی جماعت "مومن" کا سب سے پہلا ترجمان تھا، جو کلکتہ سے جمعیۃ المومنین کی سرپرستی مین نکلتا تھا، اور بڑی حد تک اعتدال کے ساتھ پیشہ ور مسلم جماعتون کی بیداری و اصلاح کی خدمت انجام دیتا تھا، ادھر چند سال سے یہ رسالہ بند ہو گیا تھا، اب ماہ جنوری ۴۳ء سے پھر جاری ہو گیا ہے، رسالہ کے مضامین اپنے موضوع سے متعلق ہین، امید ہے کہ رسالہ اسی اعتدال کے ساتھ دوسری مسلمان جماعتون سے آویزش و اختلاف کئے بغیر مسلمانون کے ایک بڑے طبقے کی اصلاح و ترقی کی مفید خدمت انجام دیتا رہیگا،

بہار کے رسالے | صوبہ بہار سے بھی اردو کے دو رسالے نکلے جنمین ایک علمی و ادبی پرچہ گنجینہ بانکی پور پٹنہ، اور دوسرا مذہبی مجلہ سلفیہ دربھنگہ ہے،

گنجینہ ادارہ جناب ناسخ کر یوی و جناب نیر گیاوی حجم ۶۴ صفحے قیمت سالانہ عہ، ہر پرچہ ۳، پتہ مقام اشاعت چوہٹہ، بانکی پور پٹنہ،

گنجینہ کا دوسرا نمبر بابت ماہ جون ہمین موصول ہوا، رسالہ کے پیش نظر صوبہ بہار مین اردو کی خدمت اور علمی و ادبی مذاق پیدا کرنا ہے، مضامین علمی و ادبی دونون ہین، مولنا حکیم سید احمد اللہ صاحب ندوی نے "اہل بہار اور زبان اردو کی خدمت" کے عنوان سے باشندگان بہار کی علمی و ادبی خدمات کا مختصر اجائزہ لیا ہے، مولوی سید شاہ جعفر میان ندوی نے "قلمرو اردو مین نفاذ اصطلاحات" کے عنوان سے ایسے الفاظ اور ترکیبون کا مسئلہ پیش کیا ہے جو عربی قاعدے سے درست نہین لیکن اردو مین بعض سنجیدہ طور پر اور بعض عوام کی زبان پر رائج ہین، لیکن اس مباحث وضع اصطلاحات و توسیع زبان اردو کے ضمن مین حیدرآباد کی تصنیفات مین کافی بحثین ہو چکی ہین، مولوی عبد المالک آروی نے تیرہوین صدی کے صاحب علم و شاعر مولنا سعید حسرت بہاری کے حالات لکھے ہین، اور ان کا

علمی و ادبی مرتبہ ظاہر کیا ہے، رسالہ کی ترتیب و تہذیب پر مزید توجہ کی ضرورت ہے، "ادب اور لٹریچر" کا مفہوم بھی کارکنان رسالہ کو اس سے بلند سمجھنا چاہئے، جسکو انھون نے اپنی تحریر مین سامنے رکھا ہے، مثلاً وہی مضمون "انتظار کی نیرنگیان" جو مدیر رسالہ کا لکھا ہوا ہے، تخیل و انشا دونون حیثیتون سے ابھی ان کی مزید توجہ کا مستحق تھا، بلکہ اس مین زبان کی معمولی فروگذاشتین تک باقی رہ گئی ہین، مثلاً "فوارے سے صاف پانی اوچھل رہا تھا چمن پر"... "قریب "کے" سب جھاڑیون کا... "" "آج تو آتے" دیر مین... "" "حسین لڑکی "نے" اپنے کو سنبھال کر... ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے" وغیرہ، اسیطرح اس مضمون مین یہ جو کہا گیا ہے کہ "پٹنہ کا نام انگریزون نے پٹنہ رکھا" یہ صحیح نہین، نیز ہمین یہ عرض کرنا ہے کہ صوبہ بہار سے ابھی محض گنتی کے چند رسالے نکلتے ہین، کم از کم ابھی تو انھین باہمی چشمکون سے بچنا بچانا چاہئے تھا، اس لئے اس پرچہ مین بہ عنوان "مزاحیات" اپنے صوبہ کے ایک پیش رو معاصر رسالہ پر جو چوٹین کیگئی ہین وہ پسندیدہ و خوشگوار نہین کہی جا سکتین، بہرحال یہ چند فروعی باتین تھین، ورنہ ہمین مولوی محمد اسمٰعیل ناصح کرنیوی اور جناب سید حبیب احمد نیر گیاوی، بی اے کے جوش عمل، ذوق صحیح اور صلاحیت و استعداد سے اس کی بڑی توقع ہے کہ وہ اس رسالہ کو کامیابی سے چلائین گے، اور اگر خدا نے اس کی عمر مین برکت دی تو ان شاء اللہ یہ ایک مفید علمی و ادبی صحیفہ ثابت ہوگا،

مجلۂ سلفیہ دربھنگہ، اڈیٹر مولوی سید عبد الحفیظ صاحب گیاوی، حجم ۴۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ عاربتہ:- دفتر مجلۂ سلفیہ لہریاسرائے، دربھنگہ،

دربھنگہ مین جماعت اہل حدیث کا ایک عربی مدرسہ "دار العلوم احمدیہ سلفیہ" ہے، اسی مدرسہ کے طلبہ کیجانب سے مدرسہ کے نام پر "مجلۂ سلفیہ" کے نام سے یہ رسالہ نکلا ہے، رسالہ کا مقصد دینی و مذہبی خدمت کی انجام دہی ہے، مضامین تقریباً سب طلبہ ہی کے لئے ہین مختلف دینی، مذہبی و علمی مباحث پر ہین، اور طلبہ کی استعداد کے لحاظ سے نہایت امید افزا ہین، توقع ہے کہ یہ رسالہ طلبہ مین علمی و ادبی ذوق پیدا کرنے مین کامیاب ہوگا،

چند دیگر رسائل | حیدرآباد سے اس ششماہی مین صرف ایک نیا رسالہ موصول ہوا، وہ الموسی ہے،

الموسی (سہ ماہی) مدیر جناب مرزا سرفراز علی صاحب، حجم ۸۰ صفحے، قیمت سالانہ للعہ، پتہ:- سٹی کالج، حیدرآباد دکن

یہ رسالہ سٹی کالج، حیدرآباد کی ادبی مجلس "بزم ادب" کی جانب سے کالج کے چند اساتذہ کی نگرانی مین نکلا ہے، سٹی کالج کی عمارت دریائے موسیٰ کے کنارے ہے، اسی مناسبت سے رسالہ کا نام "الموسیٰ" رکھا گیا ہے، رسالہ کے افتتاحیہ مین اس کے نام کی مناسبات کا لحاظ زیادہ نمایان ہوگیا ہے، رسالہ کا افتتاح ایک نظم "موسیٰ مائی" سے ہے، مضمون نگارون اور شعراء مین قریب قریب سب کالج ہی کے طلبہ ہین، مضامین مین افسانون اور دوسرے ادبی مضمونون کے علاوہ مزاحیہ مضامین بھی ہین، جن مین "سید میران بیگ خان صاحب قبلہ" کے عنوان سے کسی کالج کے پروفیسر کا مزاحیہ رنگ مین خاکہ اڑایا گیا ہے، جو اساتذہ کے ادب جذبۂ ادب واحترام کے خلاف ہے، جو مشرقی تہذیب مین صفتِ طلبِ علم کی شرط اولین سمجھی جاتی تھی، دیگر مضامین مین بھی بعض طبعزاد اور بعض مشہور یورپی اہل قلم کے کامیاب ترجمے ہین، نظمون مین بھی بیشتر حصہ یورپی شعراء کے کلام کے سلیس، روان اور کامیاب منظوم ترجمون پر مشتمل ہے، جنپر ہم کالج کے طلبہ کو مبارکباد دیتے ہین،

مرکز اردو سے دور دراز مقامات کے جن چند رسائل کا تذکرہ اوپر گذرا وہ حسب ذیل ہین،

شہاب، جوناگڈھ، مرتبہ مولنا سید ابوظفر ندوی و جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر شہاب، کنگ روڈ، جوناگڈھ، کاٹھیاوار،

رسالہ شہاب کے مرتبین کے نام ناظرین معارف سے نامانوس نہین، یہ ہمارے معارف کے مستقل معاونین مین ہین، ان ہی کی کوششون سے کاٹھیاوار جیسے دور دراز مقام سے اردو کا یہ بلند پایہ رسالہ جاری ہوا ہے، جو آگرہ مین چھپتا ہے اور جوناگڈھ سے شائع ہوتا ہے، اسکی اشاعت کا مقصد کاٹھیاوار مین اردو اور اسلامی علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے، اس کا پہلا پرچہ ماہ جنوری مین نکلا ہے اور اس وقت تک پابندی وقت کیساتھ جاری ہے، مضامین کا معیار بلند ہے، اب تک اسکے مختلف پرچون مین مختلف وقیع علمی و ادبی مضامین شائع ہو چکے ہین، مثلاً "علم مواقیت الصلوٰۃ" "انگریزی اعلیٰ تعلیم کا دردناک انجام"، "بوہرہ قوم کی اصلیت" جس مین دکھایا ہے کہ بوہرہ دراصل وہ عرب ہین جو ابتداءً تجارت اور بیوپار کے لئے ہندوستان آئے "حبشی لڑکی خدا کی تلاش مین" (ترجمہ فسانہ برناڈشا) "کال کوٹھری کے خلاف ایک جدید شہادت"، "اناجیل اربعہ کے نئے معنی" پھر ہر پرچہ مین منظومات کے عنوان سے مختلف ممتاز شعراء کے کلام اور علمی خبرین

کے ماتحت نئے سائنٹفک نظریات و تحقیقات وغیرہ درج ہوتی ہین، امید ہے کہ رسالہ جاری رہ کر اپنی مفید خدمات مین مصروف رہیگا،

سفیر سخن، پشاور (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب ابوالکیف کیفی سرحدی، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ/

پتہ:- منیجر سفیر سخن، پشاور،

یہ صوبہ سرحد کا واحد ادبی رسالہ ہے، جو جناب نواب سر صاحبزادہ عبد القیوم خان وزیر تعلیم صوبہ سرحد کی سرپرستی مین جاری ہوا ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، مضامین زیادہ تر ادبی ہین، جو اچھے ہوتے ہین، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مضمون نگارون اور معاونین مین زیادہ تر صوبہ سرحد ہی کے اصحاب علم وشعراء ہین، نیز ملک کے دیگر ممتاز ارباب علم و اصحاب قلم کی معاونت بھی اسے حاصل ہے، اس وقت یہ رسالہ صوبہ سرحد مین زبان اردو کی بہترین خدمت مین مصروف ہے، اور دلچسپی اور انہماک کے ساتھ نکالا جارہا ہے،

میزان الافکار کراچی، (ماہانہ) ادارہ جناب فائق کرتپوری و فروغ کوٹڑادی، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت سالانہ ۱۲ر، پتہ:- دفتر میزان الافکار، ہارون برادرس بلڈنگ، رام سوامی کواٹر، کراچی، (سندھ)

یہ مختصر رسالہ کراچی سے ادب اردو کی خدمت کیلئے جناب افسر صدیقی امروہوی کی سرپرستی مین نکلا ہے، مضامین مین ادبی مضامین، افسانے اور غزلین وغیرہ ہین، جناب افسر صدیقی امروہوی کا ایک مقالہ "اردو کا ایک یورپین شاعر" ہے، جسمین انھون نے مسٹر جارج شور کے اردو دیوان پر تبصرہ کیا ہے، مقالہ نگار نے جارج برنس شور کی قیامگاہ میرٹھ لکھا ہے، لیکن منشی عبد الکریم نے اپنے تذکرۂ شعراے اردو مین اسے علی گڈھ کا متوطن بتایا ہے، البتہ اس کے دونون دیوان میرٹھ ہی کے مطبع ممتاز المطابع مین چھپے تھے، شاید مقالہ نگار کو اسی سے التباس ہوا ہو، امید ہے کہ یہ رسالہ زندہ رہکر صوبہ سندھ مین زبان اردو کی خدمت انجام دیگا،

"م"

مطبوعات جدیدہ

جنگ و جدال، از جناب سید سجاد حیدر صاحب بی اے، ڈپٹی کلکٹر صوبۂ متحدہ، حجم ۱۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ر، پتہ:- منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی بکڈپو، علی گڈھ،

جناب سید سجاد حیدر (یلدرم) اردو زبان کے اُن افسانہ نویسون مین ہین، جو اردو زبان مین مختصر افسانہ نویسی اور جدید طرز کے ستھرے ناولون اور ڈرامون کو اردو مین منتقل کرنے کی ابتدائی داغ بیل ڈالنے والے ہین، خصوصًا ترکی زبان کے افسانون اور ڈرامون کو اردو مین ابتداءً موصوف ہی نے روشناس کیا، زیر نظر ڈرامہ "جنگ و جدال" بھی ایک ترکی ڈرامہ کا اپنے مخصوص طرز مین ایک کامیاب ترجمہ ہے، جس مین ترکون کی معاشرتی و خانگی زندگی مین یورپ کے طرز معاشرت کے تتبع کی ابتدائی جھلک نظر آتی ہے، افسانہ کا حاصل عصمت و بے عصمتی کی ایک مؤثر جنگ اور عصمت کی بے عصمتی پر حیرت انگیز کامیابی ہے،

کلیات طغرائی، مرتبہ جناب صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ایم اے، پروفیسر گورنمنٹ کالج، لاہور، حجم ۲۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱؎، پتہ:- کتب خانہ طغرائی، امرتسر

جناب حکیم فیروز الدین احمد صاحب فیروز طغرائی، مرحوم امرتسری، دور آخر مین پنجاب کے نوجوان شعراء کے رہنما و مطاع تھے، موصوف کی وفات پر ان کے عقیدت کیش تلامذہ نے ان کی یادگار مین ایک مجلس "بزم طغرائی" کے نام سے قائم کی، اور اس بزم نے ان کے کلام کی ترتیب کی خدمت ان کے لائق شاگرد اور پنجاب کے خاموش صاحب علم جناب صوفی غلام مصطفےٰ تبسم پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کے سپرد کی جنھون نے ان کا مجموعۂ کلام "کلیات طغرائی" کے نام سے شائع کیا ہے، ابتدا مین مرتب نے اپنے استاذ کے سوانح حیات قلمبند کرکے پیش کئے ہین، پھر موصوف کے دو تلامذہ جناب عرشی اور جناب ممتاز حسن صاحب ایم اے نے اردو و فارسی کلام پر نقد کیا ہے، اس کے بعد کلیات شروع ہوتا ہے،

جو مختلف اصنافِ سخن پر مشتمل ہے، اور کلام کو مختلف عنوانون "نظمین"، "اسلامی نظمین"، "غزلیات"، اور "فارسی نظمین" "فارسی غزلیات"، "قصائد" اور "متفرقات" مین تقسیم کر دیا ہے، کلام مین پختگی، متانت اور لطافت کی جھلک نظر آتی ہے، ثقیل و نامانوس الفاظ سے دامن محفوظ، اور ترکیبون سے سادگی نمایان ہے،

خزینۂ معلومات، از جناب "ایم اے ایس" ناشر ایجوکیشنل بک ڈپو، شمشاد بلڈنگ، سول لائن، علی گڈھ، حجم ۲۰۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عا؍

یہ ایک دلچسپ اور کارآمد کتاب اور وقتی ضروریات کے لئے واقعی "خزینۂ معلومات" ہے، اس کتاب مین انسانی ضروریات اور کاروبار کے ایسے معلومات فراہم کئے گئے ہین جنکی مختلف طبقون اور پیشون مین ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس کے محتویات کا اندازہ اس کے عنوانون سے ہو سکتا ہے، مثلاً "ڈاکخانہ" جس کے ماتحت ملکی اور غیر ملکی ڈاک، قواعد پارسل، خطوط، رجسٹری، منی آڈر، سیونگ بینک، کیش سارٹیفکٹ اور تار، ٹیلیفون وغیرہ کے جملہ قوانین، معلومات، اور استعمال کے طریقے بتائے گئے ہین، اسی طرح "ریلوے" کے بیان مین ہر قسم کی گاڑیون کی تفصیل، پارسل وغیرہ کے طریقے، ان کے قواعد اور محصول وغیرہ، اسی طرح "انکم ٹکس"، قوانین کسٹم"، "تجارت" کے معلومات مین انواع تجارت، بحری راستے، سامان منگانے بھیجنے کے وسائل، درآمد برآمد، وغیرہ کا بیان ہے، پھر طبی، سیاسی اور مذہبی معلومات درج ہین، رقوم، ہندسے، پیمانے، اوزان وغیرہ کا ذکر ہے، "بینک" نرخ منڈی" "کرنسی" "سکے" غیر ممالک مین ایجنسیان لینے کے طریقے وغیرہ بتائے گئے ہین، عدالت دیوانی اور فوجداری کے ضروری قوانین، مقدمات دائر کرنے اور پیروی کے ضروری ہدایات ہین، پھر کواکب، سنین، ایام وغیرہ کی تشریح ہے، دائمی جنتری، اور اس کے استعمال کا طریقہ اور سب سے آخر مین سال رواں کی جنتری درج ہے، ان جملہ امور کے چھوٹے بڑے ضروری معلومات آگئے ہین، حساب کتاب کے مختلف کارآمد نقشے بھی ہین لیکن اگر کتاب کو مختلف وسیع عنوانون کے ماتحت دوسرے طریق پر مرتب کیا جاتا تو مناسب تھا، اور یہ بھی افسوس ہے کہ کتابت کی غلطیان، بعض جگہ ہندسون اور محصول وغیرہ مین رہ گئی ہین،

"م ر"

مرآۃ المثنوی

یعنی

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی معنوی کے قصص و حکایات
کی تلخیص حکم و معارف کی تحریر اشعار مشتمل بر آیات قرآنی و احادیث نبوی کی ترتیب

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے
(رکن دار الترجمہ، جامعہ عثمانیہ)

مثنوی شریف کے غوامض و حقایق کو حاصل کرنے کیلئے جسقدر شرحین لکھی گئین اور اسکے مطالب پر بسہولت حاصل کرنے کیلئے جسقدر خلاصے مرتب ہوئے وہ محتاج بیان نہین مگر یہ خلاصہ (مرآۃ المثنوی) اپنی آپ نظیر ہے یہ خلاصہ درحقیقت مثنوی شریف کی ایک ترتیب جدید ہے جس سے مثنوی شریف کے جملہ مباحث و مطالب پر بسہولت تمام عبور حاصل ہوجاتا ہے چونکہ مثنوی شریف کو اس ترتیب جدید مین لانا ایک نئی بات تھی اسلئے جناب مؤلف نے کامل اطمینان اس امر کا حاصل کر لیا کہ یہ ترتیب بدعت سیئہ نہین بلکہ بدعت حسنہ ہے، جن علمائے کرام نے قبل طبع اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر اظہار مسرت فرمایا ان مین سے چند بزرگون کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"[illegible]"

([illegible])

"[illegible]"

([illegible])

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر [illegible] شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات [illegible] ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم [illegible] کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ [illegible] ۴۹۸ صفحے قیمت: للعہ، از مولانا عبدالسلام ندوی

[illegible] اس میں اردو شاعری کے تمام اصناف [illegible] قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی [illegible] سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت [illegible] ۴۰۹ صفحے، قیمت: للعہ

[illegible] اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی [illegible] دور بعہد کے اردو شعراء کے صحیح [illegible] ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا [illegible] تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں [illegible] ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک [illegible] ۵۴۸ صفحے، قیمت: [illegible] عبدالحیٰ صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلی۔ مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں [illegible] شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں [illegible] خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی تحقیق [illegible] حقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ [illegible]

[illegible] ضخامت ۴۴۴ صفحے، قیمت: عہ

[illegible] ضخامت ۲۷۱ صفحے، قیمت: عہ

موازنہ انیس و دبیر از مولانا شبلی، اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت [illegible]

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچھلے سالہ جدوجہد کی ایک نظمی تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت: عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ہے، حجم ۲۵۰ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر ابتدائی تاریخ [illegible] انداز میں بیان کی گئی ہے، [illegible] جیکب [illegible] از مولانا ریاست علی ندوی

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول۔ مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہو گئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمیں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دور، ان کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت تقریباً ۵۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت ۔ للعہ

تاریخ فقہ اسلامی۔ مصری عالم خضری بک کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مفصل اور جامع تبصرہ ہے، جس سے عہد بعہد فقہ کی ترتیب بخوبی معلوم ہو سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ، مترجمہ مولانا عبد السلام ندوی

رقعات عالمگیر۔ اورنگزیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص دلکش نہایت دلفریب۔ قیمت للعہ، مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے

مقدمہ رقعات عالمگیر۔ اسمیں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہی فرامین و مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ، عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت عہ، مصنفہ سید نجیب اشرف صاحب ایم اے ندوی

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گرانپایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہوئے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۶۱۲ صفحے، قیمت : للعہ

خلفائے راشدین۔ سیر الصحابہ کا حصہ اول، یعنی چاروں خلفائے کرام کے فضائل، مذہبی و سیاسی کارنامے اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت ۔ سے، مرتبہ مولانا حاجی معین الدین ندوی

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی — منیجر دار المصنفین — اعظم گڈھ

(مطبع معارف میں محمد ادریس ندوی نے چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷ ستمبر سنہ ۱۹۳۴ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر:- دار المصنفین اعظم گڈھ

تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم، منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام [illegible] سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی [illegible] اسلام [illegible] اور اُسکے [illegible] مباحث، ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible] تقطیع کلان

[illegible] فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی زبان [illegible] مباحث [illegible] علمی اعیات [illegible] مباحث پر بہت ہی [illegible] کتاب لکھی [illegible]

[illegible]

ارض القرآن [illegible] جغرافیہ عاد، ثمود [illegible] کی تاریخ [illegible] لکھی [illegible] اقوام کی یونانی [illegible] تحقیق [illegible] اصحاب الرس [illegible] تاریخ اور عرب [illegible] مذہب [illegible] مباحث، ضخامت [illegible]

[illegible] دوم

[illegible] علمی تجارتی [illegible]

خطبات مدراس یہ وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الٰہ آباد میں دیئے اور خوبصورت اردو ٹائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں۔ قیمت للعہ ضخامت ۴۴۳ صفحے

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُنکے مناقب، فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکے احسانات، اسلام کے متعلق اُنکی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۵۳۰ صفحے قیمت ۱۔ ہے۔

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک پر تبصرہ طبع دوم ضخامت [illegible] صفحے، قیمت: [illegible]

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنت والجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیحہ کی تشریح طبع دوم قیمت [illegible] [illegible] صفحے،

لغات جدیدہ عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات اور بول چال میں ہزاروں نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہیں جنکے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب میں اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے۔ طبع دوم قیمت [illegible] ضخامت [illegible] صفحے،

دروس الادب ۱ و ۲ عربی کی پہلی اور دوسری ریڈر جسکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اسطرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کی ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہے طبع سوم مع ترمیم قیمت [illegible] دوسری ریڈر طبع سوم قیمت [illegible]

جلد ۳۴	ماہ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۴ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

[illegible]

ہے تاکہ ان میں عزم و استقلال پیدا ہو، اور ایک کامیابی سے دوسری کامیابی کی ہمت بڑھے، اور حوصلہ بڑھے، یہی کیا
دانشمند مصلح کا فرض ہے کہ قوم کے سامنے جب کوئی تجویز پیش کرے، تو اس پر عمل فوراً شروع کرا دے، اور جیسے ہی اس سے
یہ کام ہو، دوسری مستعدی اور جوش و خروش کے ساتھ انجام کرائے، تاکہ ایک کامیابی کے نشہ میں وہ دوسرے کام کو پورے
جوش کے ساتھ کرسکے، اور اس طرح اس کا عزم پختہ، استقلال مضبوط، ہمت بلند اور حوصلہ بڑھتا ہے، اگر اس اصول کی پیروی نہ
کی گئی تو قوم کا عزم روز بروز کمزور، استقلال متزلزل، ہمت پست اور حوصلہ فنا ہوتا رہیگا،

ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ قومی تعلیم و تربیت کے دور میں اس اصول کی سب کم پروا کی گئی، ملکی انجمنوں اور کانفرنسوں
کی تعلیم و تربیت کیلئے بنائی گئی تھیں سب سے زیادہ ان کو کمزور اور سست بنانے میں مدد دی، انھوں نے اپنی قوم کی یہ
تربیت کی، وہ بڑی بڑی تجویزوں کے ذریعہ جنکا اصطلاحی نام آج برعکس نہند نام زنگی کافور، رزولیوشن یعنی اظہار عزم
ہے، اس کو محض بات بنانے کے قرار دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ قوم باتونی تو ہوگئی، مگر کامی نہ ہوئی،

کانفرنسوں کی روداد ان قومی عزائم کی فہرست سے معمور ہیں، مگر جہانتک عمل کا سوال ہے ان میں سے ہر ایک
قوم کے انحطاط و اخلاقی کمزوری کا ایک ایک قدم ہے، مسلمانوں کی اگلی تاریخ کو چھوڑیئے، خود ہندوستان میں
گاندھی جی کا تماشا ہوا، اور روسی اشتراکیوں اور کمالی ترکوں نے پنج سالہ پروگراموں کے ذریعہ دکھا دیا کہ قومی
تربیت کس طرح ہوتی ہے، اسی ایک نکتہ سے احکام قرآنی کے تدریجی نزول کی حکمت سمجھ میں آتی ہے، قرآن کا مقصد دنیا میں
عمل پیدا کرنا تھا، محض نظری و خیالی نہیں،

قوموں کی تعلیم و تربیت کا بڑا راز یہ ہے کہ جو بات جماعتی و اجتماعی حیثیت سے انکی زبان سے نکلوائی جائے، اسکو کرکے
دکھایا جائے تاکہ ان کے حوصلہ کا ہر قدم آگے بڑھتا رہے، اور انکی زندگی کا سرچشمہ جوش مارتا رہے، اس عہد کا سب سے بڑا ہندی مصلح

شذرات

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین بڑی خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اشخاص و افراد کی طرح قومون کی بھی عمرین ہوتی ہین، وہ بھی پیدا ہوتی ہین، جوان ہوتی ہین، بوڑھی ہوتی ہین، اور مرجاتی ہین، دنیا کی تمام تاریخین اس نظریہ کے ثبوت مین ہین، اور کہا جاسکتا ہے، کہ اب فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلّمہ مسئلہ ہے،

لیکن اگر زیادہ دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ اقوام کے ان مختلف دورون مین ان کی زندگی کے خصوصیات و لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہین، بچپن مین ان کی خواہشین بچّون کی سی ہوتی ہین، جوانی مین جوانون جیسی اور بڑھاپے مین بوڑھون کی طرح، ان اقوام کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی نوعمرون ہی کی تعلیم و تربیت کے مماثل ہوتے ہین،

قوم کے مصلح، قوم کے معلّم ہوتے ہین، کامیاب معلّم وہی ہے جو تعلیم و تربیت کے ان فطری اصول کی پیروی کرتا ہے، جسطرح استادون کو اس کی ضرورت ہے کہ طلبہ کو صبح خیزی، ورزش اور جد و جہد کی عادت دلائین، اور اُن کو آرام طلبی، راحت جوئی، وضعداری، اور فیشن پرستی سے باز رکھین، اسی طرح قوم کے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو عیش پرستی آرام طلبی اور تعطّل سے باز رکھکر محنت، جد و جہد اور دوڑ دھوپ مین مصروف رکھے، اور اسی سے اسلام کے جہاد کی حقیقت اہلِ بصیرت پر روشن ہوگی،

استادون کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن سے ایک کام کو شروع کراکر، دلچسپی اور استقلال کے ساتھ اسکو اُن سے پورا

کرائے، تاکہ ان مین عزم و استقلال پیدا ہو، اور ایک کامیابی سے دوسری کامیابی کی ہمت بڑہے، اور حوصلہ بڑھے، ایسے ہی قوم کے مصلح کا فرض ہے کہ قوم کے سامنے جب کوئی تجویز پیش کرے، تو اس پر عمل فوراً شروع کرادے، اور جیسے بنے اس سے اس کام کو پوری مستعدی اور جوش و خروش کے ساتھ سرانجام کرادے، تاکہ ایک کامیابی کے نشہ مین وہ دوسرے کام کو پورے زور کیساتھ کرسکے، اور اس طرح اس کا عزم پختہ، استقلال مضبوط، ہمت بلند اور حوصلہ بڑھتا رہے، اگر اس اصول کی پیروی نہ کیجائیگی تو قوم کا عزم روز بروز کمزور، استقلال مفقود، ہمت پست اور حوصلہ فنا ہوتا رہیگا،

ہندوستانی مسلمانون کی موجودہ قومی تعلیم و تربیت کے دور مین اس اصول کی سب سے کم پروا کیگئی، بلکہ انجمنون اور کانفرنسون نے جو ان کی تعلیم و تربیت کیلئے بنائی گئی تھین سب سے زیادہ ان کو نکما اور سست بنانے مین مدد دی، انھون نے اپنی قوم کی یہ عادت ڈلوائی کہ وہ بڑی بڑی تجویزون کے ذریعہ جنکا اصطلاحی نام "ع برعکس نہند نام زنگی کافور" رزولیوشن یعنی "اظہارِ عزم" رکھا، مگر عملاً اس کے معنی بات بنانے کے قرار دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ قوم باتونی تو ہوگئی، مگر کامی نہ ہوئی،

ہر انجمن اور کانفرنس کی رودادان "قومی عزائم" کی فہرست سے معمور ہی، مگر جہانتک عمل کا سوال ہی اُن مین سے ہر ایک ہمارے قومی ضعف، روحی انحطاط اور اخلاقی کمزوری کا ایک ایک قدم ہی، مسلمانون کی اگلی تاریخ کو چھوڑیئے، خود ہندوستان مین ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء مین اسکا مشاہدہ ہوا، اور روسی اشتراکیون اور کمالی ترکون نے اپنے پنج سالہ پروگرامون کے ذریعہ دکھادیا کہ قومون کی تعلیم و تربیت کس طرح ہوتی ہی، اسی ایک نکتہ سے احکامِ قرآنی کے بتدریج نزول کی حکمت سمجھ مین آسکتی ہی، قرآن کا مقصد دنیا مین ایک عملی قوم پیدا کرنا تھا، محض نظری و خیالی نہین،

قومون کی تعلیم و تربیت کا بڑا راز یہ ہی کہ جو بات جماعتی و اجتماعی حیثیت سے انکی زبان سے نکلوائی جائے، اسکو کرکے چھوڑا جائے، تاکہ اُن کے حوصلہ کا ہر قدم آگے بڑھتا رہے، اور انکی زندگی کا سرچشمہ جوش مارتا رہی، اس عہد کا سب سے بڑا ہندو مصلح

ٹھیک اسی اصول پر گامزن ہو، مگر مسلمان مصلحون کے طریقۂ تعلیم پر ذرا غور کرو کہ جنگ بلقان، جنگ طرابلس، واقعۂ کانپور، ہنگامۂ مسلم یونیورسٹی، جنگ عظیم، مسئلۂ خلافت، مسئلۂ مقامات مقدسہ، مسئلۂ آزادی کس اہم مقصد پر ان کے مورچے مضبوطی کے ساتھ گاڑے گئے، اور انکو کامیاب بنا کر چھوڑا گیا، اب تک یہی عمل جاری ہو، آج ایک بات اٹھائی گئی، اور کل وہ بھلا دیگئی، نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانون کے حوصلے پست، ہمتین ضعیف اور ارادے کمزور ہوتے جا رہے ہین، اور ان مین کسی ایک مورچہ پر جمکر لڑنے کا مادّہ اب تک پیدا نہین ہوا،

تعلیم و تربیت کا دوسرا اصول یہ ہو کہ انفرادیت فنا کر کے جماعتیت پیدا کیجائے، اور بار بار کے تجربون سے طالبعلمون کو مشاہدہ کرا دیا جائے کہ جماعتی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہو، اور انفرادیت اس طاقت کی زندگی کیلئے زہر قاتل ہے، اسکولون اور کالجون کے تمام کھیل، اسی اصول کی تعلیم اور مشق کیلئے ہین، بوڑھی قومین جب فنا ہونے لگتی ہین تو انکی موت کے جراثیم اسی انفرادیت کی آب و ہوا مین پرورش پاتے ہین جس کے نتیجہ کے طور پر ان مین خود غرضی، عدم ایثار، ذاتی اعزاز کی طلب، اور قومی خیانت پیدا ہو جاتی ہو، اسلام کی ہر عبادت مین جماعت کی تعلیم اسی اصول کی حفاظت کے لئے ہے،

آج قومون کے مصلح اسی جماعتی قوت کی تعلیم کے لئے ایک روز اور وقت مقرر کر کے کبھی ہڑتال، کبھی جلوس، کبھی جلسۂ عام، کبھی قومی روز و ہفتہ اور کبھی قومی عید اور تہوار منانے کی مشق کراتے ہین، مدت متعینہ مین مقررہ چندہ کی مقدار فراہم کرنے کی تجویز بھی اسی اصول تعلیم کا ایک سبق ہے، کیا مسلمان قوم کے موجودہ مصلحون سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان کی قوم اس سبق کو کہان تک یاد کر سکی، ایسی حالت مین ایسے اجتماعات عامہ کا اعلان کرا کر اُن کا پورا نہ کرانا مسلمانون کے مرض کو کس تیزی سے بڑھا رہا ہے، یا تو بغیر کافی استعداد اور تیاری کے قوم کے منھ سے کوئی بات نکلوائی نہ جائے، اور نکلوائی جائے تو جس طرح ہو پوری کرائی جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو قومی ضعف، عزم، انحطاط قویٰ، اضمحلال روح کو پیدا کر کے اس کو موت کے منھ مین ڈھکیل دینا ہے،

مقالات

قلعۂ جدید و چمن

۲ر نومبر ۱۹۳۳ء

بلدیۂ قندھار کی دعوت سے معذوری | قندھار کے بعض معززین کا خیال تھا کہ یہاں کی بلدیہ (میونسپلٹی) کی طرف سے ہم کو دعوت چائے دیجائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ کم ازکم ایک روز اور ٹھہریں، لیکن قرب وطن کے شوق نے صرف ایک دعوت چائے کی خاطر ایک روز کی قربانی گوارا نہ کی، سردار خان گو آپ نے بہت اصرار کیا، مگر معذرت ہی کرنی پڑی، اور یہی طے پایا کہ آج ۲ر نومبر کی صبح کو قندھار سے روانگی ہوگی،

قندھار کے باہر | قندھار کے باہر بھی بعض عمارتیں اور شاہی وعمومی باغ ہیں جنہیں سے بعض خاص طور سے مشہور ہیں، مگر وقت کی تنگی کے سبب سے ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملا،

دفاتر | سرکاری دفاتر کی عمارتوں میں بھی جانے کا اتفاق نہ ہوا، سنا ہے کہ دفاتر کی عمارتیں اچھی ہیں، مگر ابھی ان کی تنظیم موجودہ متمدن نظام پر نہیں ہوئی ہے، ایک قاضی ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ فصل مقدمات کا طریقہ جس قدر ابتدائی ہوتا ہے، اسی قدر مقدمات کم اور اپنی طبعی صورت میں ہوتے ہیں، اور جس قدر ان کی ترتیب وتنظیم اور قواعد و قوانین کی پر پیچ راہیں اختیار کیجاتی ہیں، اسی قدر نزاعات اور پیچیدہ مقدمات کی کثرت ہوتی جاتی ہے، ہندوستان میں اس کا مشاہدہ ہر انسان کرسکتا ہے،

پروانۂ راہداری کی تصدیق | جن لوگوں کے پاس ہندوستان سے افغانستان جانے کے پاسپورٹ ہوں ضرورت ہے کہ واپسی کے وقت واپسی کی اجازت اور تصدیق افغانی و برطانی دفاتر میں کرالیں، ہم نے آسانی کے خیال سے کابل

ہی میں اس مرحلہ کو طے کرلیا تھا، چنانچہ پہلے افغانی دفتر نے اور پھر برطانی سفارت نے اس کی تصدیق کر دی،

"برائے رفتن ہندوستان، از راہ قلعۂ جدید قندھار"

اس کے بعد "برٹش لیگیشن کابل" نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی،

جو لوگ کابل سے یہ تصدیق نامہ اپنے ساتھ نہ لائین، ان کے لئے ضرورت ہے کہ وہ قندھار مین برٹش کونسل اور حاکم قندھار کے دفتر سے اپنے پاسپورٹون پر یہ تصدیق کرالین، ورنہ اُن کو افغانستان سے نکلنے اور ہندوستان مین داخل ہونے کی اجازت نہ ملے گی،

قندھار سے روانگی | آٹھ بجے صبح کو چاے اور ناشتہ سے فرصت کرکے قندھار سے روانگی کا سامان ہونے لگا، ہماری مین وہی موٹر تھی، جس پر کابل سے اب تک مین اور ڈاکٹر صاحب بیٹھکر آئے تھے، یہ اچھی خاصی، وسیع اور نہایت آرام دہ موٹر تھی، کہہ چکا ہون کہ افغانستان سے ہندوستان آنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ برطانوی کونسل کے ایک فارم پر حسب ذیل امور کی خانہ پُری کرکے وہان پیش کرنا ہوتا ہے، موٹر کا نمبر، موٹر کے کارخانہ کا نام، مدت استعمال، موجودہ کیفیت، موٹر کے مالک کا نام، شوفر کا نام اور اسکی سند اجازت وغیرہ جس موٹر پر ہم سوار ہو کر آئے تھے وہ ہندوستان پہلے بھی آچکا تھا، اس لئے اسکا مذکورۂ بالا فارم برطانوی کونسل کا پہلے ہی پاس کیا ہوا موجود تھا، اس لئے کوئی دقت پیش نہین آئی، اسی طرح جس لاری پر سامان آیا تھا، وہ بھی مذکورۂ بالا مرحلہ کو پہلے ہی ختم کر چکی تھی، کہتے ہین کہ یہ احتیاط اس لئے کیجاتی ہے تاکہ راستہ کی خرابی سے کوئی افتاد پیش نہ آئے،

روانگی کے وقت گورنر صاحب قندھار کی طرف سے ایک خریطہ مین کچھ خشک میوے اور قندھاری انار کے دو ٹوکرے تحفہ مین آئے، یہ ٹوکرے لاری مین لٹکا کر باندھ دیئے گئے تاکہ وہ دبنے سے خراب نہ ہون،

۹ بجے کے قریب ارک شاہی سے ہماری موٹر نے حرکت کی، لاری پر اسباب کے علاوہ وہ دستہ جو کابل سے ساتھ آیا تھا، سوار تھا، سرور خان گویا جواب تک رفیقِ سفر ہین، انکی تکلیف کے خیال سے ہم لوگ چاہتے تھے، کہ وہ قندھار ہی مین ٹھہر جائین، اور ہمارے ساتھ آگے نہ جائین، لیکن ان کی مہمان نوازی نے یہ گوارا نہ کیا، اور شاید کہ شاہی حکم بھی یہی ہوگا

بہرحال وہ بھی ساتھ روانہ ہوئے،

راستہ قندھار سے تھوڑی دور تک تو سڑک اچھی ملی، پل بھی تھے، مگر جون جون آگے بڑھتے گئے راستہ کی خرابی تکلیف دہ ہوتی گئی، اکثر پل ٹوٹے تھے، موٹرون کو ایسے مقامات پر پل سے نیچے اتر کر پھر بلندی پر چڑھنا پڑتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہادر افغانون کے ساتھ ان کی موٹرین بھی بہادر ہوتی ہین جو ان خوفناک راستون کو اس طرح نڈر ہوکر طے کرتی ہین، افغان شوفرون کی بہادری کی بھی داد دینی چاہئے جو اس دشوار گذار راستہ کو بہ خوبی سے طے کرلیجاتے ہین،

تختہ پل قندھار سے چند میل نکل جانے کے بعد ایک منزل آئی جسکا نام تختہ پل تھا، شاید اس نام کی اصلیت یہ ہو کہ یہان تختون کا کوئی پل بنا ہو، بہرحال ایک چنگی کی سرکاری عمارت ہے جو بدستور خام ہے، یہان قندھار سے آنے جانے والون کے اسباب کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اور قابل محصول اشیاء پر چنگی وصول کیجاتی ہے، ہم لوگون کے ساتھ کے چند قالین تھے، ان پر کابل ہی سے سرکاری طور پر ایک دھیلے کے برابر ٹھپہ کیا ہوا چپٹا سیسہ پتلے تار سے باندھ دیا گیا تھا، یہ شاید کابل کے چنگی خانہ کا نشان ہو، یا ان سامانون پر یہ لگایا جاتا ہو جن کو حکومت چنگی کے محصول سے مستثنیٰ کردیتی ہو، قاعدہ کے مطابق ہماری موٹرین بھی یہان آکر رکین، اور چنگی کے عمال نے سرسری طور سے دیکھ بھال کر ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی،

صحرا سندھ وبلوچستان اب ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے، راستہ خراب سے خراب تر آتا جاتا تھا، بلکہ یون کہئے کہ سرے سے راستہ ہی نہ تھا، ایک لق و دق ریگستان تھا، جسمین ہر موٹر اور لاری اپنا راستہ آپ تلاش کرلیتی ہے، موٹرون اور لاریون کی آمد و رفت سے ہر جگہ ریگ مین گڑھے پڑ پڑ جاتے تھے، اور پھر ہوا کے جھونکے ان کو تھوڑی دیر مین بھر دیتے تھے، آدھے آدھے پہئے ریگ مین دھنس دھنس جاتے تھے، ایک موٹر یا لاری کے گذرنے سے ایک لیکھ جب خراب ہوجاتی ہے، دوسرا موٹر اور لاری والا اپنی موٹر اور لاری کو اُس سے بچاکر دوسری راہ اختیار کرلیتا تھا، اس طرح ہر روز ان سواریون کی آمد و رفت سے بیسیون نشان پڑ پڑ کر مٹ مٹ جاتے ہین، جہان کہین ذرا مٹی سخت بھی تھی تو وہ ان بھاری سواریون سے چور ہوکر سرمہ ہوگئی تھی، مگر با این ہمہ اسی ریت کے دلدل سے ہوکر بیسیون لاریان آجا رہی تھین، دیکھنے والون کو

سب سے زیادہ ہولناک سمان یہ نظر آتا تھا کہ کسی لاری کے ایک طرف کے پہیے توریت مین دھنسے ہین اور دوسری طرف کے پہیے زمین کی اصلی سطح پر ہین، اس سے لاری ایک طرف اتنی جھکی معلوم ہوتی تھی کہ ہم کو ڈر لگتا تھا کہ یہ کہین الٹ نہ جائے، ان سکنڈ ہینڈ پرانی لاریون والون کی بیکسی پر کس قدر افسوس ہوتا تھا جو ہم کو جگہ جگہ بیکار پڑی نظر آتی تھین اور اُن کے شوفر اُن کی درستی کے لئے اس بے نام ونشان صحرا مین کئی کئی گھنٹے مصروف رہتے ہین،

اس راستہ کے بیچ بیچ مین پہاڑ بہت کم آتے ہین، بلکہ گویا نہین ہین، اس لئے راستہ اور ریت کی دشواری جو کچھ ہو مگر درۂ خیبر والے راستہ کی طرح یہ خوفناک اور خطرناک نہین،

یہ صحرا ے ریگ افغانستان و ہندوستان بلکہ ایشیا ے وسطیٰ اور ہندوستان کا سب سے پرانا اور تاریخی راستہ ہے، تاریخ کو جب سے علم ہے یہ راستہ تجارتی کاروانون اور قافلون کی آمد و رفت سے معمور نظر آتا ہے، ہندوستان کے بہت سے فاتح اور کشورکشا اسی راہ سے ہندوستان مین داخل ہوئے، تیمور اسی راستہ سے ہندوستان آیا، ہمایون اسی راستہ سے ہندوستان سے نکل کر ایران مین داخل ہوا تھا، بلکہ عجب نہین کہ محمد بن قاسم ثقفی اسی طرف سے سندھ مین داخل ہوا ہو،

یہ صحراے ریگ قندھار کے حدود کے بعد سے شروع ہو کر بلوچستان و سندھ کے علاقون سے گذر کر بحر ہند کے سواحل تک یونہی چلا جاتا ہے، اس صحرا اور ہندوستان کے درمیان ایک پہاڑی سلسلہ دور سے برابر برابر ساتھ چلتا ہوا نظر آتا ہے، اور اسی مین وہ مشہور درۂ بولان ملتا ہے جس سے ادھر کے شمشیر آزما فاتح وادی سندھ مین اتر کر ہندوستان مین داخل ہوتے رہے ہین، احمد شاہ ابدالی بھی کئی دفعہ اس درہ سے گذر کر ہندوستان آیا تھا،

قلعۂ جدید — قندھار سے آٹھ بجے کے قریب چل کر ۱۲ بجے کے بعد ہم قلعۂ جدید پہنچے، یہ اس سمت مین افغانستان کی آخری سرحد ہے، یہان ایک پرانا قلعہ نظر آیا، جو اب بالکل شکستہ ہے، دوسرا یہ نیا قلعہ ہے جس مین افغانی سرحدی چوکی اور چنگی خانہ اور پروانۂ راہداری کی دیکھ بھال کے دفاتر ہین، افغانستان کے عام دستور کے مطابق یہ قلعے بھی خام مٹی کے تھے، اُن کی چھتین بھی مٹی کی کچی تھین، اکثر چھوٹی چھتین گنبدنما تھین، قلعہ کے اطراف مین سپاہیون کے بارک تھے، ہندوستان کی آمد و رفت کے سبب سے یہان لاریون اور مسافرون کی اچھی خاصی چہل پہل تھی، کھانے اور

اور سیدون کی دوکانین بھی نظر آتی تھین، باورچی کی دوکان جس کو دیسی ہوٹل کہئے وہ بھی موجود تھی،

ہماری موٹر جیسے ہی آکر رکی، قلعہ کے سپاہیون نے صف بستہ ہوکر مہمانون کے اعزاز کا فرض ادا کیا، ماموصاحب جو یہان کے افسر تھے، زینہ سے اتر کر نیچے تشریف لائے اور مہمانون کا استقبال کیا، یہ نوجوان، خوش سلیقہ، انگریزی باس مین ملبوس، سر پر ہیٹ لگائے اور اسی کے ساتھ داہنے ہاتھ مین سنگ شاہ مقصود کے بڑے بڑے زرد دانون کی تسبیح ہاتھ مین لئے ہوئے تھے،

تسبیح کا فیشن | افغانستان مین اس قسم کی تسبیحون کا ہاتھ مین رکھنا ایک فیشن ہے، یہ عموماً بڑے بڑے تینتیس دانون کی تسبیح ہوتی ہے، جس کو ارباب منصب اور امراء ہاتھون مین لئے رہتے ہین کبھی اُن کے دانون کو پھیراتے ہین اور کبھی اُنسے کھیلتے ہین

قلعہ جدید مین قیام | ماموصاحب ہم لوگون کو ساتھ لیکر قلعہ کے بالائی حصہ مین گئے، چھت پر ایک سائبان اور چند کمرے تھے، جن مین سے ایک ملاقات یا کھانے کا کمرہ تھا، اور دوسرے مین ماموصاحب کا دفتر تھا،

کھانے کا سامان اور باورچی اور خدام کابل سے برابر ساتھ آرہے تھے، جہان جہان قیام ہوتا باورچی کھانا پکاتے اور خدام قرینہ سے میز سجا کر کھانا کھلاتے تھے، یہان بھی انھون نے جلدی جلدی کھانے کا سامان کیا، اور انھین کمرون مین سے ایک مین میز پر کھانا لگانے کا انتظام کیا، ظہر کا وقت آچکا تھا، ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک چبوترے پر جو خاص نماز کے لئے تھا، سپاہی اپنی پوری وردیون مین آتے اور فریضۂ ظہر ادا کرتے، ہم نے اپنے ساتھ کے سپاہیون کو بھی اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا، اور خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ انگریزی وردی کے تنگ کپڑے ہمارے ہندوستانی جنٹلمینون کی طرح ان افغان سپاہیون کے لئے ترک نماز کا عذر نہین بنے ہین،

یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ پنجاب اور سرحد کے دیہاتون کی طرح یہان بھی کوٹھے کی بالائی چھت بیت الخلا اور استنجا خانے کے کام مین آتی ہے،

یہان ہمارے راہداری کے پروانون کی دوبارہ تصدیق کی گئی، اور اُن پر

"درتحت نمرہ ۱۲ ، ۱۰ ، ۸ ، ۱۲ ، موقع خروج سرحد ملاحظہ شد"

لکھکر مہر لگائی گئی،

جبتک یہ دفتری کارروائی ہوتی رہی، ہم نے کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہو کر ہم ہندوستان کی سرحد کی طرف آگے بڑھنے کو تیار ہوئے،

وداعی منظر: اب ہم افغانستان کی آخری سرحد مین تھے، اور اپنے میزبانون سے شاید ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے، ایک اسلامی حکومت کے روح افزا مناظر کی سیر ابھی دل بھر کر بھی نہ پائے تھے کہ موسم بہار آخر ہو گیا، قلعہ کے تمام افسر اور عملہ نے رخصتانہ ہاتھ ملائے، رفیقِ سفر سردار خان گویا جو اتنے دنون تک جلوت وخلوت مین ساتھ رہے تھے ہم کو حسرت بھری نگاہون سے دیکھ رہے تھے، اور ہم اُن کو تک رہے تھے،

روے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

یہ گویا مبلِ قفس کی طرح ابھی تک افغانستان سے باہر نہین گیا ہے، اور باہر کی دنیا کو صرف کتابون کی لکھی ہوئی سطرون سے دیکھا ہے، وہ اس سرحد کے پاس پہنچکر پھڑک پھڑک کر رہ گیا، زبانِ حال یہ کہہ رہی تھی،

اگر یک سرِ موے برتر پرم

فروغِ تجلی بسوزد پرم

سب سے زیادہ موثر منظر اپنے ساتھ کے افغانی دستہ کے سپاہیون سے رخصت ہونے کا تھا، یہ موٹر کے ساتھ [illegible] فوجی قاعدہ سے رخصتانہ سلام کیا، مگر مین بیچارہ کہ نہ "کشوری" (سویلین) تھا [illegible] ایک سپاہی سے بغلگیر ہوا اور مصافحہ کرکے رخصت ہوا، اور [illegible] افغانستان کا قلعہ ختم ہو گیا،

[illegible] اس وقت [illegible] مصافحہ و معانقہ کے بعد باہم مکاتبت و مراسلت کے [illegible] ختم ہو گئی، موٹر نے آگے کو حرکت کی، اور چند منٹ کے اندر افغانستان کی سرحد کو پھاند کر انگریزی علاقہ مین داخل ہو گئین،

چمن | ہندوستان کی پہلی سرحدی آبادی کا نام چمن ہے، دیکھنے مین تو یہان ریگ اور خشک پہاڑون کے سوا کچھ اور نہین، مگر یہان کی معنوی خشکی کو لفظی تری سے دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے، کسی زمانہ مین چمن بھی مملکتِ افغانستان کی ایک کیاری تھی، مگر باغبان و صیاد کی باہمی کشمکش مین، یہ ہاتھ سے جاتا رہا،

افغانی علاقہ جونہی ختم ہوا، وہ سیاہ تختہ کھڑا نظر آیا، جس پر ہندوستان کی سرحد کا اعلان، اور پروانۂ راہداری کے بغیر اس سے آگے بڑھنے کی ممانعت لکھی تھی، سرحد کو عبور کیا تو چمن کا سواد سامنے آگیا، انگریزی کارخانون کے ستون در چمنیان، اور بلند مکانون کی چھتین دکھائی دینے لگین، یہ اصل مین تمامتر فوجی چھاؤنی ہے، ہر طرف فوجی آبادی کے نشان نظر آتے تھے، کہین بارکین تھین، کہین گھوڑ دوڑ کا میدان، کہین کھیل اور ورزش کی فیلڈ،

آبادی آئی تو شاید افغانی مامور تجارت کے ذریعہ جس کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی، یا پیمبر کو سیدراس مسعود صاحب کی زبانی لوگون کو ہمارے اس وقت آنے کی خبر ہوگئی تھی، چنانچہ شہر کے دروازہ ہی پر مسلمانون نے استقبال کیا، اور ایک ریسٹوران مین لاکر بٹھایا، اور اس بات کی تمہید کی کہ ہم آج اپنا سفر ملتوی کر کے رات کو یہان کے مسلمانون کے سامنے کچھ تقریرین کرین، مگر ایک تو اس دور دراز سفر کے تکان سے چور تھے، دوسرے ہندوستان کی سرحد پر پہنچکر حبِ وطن کی "آتشِ شوق تیزتر" ہوچکی تھی، اس لئے معذرت کی، مگر ان کا اصرار برابر قائم رہا، اور اس کے لئے مختلف تدبیرین کرتے رہے،

یہان پہنچکر پہلا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ یہان کے پولیس افسر کے دستخط پاسپورٹ پر کرائے جاتے ہین، اس کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہین، پاسپورٹ دستخط کے لئے بھیجے گئے، لیکن اس کی واپسی مین دیر پر دیر ہوتی گئی، اور ہماری الجھن بڑھتی گئی، اور یہ شبہہ ہوا کہ شاید ہمارے روکنے والے دوستون کی یہ تدبیر نہ ہو تاکہ آج کا جانا کسی طرح ملتوی ہو جائے، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم خود افسر صاحب کے دوتخانہ پر پہنچ جائین، الغرض ہم جیسے ان کے دروازہ تک پہنچے وہ باہر نکل آئے، اور دستخط کر کے پاسپورٹ واپس کئے،

ریسٹوران (چائے خانہ) مین مختلف خیال کے مسلمان جمع ہوگئے تھے، جو سیاسیات کی مختلف راہون سے

آشنا تھے، مجھ سے اور ڈاکٹر اقبال صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، مگر سب کے سب افغانستان کی ترقی وخیرخواہی کے جذبات سے معمور تھے، ڈاکٹر صاحب کے اسکول کے زمانہ کے ایک ہندو کلاس فیلو جو یہان ڈاکٹر تھے، ملنے آئے، اور ڈاکٹر صاحب سے اپنا تعارف کرایا، اثناے گفتگو مین افغانستان کے متعلق ایک ایسا لغو فقرہ انکی زبان سے نکلا جس سے مسلمانون کو سخت تکلیف ہوئی، یہان یہ سنکر افسوس ہوا کہ ہندو بھائیون کو موجودہ حکومت افغانستان سے اس لئے نفرت ہے کہ وہ اس کو "متعصب" مسلمان جانتے ہین، اور امیر امان اللہ خان سے اس لئے ہمدردی ہے کہ وہ ان کو اسلام کا "باغی" تصور کرتے تھے، حالانکہ ان کے یہ دونون خیال غلط ہین،

یہان حکومت افغانستان کا ایک مامورِ تجارت رہتا ہے، افغانی قونصل خانۂ دہلی کے کاتب (کلرک) کو جو ہمارے ساتھ تھا، مامور صاحب سے مصارفِ سفر کے لئے رقم لینی تھی، مامور صاحب کو اطلاع دی گئی تو انھون نے بھی کافی دیر لگائی، پے درپے قاصدون کے بھیجنے کے بعد وہ آخر آئے تو اس شان سے آئے کہ آگے آگے وہ خود اور پیچھے پیچھے ان کے نوجوان فیشن ایبل جنٹلمین صاحبزادے، رسم تعارف کے بعد کاتب صاحب سے اور اُن سے دیر تک ردّ و بدل ہوتا رہا،

ان تمام جھمیلون کے بعد ہم چمن سے آگے بڑھے، سڑک اتنی عمدہ تھی کہ لامحالہ انگریزی حکومت کی تعریف کرنی پڑتی ہے، ہماری اسلامی و مشرقی سلطنتین اصلاحات کے لئے بیشک بے قرار ہین، مگر اس زمانہ مین اصلاح کے معنی روپیے کے ہین، جب تک ان کی اقتصادی حالت بہتر نہ ہوگی، وہ اصلاحات کے جاری کرنے پر قدرت نہین رکھتین، ہر مسافر کو جو افغانستان کی سڑکون سے نکل کر ہندوستان کی سڑکون پر آتا ہوگا، بداہتہً بغیر کسی دلیل وحجت کے مشرقی سلطنتون کی پستی اور انگریزی حکومت کی برتری کا خیال آجاتا ہوگا، اس لئے ہماری مشرقی سلطنتون کا فرض ہے کہ وہ ان ظاہری نقائص کی طرف پوری توجہ دین،

ایک تو ہندوستان کی سڑکین مقابلتہً یون بھی اچھی ہین، پھر انگریزی فوجی اغراض نے چمن کے شہر کو نہین تو چمن کی سڑکون کو تو بیشک چمن بنا دیا ہے، سڑکین اتنی صاف ستھری، ہموار اور چکنی کہ معلوم ہوتا تھا

کر بیٹے خود بخود پھسلے جا رہے ہیں،

چمن سے ریل شروع ہو جاتی ہے، مگر ہم لوگوں نے ایک دن بچانے کی خاطر چمن سے کوئٹہ تک ریل پر سفر کرنے کے بجائے موٹروں پر سفر کیا، چمن سے ریل صرف ایک وقت صبح کو چلتی ہے، اگر اس پر سفر کرتے تو ضرور ہوتا کہ آج رات بھر یہاں ٹھہریں، اور صبح کو روانہ ہوں، اور کوئٹہ سے ڈاک گاڑی ۱۱ بجے دن کو چلتی تھی تو اگر آج شام تک کوئٹہ پہنچ جائیں تو رات بھر وہاں آرام کرکے ۱۱ بجے ڈاک سے کل ہی روانہ ہوسکیں گے یہ تجویز قندہار ہی سے طے شدہ تھی، کہ چمن سے کوئٹہ تک سفر انھیں موٹروں پر ہوگا، اور کوئٹہ سے ریل پر سوار ہونگے

میرا اندازہ ہے کہ ۴ بجے شام کے قریب ہم چمن سے روانہ ہوئے، چمن اور کوئٹہ کے درمیان غالباً ساٹھ ستر میل کی مسافت ہے، ریل اس مسافت کو پانچ گھنٹوں میں طے کرتی ہے، صبح ۸ بجے چل کر ایک بجے دن کو وہاں پہنچتی ہے، موٹر میں بھی چار گھنٹوں سے زیادہ لگے، جس کی وجہ بلندیوں کی چڑھائی اور ایک طویل پر پیچ پہاڑی راستہ کا عبور کرنا تھا، چمن سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد ایک پل آیا، اس پر ایک بھاری زنجیر کی روک پڑی ہوئی تھی، جس کے اٹھائے بغیر اس پار سے اس پار جانا ناممکن تھا، متعین پہرہ دار نے چمن کے پولیس افسر کی تصدیق دیکھکر زنجیر ہٹائی اور موٹریں آگے بڑھیں،

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز نئی دہلی

(۳)

جو کچھ سطور بالا مین عرض کیا گیا ہے، وہ صرف نظریئے ہی نہین، کیونکہ وہ نظریئے جو عمل مین نہ آسکین ان کے لئے اسلام مین کوئی جگہ نہین، مسلمانون نے ان الفاظ کو عملی جامہ پہنا کر دکھادیا، اور ثابت کردیا کہ جو ترقی اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے کیجائے، وہ تسخیر مادہ کے علاوہ تسخیر امن و اطمینان مین بھی اپنی نظیر نہین رکھتی،

لیکن آہ! یہان پہنچکر ہمین ایک ایسے اعتراض سے سابقہ پڑتا ہے، جس کے جواب مین سوائے آنکھین جھکا دینے کے اور کچھ بن نہین پڑتا، یعنی معترض اگر مثال کے طور پر ہندوستان کے موجودہ مسلمانون کو پیش کردے تو اعتراف حقیقت کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے، فی الحقیقت ہمین نہایت ندامت و تاسف سے یہ کہنا پڑیگا کہ ہندوستان کے موجودہ مسلمانون کی سمجھ مین نہ تو دین ہی آیا، اور نہ انھون نے دنیا کمانے ہی کا ڈھنگ سیکھا، اُولٰئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ الا ما شاء اللہ، آزاد خیال طبقہ کی مذہب سے بیگانگی و تنفر کا ایک بڑا سبب منجملہ دیگر اسباب یہ بھی ہے کہ انھون نے اسلام کا اندازہ ہم مسلمانون سے لگالیا ہے، حالانکہ آج ہمارے زوال و انحطاط کے لئے اسلام اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنی مغرب کی مادی ترقی کے لئے عیسائیت باعث افسوس کتنی ہے کہ جب مسلمانون کے اعمال اسلام کی صحیح تصویر ظاہر کرتے تھے تو دنیا کی جہالت و عصبیت لوگون کو اسلام کے سمجھنے سے باز رکھتی تھی، اور آج جبکہ دنیا اسلام کے قریب تر آنے کی کوشش کررہی ہے، مسلمان ایسی تصویر سامنے کرتے ہین، جو نہایت مہیب اور بھیانک دکھائی دیتی ہے، ڈاکٹر رشید الدین خان صاحب نے اسلام قبول کرنے کے بعد کس قدر حقیقت کی ترجمانی کی جب فرمایا کہ قرآن مجھے کھینچکر مسلمانون

کے پاس لایا، لیکن جب مین مسلمانون کے اندر پہنچا ہون تو جی چاہتا ہے کہ پھر واپس چلا جاؤن، لیکن قرآن پھر میرا دامن پکڑ رہا ہے،

لہذا ان نظریات کی عملی مثالین دیکھنے کے لئے ہمین تاریخ کو تیرہ سو سال پیچھے کو لوٹا دینا پڑیگا، کیونکہ وہان پہنچکر ہمین انسانون کا ایک ایسا گروہ نظر آتا ہے جو تکمیل انسانیت اور اخلاق و اعمال الٰہیہ کا اکمل و اجمل نمونہ تھا اور تاریخ کے جمیع ازمنہ ماضیہ مین انبیاے کرام کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد انسانون کا کوئی گروہ اور انسانیت کبریٰ کا اعلیٰ سے اعلیٰ تصور بھی ان کے مقابلہ مین پیش نہین کیا جاسکتا، اس لئے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ان کا دستور العمل اور جمیع اعمال و افعال کا محور تھا، ان کے بعد خلفاے اسلام بالخصوص عہد عباسیہ کا وہ درخشندہ منظر تاریخ کے ابواب پیش کرین گے جبکہ مادی ترقی بھی اپنے اوج کمال پر تھی، اور ایسے اللہ کے بندے بھی موجود تھے جو حدود اللہ کے قیام و نفاذ مین احکام خداوندی کو خضر راہ بناتے تھے، بلکہ اوس کی کچھ مثالین ہمین بعد کے شاہان اسلام کے ادوار حکومت مین بھی ملین گی، جبکہ اگرچہ تہذیب اسلامی کے قصور رفیع المنزلت پیوست بزمین ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی آثار قدیمہ کے نشانات کی طرح اپنے پیش روندگان کے نقوش قدم کا پتہ دیتے جارہے تھے، اور چونکہ اسلام مایوسی کو کفر کے مرادف قرار دیتا ہے اسلئے آج بھی اگر تجسس و استفسار سے کام لیا جائے تو نگہ حقیقت مین ہماری "رسم اذان" کے اندر "روح بلالی" ضرور محسوس کریگی، وتلک الایام نداولھا بین الناس،

ہجرت نبوی سے عہد فاروقی تک کا عرصہ قومون کی تاریخ مین ایک چشمک سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، لیکن اسی لمحۂ بصر مین چشم فلک نے ایک ایسا محیر العقول انقلاب دیکھا کہ اس سے پیشتر دنیا کے کسی حصہ مین ایسا تغیر واقع نہ ہوا تھا، چند سال کے عرصہ مین ایک اونٹ چرانے والی بادیہ نشین قوم قیصر و کسریٰ کے تمدن کی مالک بنا دی گئی، اسوقت کی مہذب دنیا کا نقشہ سامنے لٹکا لیجیے، اور پھر دیکھیے کہ اسلامی افواج کے قدم کہان سے چلے اور کہان کہان تک پہنچے تھے، لیکن کیا یہ فتوحات ملک گیری کی ہوس رانی کے لئے تھین، تاریخ اس کا جواب نفی مین دیتی ہے، ان فتوحات کا اصل مقصد بقول مسز سروجنی نائڈو "حریت و آزادی کی اشاعت عمومی اور غلامی کا استیصال تھا، ......اسکا مقصد

ساری دنیا کی نجات تھا، اور مسلم داعی ہی مقصد لیکر ملکون ملکون مارے مارے پھرتے تھے، عربون نے صرف ملک کی زمینین ہی فتح نہین کین بلکہ دل و دماغ فتح کئے ہین، انھون نے قومون کے خیالات اور لٹریچر کو متاثر کیا ہے، اور یہ ہمیشہ بنی نوع انسان کی تعلیم و تربیت کی فکر مین رہے ہین" تو کیا اس سلطنت عظمیٰ کا حاکم و فرمان روا ایک مطلق العنان شاہنشاہ کی طرح اپنی خواہشون اور ارادون کے مطابق حکومت کر رہا تھا، یا اس کے ارادے کسی اور کی مشیت کے تابع تھے، اس کا جواب بھی جناب فاروق اعظمؓ کے اسوۂ مبارکہ سے لیجئے، یہ دنیا کا بہترین مقنن، شجاع ترین کمانڈر اور مدبرترین کارفرما جس کے اشارون پر دنیا کی قومون کی قسمتون کے فیصلے منحصر تھے، جب ایک عفیفہ نے بھرے مجمع مین اسے ٹوک دیا، اے عمرؓ تمھاری یہ رائے قرآن کے منشا کے مطابق نہین تو اس خلیفۃ المسلمین اور دنیا کی اصطلاح مین شاہنشاہ اعظم نے سر نیاز جھکا دیا، اور خوش ہو کر فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا کہ مدینہ کی عورتین بھی قرآن فہمی کا اتنا ملکہ رکھتی ہین، یہ کیون تھا؟ اس لئے کہ وہ باوصف این ہمہ غلبہ و استیلا، اپنے آپ کو مقبوضہ ممالک و رعایا کا مالک نہین سمجھتے تھے، بلکہ اس کا مالک وہ مالک الملک تھا اور یہ اس کے نائب کی حیثیت سے خدمت گذار تھے، چنانچہ جب مالک کا حکم سامنے کر دیا گیا تو اپنے ارادون اور آراء کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ رہی، اس حکم کے سامنے رعایا اور حاکم آقا اور غلام مالک و مملوک ہر ایک کی یکسان حیثیت تھی، بادشاہ اور رعایا کے لئے دو جدا گانہ قانون نہ تھے، بلکہ دونون ایک ہی قانون کے ماتحت اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے، چنانچہ جب امانتِ خلافت ان کے سپرد کیجاتی وہ سب کے سامنے اس امر کا اعلان کرتے کہ "مین اس وقت تک متبوع ہو سکتا ہون، جب تک میرے احکام فرمان خداوندی کے ماتحت ہون، اور اگر میرا ایک اشارہ بھی اس احکم الحاکمین کے حکم کے خلاف ہو تو نہ صرف یہ کہ میری اطاعت نہ کرو، بلکہ مجھے فوراً علٰحدہ کردو، چنانچہ بعض اوقات خلیفۃ المسلمین کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت مین پیش ہونا پڑتا، اور واقعات و شہادت کے مطابق اس کے خلاف بھی حکم صادر ہو جاتا،

یہ عہد تو پھر بھی عہد سعادت عہد السابقون الاولون کا تھا، اس کے بعد جب خلافت ریاست مین تبدیل ہو گئی ہر چند بادشاہ ایک خود مختار فرمان روا ہوتا تھا، لیکن امور سلطنت بہ تمام و کمال شریعت کے فیصلون کے ماتحت سرانجام

پاتے تھے، اور ارکین دربار میں فقہا (TURISTS) کی کرسیاں سب سے بلند و برتر مقام پر ہوتی تھیں،

درحقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی ضوابط و قوانین کی شکل میں انھیں ادوار میں مرتب و مدون ہوئی، عراق و عرب کے بعد جب اسلامی حکومتیں ترکستان و ہندوستان تک پہنچیں تو اگرچہ اسلامی تہذیب کے اصلی خط و خال بڑی حد تک عجمی نقابوں میں چھپ چکے تھے، پھر بھی حسن اصلی کا پرتو کبھی کبھی جلوہ فگن ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، اور پامال شدہ نقوش بھی اجڑے ہوئے بہشت کا نقشہ پیش کر دیتے تھے، محمود غزنوی کا نام کس نے نہیں سنا، اگرچہ مکائد تاریخ کی ستم ظریفین نے اس کا نقشہ کچھ ایسا خونی سا پیش کیا ہے کہ اس کے نام کے ساتھ ہی چنگیز خان و ہلاکو خان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے لیکن یہ واقعہ بھی ہمیں گبن کی روایت سے اسی کی سیرت میں مل رہا ہے، کہ ایک عام سپاہی نے اس سے جاکر فریاد کی کہ عمائد سلطنت میں سے کوئی ممتاز ہستی، رات کو اس کے گھر جاکر اسکی بیوی کی عصمت پر دست تطاول دراز کرتی ہے، تو محمود نے حکم دیا کہ جب وہ ظالم و فاجر اس کے گھر میں موجود ہو اس وقت اطلاع دیجائے، تیسری شب کو وہ مظلوم بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس وقت وہ شخص اس کے گھر میں موجود ہے، بادشاہ اس کے گھر چل کھڑا ہوا اور معلوم کیا کہ وہ شخص اس سپاہی کی بیوی کے بستر پر محو خواب ہے، محمود نے کہا کہ چراغ بجھا دیا جائے، اندھیرے میں جاکر تلوار کے ایک ہاتھ سے اس کا سر قلم کر کے رکھدیا، پھر حکم دیا کہ روشنی کیجائے، جب شمع جلائی گئی تو مقتول کی لاش کو دیکھ کر سربسجود ہوگیا، اور اس سپاہی سے پانی منگاکر پیا، جب بادشاہ جانے لگا، تو اس سپاہی نے عرض کیا کہ جہان پناہ! اگر جرات عرض معاف ہو تو ارشاد فرمایا جائے کہ روشنی بجھانے، سجدہ کرنے اور پانی پینے میں کیا راز تھا، محمود نے جوابدیا کہ میں نے سمجھ لیا تھا کہ میری سلطنت میں عین دارالخلافہ میں ایسی نازیبا حرکت کی جرأت میرے لڑکے کے سوا اور کسے ہو سکتی ہے، چراغ بجھا دیا کہ مبادا اس کی شکل دیکھکر محبت پدری عود کر آئے، اور انصاف نہ ہو سکے، بعد قتل جب روشنی منگائی تو دیکھا کہ وہ میرا لڑکا نہیں، بلکہ ایک اور سردار سلطنت تھا، خدا کا شکر کیا کہ محمود کا بیٹا اس قدر ناخلف نہ تھا، پانی پیا کہ میں نے اس دن سے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک اس مظلوم کی دادرسی نہ کر لوں گا، کچھ کھاؤں پیونگا نہیں آج تیسری رات کو روزہ توڑا ہے، یہ کیا تھا؟ یعنی وہی، کسی بلند و بالا ہستی کی فرمانبرداری کا جذبہ!

جہانگیر اور نور جہان کی داستانِ عشق و محبت سے کون ناواقف ہے، لیکن اسی نور جہان نے جب ایک راہگذر کو بندوق کا نشانہ بنادیا تو پابجولان مجرمون کے کٹہرے مین لاکر کھڑی کر دی گئی، قاضی عدالت نے بعد سماعت مقدمہ حسب حکم قرآنی، موت کا فتویٰ لکھ کر بادشاہ کے دستخطون کے لئے پیش کر دیا، سینے مین دل اور دل مین خون کی حرارت رکھنے والے ذرا جہانگیر کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر دیکھین، لیکن جہانگیر نے بغیر نظر اٹھائے فتویٰ موت پر بلاتامل دستخط کر دیئے، اس لئے کہ یہ اس کے خدا کا حکم تھا، اور نور جہان کی محبت اس کے اپنے دل کی خواہش، مقتول کے ورثہ نے زرِ قصاص لیکر نور جہان کو معاف کر دیا، لیکن جہانگیر نے ذاتی محبت کو انصاف پر غالب نہ آنے دیا، (تذکرہ والہ داغستانی)

یہ اُس جہانگیر کا ذکر ہے، جس کے نام کے ساتھ ہی آنکھون مین خمار آجاتا ہے، کیونکہ بتانے والون نے ہمین ایسا ہی بتایا ہے۔

شاہنشاہ مراد کو ایک معمار کی تعمیر پسند نہ آئی، جوشِ غضب مین معمار کے ہاتھ کٹوا دئے، معمار قاضی کے پاس جاکر دادخواہ ہوا، قاضی نے وارنٹ جاری کر دیا، اور شہنشاہ مجرم کی حیثیت سے حاضر عدالت ہوگیا، قاضی نے از روئے حکم قرآنی فیصلہ صادر کر دیا کہ

عبد مسلم کمتر از احرار نیست　　　خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

شاہنشاہ مراد نے آنکھین جھکادین، فرطِ ندامت سے پیشانی پر پسینہ آگیا، آستین سے ہاتھ نکالا، اور جلاد کے سامنے کر دیا، مدعی کو تاب خاموشی کہان تھی، اس نے فوراً عدل و احسان کے حکم قرآنی کے ماتحت عفوِ تقصیر سے کام لیا، اور بادشاہ کو معاف کر دیا، یہ اس لئے کہ

پیشِ قرآن بندہ و مولا یکے است　　　بوریا و مسندِ دیبا یکے است (رموز و اسرار)

کیا دنیا کی کوئی تہذیب اس کی مثال پیش کر سکتی ہے، جب سلاطین کی یہ حالت تھی، تو عامۃ المسلمین کے اتباعِ قرآن کا اندازہ خود بخود لگ سکتا ہے، اگر کسی سے رات کی تاریکی مین بھی سہو و خطا سے کوئی لغزش ہو جاتی

توجب تک کھلے بندون اس کا اعتراف کرکے تائب نہ ہوجاتا چین نہ پڑتا، اور یہ کسی گوشہ نشین زاہدون کے فرقہ کا ذکر نہین ہے، کیونکہ اسلام مین زاہد اور سپاہی دو مختلف نام نہین، بلکہ فی الواقعہ سپاہیون کا ذکر ہے، کہ جن کی زندگی آج مطلق العنانی مین ضرب المثل ہے، فتح بیت المقدس کے وقت جب مسلمانون کی فوجین شہر مین داخل ہوئین تو اہل شہر نے نہایت حسین وجمیل نوجوان لڑکیان دکانون پر بٹھا رکھی تھین، کہ فطرت انسانی کی لغزش کے لئے یہ مقام بڑا نازک ہوتا ہے، مسلمان شہر مین گئے اور نماز پڑھکر واپس آگئے، شام کے قریب بیت المقدس کے سرداران قوم اور مسلمانون کے نمایندون کا ایک عام اجلاس ہوا، جسمین صلحنامہ کی شرائط طے ہونی تھین، جلسہ مین ایک مسلمان سپاہی نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی سے پوچھا بھئی تمھارے شہر کے مکانات عام طور پر یک منزلہ ہین یا دو منزلہ، اس نے تعجب سے کہا کیون، کیا تم آج دوسرے مسلمانون کے ساتھ شہر مین نہین گئے، انھون نے جواب دیا کہ گیا تو تھا، لیکن چونکہ ہمارے خدا کا حکم ہے کہ "مسلمانو! جب چلو تو آنکھین نیچی کرکے چلو" (نور رکوع ۴) اس لئے بلا مطلب ہم اوپر نہین دیکھا کرتے، اس یہودی نے انھین تو جو جواب دینا تھا دیا، لیکن چپکے سے آگے بڑھ کے اپنے نمایندے سے کہا کہ جو شرائط بھی یہ پیش کررہے ہین، عافیت اسی مین ہے کہ چپکے سے مان جاؤ ان کے اصول ایسے نہین کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ کرسکے،

یہ کیا تھا، وہی اپنے ارادون کو کسی اعلیٰ ہستی کے قوانین کے ہاتھون بیچ دینا، یہی وجہ تھی کہ حمص فتح کرلینے کے بعد اہل قریہ سے جزیہ لیکر اون کی حفاظت کے لئے وہان چھاؤنی ڈال دی، لیکن جب کسی اور ضرورت کے لئے وہان سے چھاؤنی اٹھا دینی پڑی تو جزیہ کا باقیماندہ حصہ انھین واپس کردیا، اور جب فوج شہر کو خالی کررہی تھی تو عیسائی اہل شہر روتے ہوئے باہر آئے اور کہا کہ ہمین عیسائی سلطنت کے بجائے اپنی پناہ ہی مین رہنے دیجئے، اپنون سے تو یہ بیگانے اچھے،

موجودہ زمانہ کے سپاہیونکی ایک چھاؤنی کا نقشہ آپ اس سے پہلے بھی دیکھ آئے ہین، ذرا اس سے اس سپاہیانہ زندگی

وہاں کا طبی کالج یورپ کا مرجع و مآب بنا ہوا تھا، تعلیمی درسگاہوں میں تمام یورپ کے طلبا آتے تھے، اور تعلیم مفت تھی، بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی کی نظیر دنیا کی علمی تاریخ میں نہیں ملتی، اندلس کے تعلیمی مرکز یورپ کے گوہر درخشندہ تھے یہ کیوں، اس لئے کہ ان کے قرآن نے یہ فرما دیا تھا کہ،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۳۹:۱۳)

پوچھئے ان سے کہ کیا وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو بے علم ہیں کبھی برابر ہو سکتے ہیں،

لیکن ان کے عالم، یورپ کے آجکل کے علماء کی طرح نہ تھے، کہ جن کا قول ہے کہ "ہمیں نہ دیکھو، ہماری کتابوں کو دیکھو"، بلکہ یہی علمائے ملت تھے، جو مسلمانوں کی شریعت کے امام بنے، اسلامی حکماء و متکلمین میں معتزلین سب سے پیش پیش ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ ہو سکے گا، کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بھی کافر سمجھتے ہیں، لامارک اور ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا خیال سب سے پہلے فارابی اور ابن مسکویہ کو ہوا، لیکن یورپ کا ارتقاء صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے، لیکن اسلام کا قانونِ ارتقاء بتلاتا ہے کہ ارتقائے جسمانی انسانیت کے درجہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد ایک اور ارتقائے روحانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہی، اور جسم حیوانی کے لیے انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہی،

یورپ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز آج آزادی نسوان کہا جاتا ہی لیکن نظر تعمق سے دیکھنے والوں پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائیگی کہ عورت کی حیثیت ان کے نزدیک جذبات پرستی کے کھلونے سے زیادہ نہیں، اسلام نے جو حیثیت عورت کو عطا کی ہے اس سے زیادہ وقار اور عزت اسے کہیں اور حاصل نہیں، ایک خاتون بلحاظ عورت ہونے کے چار حیثیتوں کی مالک ہے، (۱) بیٹی، (۲)، زوجہ، (۳) ماں اور (۴) سوسائٹی کی بنیاد مسلمان لڑکی اپنے والدین کی شفقت یا اپنے عزیزوں کے رحم و کرم پر نہیں ہوتی، بلکہ اسلام نے بین الفاظ میں والدین کی جائداد میں سے اسکے لئے حصہ مقرر کر دیا ہے، لڑکی کو یہ مفاد کہیں اور حاصل نہیں، حتی کہ آزادی نسوان کے اجارہ دار یورپ میں بھی نہیں لڑکی جب تک سن رشد کو نہ پہنچے اپنی ماں کے آغوش میں تربیت حاصل کرتی ہے، سن بلوغ سے قبل اگرچہ ولی

اس کا نکاح کر سکتا ہے لیکن سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد لڑکی کے اختیار مین ہے، کہ اس نکاح کو فسخ کر دے۔

(۲) بالغ ہونے پر نکاح کے مسئلہ مین اسلامی عورت بالکل آزاد ہے، وہ رشتہ ازدواج مین منسلک ہوکر بھی اپنی ذاتی وجاہت اور حیثیت نہین کھو دیتی بلکہ وہ ان تمام حقوق سے متمتع ہونے کی مجاز ہے جو قانون اسلام نے اسکی پیدائش ہی سے اس کے لئے مقرر کر دیئے ہین، اور اپنے مال ومتاع کی وہ خود مالکہ ہے، خاوند کے مر جانے پر وہ اسکی جائداد کی حصہ دار اور اسکی اولاد کی تربیت کی ذمہ دار ہے، ازدواجی حالت مین بھی وہ محض مرد کے تعیش کا آلہ نہین بلکہ گھر کی مالکہ اور اس کی دست راست ہونے کی حیثیت رکھتی ہی، کیونکہ خاوند اور بیوی کے اوپر ایک ہی قانون نافذ ہے، جس نے کہہ دیا کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَانتم لباس لهن، وہ تمھاری عزت وناموس کی پردہ دار اور تم اس کے حقوق وفرائض کے کفیل ہو، یورپ آج بھی اس نقشہ کا خواب نہین دیکھ سکتا، وہان عورت، نکاح ہو جانے کے بعد اپنا نام تک بھی باقی نہین رہ سکتی، وہ خاوند کی ہستی مین مدغم ہو کے رہجاتی ہے، مسلم خاتون مرد سے طلاق حاصل کرنے کی اسی طرح سے مجاز ہے، جس طرح مرد اس "ابغض الحلال" (حدیث) اجازت سے، حدود وشرائط کی پابندی کے ساتھ مستفید ہو سکتا ہی،

(۳) مان ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان خاتون کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہی، حضور نے فرمایا کہ جنت مان کے قدمون کے نیچے ہے، قرآن نے بیٹے پر فرض عائد کر دیا کہ وہ مان باپ سے الفت ومحبت اور احسان واکرام سے پیش آئے، سب سے بڑھکر یہ کہ متوفی بیٹے کی جائداد مین مان کے لئے حصہ مقرر ہے، اور یہ خصوصیت دنیا کے قوانین مین سے صرف اسلامی قانون ہی کو حاصل ہے،

(۴) اجتماع ومعاشرت کے لحاظ سے بھی مسلم خاتون کو ایک امتیازی فوقیت حاصل ہے، یہ تفصیل کا موقع نہین، ورنہ تاریخ اسکی شاہد ہے، کہ مسلم خواتین کی کس قدر عزت وتوقیر مسلمان مردون کی نگاہ مین ہوتی تھی اور سب چھوڑیئے، عورت کے لئے جو حرم کا لفظ اسلامی تہذیب مین مروج ہے، وہی اس جذبہ تقدیس وتکریم پر شاہد ہے، جو فطرت کے اس مقدس ونازک ترین آبگینے کے لئے ہر مسلم کے دل مین موجود ہونا چاہئے،

نیز اسلام نے ہر چیز کے لئے حدود مقرر کرکھی ہین، وہ عورت کو عورت ہی دیکھنا چاہتا ہی اور مرد کو مرد، وہ یورپ کے اس عملی نظریئے سے یذبحون ابناء ھُم ویستحیون نساءھم (بقرہ) کو فرعونیت قرار دیتا ہی اور اسے فطرت کے خلاف جنگ کے مترادف سمجھتا ہے، اس نے دورِ جہالت کی نمائش زینت کو (جو بعینہ آج دورِ تہذیب کی نمائش زینت ہے) حرام قرار دیدیا، کیونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس سے مرد کے حیوانی جذبات مین اشتعال پیدا ہو جائیگا، اور ایک طرف جہان وہ جائز و ناجائز کی تمیز بھول جائیگا، دوسری طرف عورت کی تخلیق کا مقصد اس کے نزدیک جذبات پرستی کے سوا اور کچھ نہ رہ جائیگا، یہی نمائش حسن و لوازم حسن کا وہ جذبہ ہے کہ جس کی خرابیون کو آج مغرب کے ماہر جنسیات بھی محسوس کر رہے ہین، چنانچہ ایک مشہور انگیز عالم نفسیات نے لکھا ہے:-

"شہوت نفسانی کو برانگیختہ کرنے والے سب سے زیادہ ہمارے لباس ہین، رابرٹ برٹن، و ڈاکٹر ہیولاک ایلس کہتے ہین کہ اگر لباس کی اہمیت اور تراش خراش دنیا سے اٹھ جائے، اور عورتین سادہ لباس پہننے لگین، تو اشتعال و اغوا کا وجود بھی دنیا سے ناپید ہو جائے"

روشن خیال حضرات کو جب قرآن حکیم کی یہ آیات سنائی جائین،

وقُل لِلمؤمنٰت یغضُضن من ابصارهنّ	مسلمان عورتون سے کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہین نیچی رکھا کرین
ویحفظن فروجهنّ ولا یبدین	اور اپنی عصمت کی حفاظت کیا کرین، وہ اپنی زینت کے مواقع
زینتهنّ الا ما ظهر منها ولیضربن بخمرهنّ	کو ظاہر نہ کرین، مگر وہ حصہ جو ضرورۃً کھلا رہتا ہی اور اپنے دوپٹے
علی جیوبهنّ ولا یبدین زینتهنّ	اپنے سینون پر ڈالے رکھا کرین، اور اپنی زینت کے مذکورہ مواقع
. ولا یضربن بارجلهنّ لیعلم	کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دین، .... اور اپنے پاؤن
ما یخفین من زینتهنّ (نور ع ۴)	زور سے نہ مارین کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے،

تو وہ اسے تنگ خیالی، کوتاہ نظری، قدامت پسندی، دورِ جہالت و استبداد کی یادگار (خاکم بدہن) پتہ نہین کن کن نامون سے موسوم کرتے ہین، لیکن وہ ذرا دیکھین تو سہی کہ ان کے جدت پسند، آزاد خیال، اور تہذیب و تمدن

علمائے محققین اس بارہ مین کیا کہہ رہے ہین لیکن مشکل تو یہ ہے کہ

ہم جو چپ بیٹھین سٹری کہلائین یا ر چپ بیٹھے تغافل ٹھہرے

اور حق تو یون ہے،

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر، ورنہ یون دوش پہ کاکل ٹھہرے

انسانی طبائع پر سوسائٹی اور مذہب کے احکام کا کیا اثر پڑتا ہے اس کا صاف صاف اندازہ اس سے لگ جائیگا کہ امریکہ آج پندرہ بیس برس سے ترک خمر پر لوگون کو مجبور کر رہا ہے، قوانین بنائے گئے، سزائین دی گئین جس جہاز پر ذرا سا بھی شبہہ ہوا کہ کوئی خم مے لئے آرہا ہے، اپنی بندرگاہ کے قریب نہین آنے دیا، باایمہ شراب نہین چھوٹتی، اور نہین چھوٹ سکی، چنانچہ روٹیرین کلب کلکتہ کے جلسہ مین ڈاکٹر ایچ، ای، واٹسن نے کھلے بندون اس کا اعتراف کر لیا کہ

"قانون امتناع بالکل بے کار ثابت ہوا ہے، اور کوئی حکومت اب تک قانون کے زور سے ترک شراب نوشی پر کسی کو مجبور نہین کر سکی" (سٹیٹسمن یکم جون ۳۳ء)

لیکن ڈاکٹر موصوف کی نگاہ صرف انسانون کے بنائے ہوئے قوانین ہی تک پہنچ سکی ہے، اگر وہ اپنی نگہ تحقیق کو ذرا اور وسعت دیتے، اور آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر تاجدار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک حکم کو بھی دیکھ لیتے، تو انھین نظر آجاتا کہ رات کو تحریم شراب کا حکم نازل ہوا، اور صبح کو مدینے کی گلیون مین شراب کی ندیان بہ رہی تھین، اور وہ کافر جو ایک دفعہ منہ سے لگ کر چھٹا نہین کرتی، اس طرح سے نابود ہوگئی کہ پھر کسی نے اس کی شکل بھی نہ دیکھی، وہ لوگ جو آج تک اسے صحت کے لئے مفید سمجھ رہے تھے، انھون نے بھی اعتراف کر لیا کہ،

"اب تو ڈاکٹر بھی طبی اغراض کے لئے الکحل کا استعمال بہت ہی شاذ و نادر ہی کرتے ہین، اور گرم ملکون مین تو اس کا استعمال ہے ہی مضر" (اسٹیٹسمین یکم جون، تقریر ڈاکٹر لوکین)

اسمین شبہہ نہین کہ اسلامی تہذیب کے جن درخشندہ عہود و ادوار کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، ان مین اس زمین پر فرشتے نہین بسا کرتے تھے، بلکہ انسان ہی بستے تھے، اور ان مین بھی خطا کار و گنہ گار انسان ہوا کرتے تھے،

لیکن فرق یہ تھا کہ وہ گناہ کو گناہ ہی سمجھتے تھے اور اس کے ارتکاب سے منفعل ہوتے تھے، اور آج یورپ کیطرح برائیون کو اکتسابی جوہر کا سارٹیفکٹ نہین مل جاتا تھا، کہ جو مرتکب کے لئے باعث ہزار عزت و افتخار ہو، یورپ تو گناہ کو گناہ ہی نہین سمجھ رہا، اور یہ جو آج ان کے چند مفکرین کو ان برائیون کا احساس ہوا ہے تو محض اسلئے کہ ان سے ان کا اقتصادی[1] نظام متزلزل ہوگیا ہے، اور وہ اگر ان ذمائم خبیثہ کی اصلاح کے لئے کبھی پلک اٹھا کر دیکھتے ہین تو محض اقتصادی مشکلات کو رفع کرنے کی غرض سے نہ کہ اسلئے کہ ان کے اخلاقی دساتیر مین ان خبائث کی برائی لکھی ہے، یورپ اور شیدائیان تہذیب یورپ کو متنبہ رہنا چاہئے، کہ وہ ان مشکلات سے کبھی نہین نکل سکتے جب تک وہ انسانی قوانین کے بجائے، انسانون کے بجائے انسانون کے خدا کے قوانین کو مشعل ہدایت نہ بنا ئین گے، ان کے لئے سعادت و نجات کی ایک راہ اور صرف ایک راہ ہے، کہ وہ اپنا ایک سیدھا دستور العمل حیات ٹھہرائین، ایک رہنما کی ضرورت کو محسوس کرین، اور ایک منتہائے مقصود قرار دین،

وہ راہ قرآن کی راہ، وہ رہنما نبی اکرمؐ، اور وہ منزل مقصود، ابتغاء مرضات اللہ ہے،

---

[1] یورپ (بلکہ تمام دنیا) کی اقتصادی تباہی کا سب سے بڑا سبب منجملہ دیگر اسباب، انکی سود خوری ہے، جنگ عظیم مین مختلف سلطنتون نے اس قدر قرضہ اٹھایا کہ اس کا سود ادا کرنا بھی مشکل ہوا ہے، اسٹیٹسمین مورخہ ۴ ارفروری ۳۸ء مین پروفیسر مارس رابکر وتھول نے اس قرضہ کے کچھ اعداد وشمار جمع کئے تھے جنکے روسے دول متحدہ نے حسب ذیل رقوم امریکہ کو قرض دی تھین،

	رقوم معہ سود	
برطانیہ۔	۹۴۵۰۰۰،۰۰۰ پونڈ	انکے علاوہ چھوٹی چھوٹی سلطنتون کا قرضہ ملاکر امریکہ نے کل ۲،۱۳۱،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ قرضہ وصول کیا تھا جو باسٹھ سال کے عرصہ مین معہ سود ۴،۵۵۳،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ ہوجاتا ہے،
فرانس۔	۸۲۷۰۰۰،۰۰۰ ″	
اٹلی،	۴۲۵۰۰۰،۰۰۰ ″	

نتیجہ جس کا ظاہر ہے جنگ ختم ہوے مدت گذر گئی لیکن مختلف ممالک کی اقتصادی حالت اس سے بدتر ہے، جب کہ جنگ ہو رہی تھی اور سلطنتین روپیہ قرض لیکر دھوان بنابنا کر اڑا رہی تھین، دنیا کو اس عذاب الیم سے چھڑانے کے لئے یورپین مدبر طرح طرح کی تجاویز سوچ رہے ہین لیکن سودخواری کی حرص کسی تدبیر کو پنپنے نہین دیتی، اسلام نے اس مہلک اخلاقی و تمدنی جنگ کا خاتمہ ایک حکم سے کردیا کہ احل اللہ البیع وحرم الربوٰا، اللہ تعالیٰ نے سود تم پر حرام کردیا اور بیع و تجارت حلال رکھی،، دنیا کی نجات اسی نسخہ کے اندر ہے، جو طبیب حقیقی نے تجویز فرمادیا ہے، وفیہ شفاء للناس ورحمۃ،

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ، (بقرہ)	یہی لوگ اللہ کے سیدھے راستہ پر ہیں، اور یہی لوگ (انجام کار) کامیاب ہونے والے ہیں،
وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ، (عنکبوت - ۷)	اور جو لوگ ہماری (راہ کی تلاش میں) کوشش کریں گے ہم انھیں اپنا راستہ دکھائیں گے،
وَلَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ، (نجم ۳)	اور انسان کے لئے تو وہی ہے، جس کی وہ کوشش کرے اور اپنی کوششوں کو وہ جلدی (بار آور ہوتے) دیکھ لیگا
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا - وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ،	فلاح و بہبودی صرف پاکیزگی میں ہے، اور نکبت و برائی خباثت میں،

دسویں صدی ہجری کا ایک بلند پایہ ایرانی شاعر

کمالُ الدّینْ وحشیؔ

از جناب سید ابو سعید صاحب بزمی بھوپالی بی اے آنرز علیگ

دسوین صدی ہجری کا زمانہ فارسی شاعری کے لئے بہت پرسکون اور حیات بخش دور تصور کیا جاتا ہے،[1] اس لیے کہ ادھر تو ہندوستان مین خاندان مغلیہ کی دریادلیون سے شاعری کے کلاہ افتخار مین نت نئے طرّے لگائے جاتے تھے، اور ادھر ایران مین خاندان آصفیہ کے جود وسخا سے شعرا کے قلوب مین ایک نئی حرارت پیدا ہو رہی تھی، پھر ان دونون حکومتون کی چشمک کی وجہ سے ایرانی اور ہندوستانی دربار کے شاعرون مین باہمی مسابقت کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا، اس نے فطرۃً فارسی شاعری کی آب وتاب مین اور چار چاند لگا دیئے، لیکن تعجب ہے کہ اس دور کے شاعرون مین عرفی اور نظیری کے دو تین نامون کے سوا اور قریب قریب تمام دیگر شعرا سے ہم ناآشنا ہوتے جاتے ہین، حالانکہ اس دور مین ہم کو بہت سے ایسے نام جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہین جو کسی طرح اپنی خصوصیات مین عرفی یا نظیری سے کم نہین،

نظیری کی غزلیات اس وقت بہت بلند سمجھی جاتی ہین، لیکن اگر غزل کی لطافت وعذوبت، سلاست الفاظ اور بندش کی چستی کے اعتبار سے اس دور کے شعرا کے دیوانون کو پرکھا جائے، اور اگر بقول ملٹن "شاعری نام ہے سادگی، اصلیت اور جوش کا" تو یزد کا ایک عزلت پسند شاعر کمال الدین **وحشی**، ہماری بڑی توجہ کا مستحق ہے، لیکن افسوس ہے کہ اسکا بہت سا کلام یا تو ضائع ہوگیا اور یا اس وقت تک کسی ناقدر شناس ہاتھون مین پڑا ہوا اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

[1] تاریخ ادبیات ایران از پروفیسر براؤن،

تقی الدین اوحدی مصنف "تذکرۂ عرفات" وحشی کے معاصرین مین سے تھا، اس نے وحشی کے حالات کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے،

"در کلیاتش نہ ہزار بیت جمع کردہ ام"

لیکن دیوانِ وحشی کے نام سے جو نسخہ ایران مین رجب ۱۳۴۷ھ مین حمید الملک مرزا اسمعیل ایرانی کے مختصر سے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے اس مین مشکل سے پانچ ہزار اشعار ملتے ہین،

افسوس ہے کہ وحشی کے سوانحِ حیات تحریر کرنے مین بھی تذکرہ نویسون نے کافی بے اعتنائی سے کام لیا ہے خانِ آرزو، مجمع النفائس[1] مین وحشی کے حالاتِ زندگی پر ایک تشنہ سا نوٹ دے کر لکھتے ہین کہ "چونکہ دیگر تذکرون مین اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے مین یہان اس کے بعض منتخب اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہون" لیکن ہمیں سمجھ مین نہین آتا کہ خانِ آرزو نے کس چیز کو تفصیل سمجھ لیا جبکہ کسی تذکرہ نے نہ تو شاعر کا سنہ ولادت دیا ہے، نہ اس کے باپ کا نام اور نہ اس کے خاندان کے تفصیلی حالات،

حقیقۃً شعرا کے تذکرے بہت ہین لیکن وہ درحقیقت بیاضِ اشعار ہین جنین شعرا کے عمدہ اشعار انتخاب کرکے لکھدیئے ہین، شعرا کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہین[2]،

بہرحال مختلف تذکرون سے اس کی زندگی کے جو کچھ حالات فراہم ہوسکے وہ یہ ہین:-

کمال الدین نام، دراصل بافق کا رہنے والا ہے جو یزد کے مضافات مین ایک قصبہ ہے لیکن چونکہ اوائل عمر سے یہ اپنے بھائی کے ساتھ جو مرادی تخلص کرتا تھا، یزد مین آکر مولنا شرف الدین علی یزدی کا جو شہر کے مشہور شعراء مین شمار ہوتے تھے، شاگرد ہوگیا تھا اس لئے وہ وحشی بافقی کے بجائے بالعموم وحشی یزدی کے نام سے مشہور ہوگیا[3]،

اگرچہ کسی تذکرہ نے اس کا سنہ پیدائش نہین دیا ہے لیکن بعض باتون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت

---

[1] مجمع النفائس از خان آرزو، در ذکر احوال وحشی، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مین ہے، جس سے خاکسار نے استفادہ کیا ہے، [2] دیباچۂ شعر العجم حصہ اوّل، [3] ماخوذ از تذکرۂ عرفات؛ آتشکدہ، مجمع النفائس، مقدمۂ دیوان وحشی مرتبہ حمید الملک مرزا اسمعیل ایرانی (مطبوعہ رجب ۱۳۴۷ھ)

اس کی عمر ۶۰ سال سے کچھ زیادہ تھی، اور چونکہ اس کا سنہ وفات تحقیقی طور پر ۹۹۱ھ ہے[1]، اس لئے اس کا زمانۂ ولادت تخمینی طور پر دسوین صدی کے ربع دوم کے اوائل مین ہونا چاہئے، اسی بنا پر صاحب مقدمہ لکھتے ہین :-

"ظہور وحشی در قرن دہم بودہ . . . . در اوائل ربع دوم کہ مصادف با واخر سلطنت شاہ اسمٰعیل است[2]"

یزد مین اس کی گذر اوقات اس زمانہ کے دیگر شعرا کی طرح قصیدہ گوئی اور امرا کی مداحی پر تھی، چنانچہ گو اس کے قصائد کئی ایک ممدوحین کی شان مین ملتے ہین، لیکن اس کا تعلق تعلق غیاث الدین میر میران یزدی (جو شاہ اسمٰعیل کا نواسہ تھا) کے خاندان سے تھا[3]۔

عرفات اور ہفت اقلیم کی بعض تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ یزد مین وحشی کی زندگی بہت کچھ تنہا بسر ہوتی تھی، لوگون سے بہت کم ملتا تھا کہین آنے جانے کا عادی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ایران کے شاہی دربار سے اس کا تعلق نہ ہو سکا، غالبًا اسکی گمنامی اور عدم شہرت کی ایک بڑی وجہ اسکی یہ خلوت گزینی بھی ہے،

صاحب مقدمہ کا خیال ہے کہ غالبًا وہ اپنی اسی عزلت گزینی کی وجہ سے ہندوستان نہ جا سکا، حالانکہ اس زمانہ مین مغلیہ کی فیاضیون اور گرم گستریون نے ہندوستان کو ایرانی شعرا کی حوصلہ مندیون اور بلند پروازیون کا آماجگاہ بنا رکھا تھا،

غالبًا وحشی باوجود قصیدہ گوئی کرنے کے طبعًا طامع اور دنیا طلب نہ ہوگا، اسی لئے اس کی زندگی زیادہ تر فارغ البالی سے بسر نہ ہو سکی، اس کے ایک قطعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے اعتبار سے بھی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، شاید اس کے والدین کا بچپن ہی مین انتقال ہوگیا، اور دیگر اعزہ نے شقاوت قلبی اور بے احساسی سے کام لے کر اس کے معاملات مین بے دردانہ بے اعتنائی سے کام لیا، جسکی وجہ سے اس کو اپنے عزیز وطن کے دردلیا چھوڑنے کے بعد پھر کبھی وہان جانے کا خیال پیدا نہین ہوا، اس دوران مین وہ صرف ایک مرتبہ کاشان گیا

[1] عرفات [2] مقدمۂ دیوان وحشی صفحہ [3] مقدمہ دیوان وحشی صفحہ ۵، تذکرۂ عرفات و ہفت اقلیم،

لیکن اپنے اعزہ اور احباب کی تکلیف دہ بے توجہی سے مجروح ہو کر سات مہینہ کے بعد ہی یزد واپس آگیا، اور پھر کبھی واپس بافق نہ گیا، اس واقعہ کو اس نے ایک قطعہ مین اس طرح ظاہر کیا ہے،

درآن دہ مجاور شدم ہفت ماہ ۔۔۔ نپرسید حالم چہ دشمن چہ دوست

مین اس گاؤن مین سات مہینہ تک ٹھہرا رہا ۔۔۔ لیکن دوست دشمن کسی نے میری بات بھی نہ پوچھی.

جواب سلامم ندادند نیز ۔۔۔ از انروکہ اطلاق دادن بروست

میرے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے ۔۔۔ اسلئے کہ آخر اُسپر بھی تو "دینے" کا اطلاق ہوتا ہے[1]

اگرچہ مختلف تذکرون کے دیکھنے سے اس کے سفر کرنے کا کوئی حال معلوم نہین ہوتا، لیکن اس کے بعض اشعار سے صاحبِ مقدمہ یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ شاید عراق و کاشان گیا ہو،

وحشی اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے بہت بدرو تھا، چنانچہ اپنے گنجے پن کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے:-

نشستم دوش در گنجے کہ سازم ۔۔۔ سرِ کل را بزیر فوطہ پنہان

در آنساعت حکیمے در گذر بود ۔۔۔ مرا چون دید زینسان گشت خندان

پریشان حال بودم من در آن وقت ۔۔۔ زفعلِ او شدم از سر پریشان

بمن گفتا کہ دارو ئے مرا ہست ۔۔۔ کزان دارو سرِ کل راست درمان

شنیدم از جگر آہے و گفتم ۔۔۔ مگر نشنیدہ حرفِ بزرگان

زمینِ شورہ سنبل برنیارد ۔۔۔ درو تخمِ عمل ضائع مگردان

وحشی کی وفات کے متعلق اختلاف ہے، لیکن اس مسئلہ مین ہمارے لئے سب سے زیادہ مستند قول

[1] یعنی وہ لوگ اتنے بخیل اور زر پرست تھے کہ "دینے" کے نام سے بھی وہ گریز کرتے تھے، یہانتک کہ سلام کے جواب کو بھی چونکہ "دینے" سے تعبیر کرتے ہین، اسلئے وہ سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کرتے تھے، فن بلاغت کی اصطلاح مین اس طرز ادا کو حسن تعلیل کہتے ہین،

اس کے معاصر اوحدی اصفہانی ہی کا ہو سکتا ہے، وہ کہتا ہے،

"عرق تندی نوشید و خلعت نشاہ و بقا پوشیدہ، تاریخ فوت او من گفتہ ام:

چو سرمستانہ وحشی بادہ نوشید از خم وحدت روان شد روح پاک او بمستی سوے علیین

من از پیر مغان تاریخ فوتش طلب کردم بگفتا ہست تاریخش "وفات وحشی مسکین"[1]

اوحدی کے قول کے بموجب وحشی کو یزد کے نواح میں کسی مقام پر دفن کیا گیا تھا، لیکن صاحب مقدمہ کہتا ہے،

"امروز مکان آن نامعلوم است، تنہا چیزیکہ از مرقد وحشی باقی ماندہ است سنگ مرمریست کہ غزلے بر روئے آن حجاری شدہ کہ از افکار خود وحشی است:-

کردیم نامزد تبو بود و نبود خویش گشتیم ہیچ کارہ بملک وجود خویش

سنگ مزبور را درین سنوات یکے از احکام نجیب دار الحکومہ یزد نقل کردہ و بقبۂ برائے وے بنا نمودہ"[2]

وحشی کا کلام | قصائد، غزلیات اور رباعیات وغیرہ کا ایک مجموعہ، مثنوی خلد برین، مثنوی شیریں فرہاد اور مثنوی ناظر و منظور۔

وحشی کی شاعری | وحشی کی شاعری کے متعلق اکثر تذکرہ نویس متفق ہیں کہ بہت بلند ہے، مجمع النفائس میں ہے،

"چنانکہ حکایت شیرین خسروئے او بسیار شور انگیز است، چنانچہ ہرگاہ خواندہ ام بے اختیار گریہ کردم، در شعر طرز خاصے دارد کہ پیروی او بسیار مشکل است، گویا شعر او سہل الممتنع است"[3]

تقی الدین اوحدی کہتا ہے:-

"کہ خدائے اقلیم سخنوری، اوستاد کارخانہ معنی پروری، شیر بیشۂ سخن. . . ."[4]

ایک اور جگہ لکھتا ہے:-

"مثنوی فرہاد و شیرینش عالمگیر شدہ"[5]

آذر ریب بند ایک بلند پایہ نقاد ہے جس نے وحشی کے معاصرین کی شاعری کے بری طرح پرزے بکھیرے ہیں،

[1] تذکرہ عرفات در ذکر احوال وحشی [2] مقدمہ دیوان وحشی [3] مجمع النفائس خان آرزو در ذکر احوال وحشی [4] عرفات [5] عرفات

دوحشی کے متعلق لکھا ہے:-

"سخنانش حلاوتے تمام و ملاحتے مالاکلام دارد، از مراتب عشق و عاشقی آگاہ و غزلیات رنگینش باین معنی گواہ است"

صاحبِ مقدمہ کی رائے ہے:-

"وے مہارت طبع شاعرانۂ وحشی در ادائے غزل و مثنوی است، قصائدش در مقابلۂ قصائد متقدمین جلوۂ ندارد"

صاحب آتشکدہ نے اس کے اشعار کا انتخاب دینے سے پہلے "بد نگفت" کا جملہ لکھا ہے، لیکن اس کی غزلیات کے متعلق علی قلی خان والہ ریاض الشعراء میں لکھتے ہیں:-

"وحشی در غزلسرائی پیروی بابا فغانی میکردہ، النشاء اینگونہ غزل در ادبیات فارسی تازگی نداشتہ"

تعجب ہے کہ علی قلی خان، وحشی کی غزلیات کو خشک اور پھیکا صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے بابا فغانی کا تتبع کیا ہے، درانحالیکہ "تمام اہلِ فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری میں انقلاب پیدا ہو کر جو نیا دور قائم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالوں کا دور کہلاتا ہے اسکا بانی فغانی ہے"[1]

والہ داغستانی لکھتے ہیں:-

"بابائے فغفور مجتہد فن تازہ ایست کہ پیش از وے احدے بآن روش شعر نگفتہ و پایۂ سخنوری را بجائے رسانیدہ کہ عنقائے اندیشہ پیرامون اولمی تواند پرید، اکثر استادان زمان مولنا وحشی و مولنا نظیری نیشاپوری و مولنا ضمیری اصفہانی و خواجہ حسین ثنائی و مولنا عرفی شیرازی و حکیم شفائی اصفہانی و حکیم مسیحا رکنا کاشی و مولنا محتشم وغیرہم متبع و مقلد و شاگرد و خوشہ چین خرمن طرز روش اوئند"

اگر بابا فغانی کے تتبع نے وحشی کی غزلیات کو پھیکا اور بے رنگ بنا دیا ہے تو پھر عرفی اور نظیری وغیرہ کی غزل گوئی کا آفتاب بھی مکسوف رہنا چاہئے تھا، حالانکہ خود والہ داغستانی انکی غزلگوئی کے کافی مدحت سرا ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وحشی کی عزلت گزینی، گمنام زندگی اور عسرت نے اس کی شاعری کو بھی فطرۃً سوسائٹی

[1] شعر العجم حصہ سوم،

کی نظرون مین پست کر دیا ہے۔ اس لئے کہ دربار کے ایک صاحب ثروت وجاہ شاعر کے مقابلہ مین ایک دور از مفلوک الحال شاعر کے کلام کا گہرا مطالعہ کرکے اس کی خوبیون پر غور کرنے کا وقت بمشکل نکالا جاسکتا ہے، چنانچہ یہ اسی ذہنیت کا عکس ہے جو ہم کو والہ داغستانی کے مندرجۂ بالا جملون مین یا صاحب آتشکدہ کے تلخ جملہ "بدنگفتہ" مین نظر آتا ہے

وحشی کے کلام کی خصوصیات

اگر وحشی کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس مین ہم کو مندرجۂ ذیل خصوصیتین نمایان طور پر نظر آتی ہین

۱- کسی ایک خیال کو تسلسل کیساتھ پوری غزل مین ظاہر کرتا ہے، اور اس لئے اسکی بعض غزلین ہماری غزل کی مروجہ تعریف سے خارج ہوکر نظم کی ذیل مین آجاتی ہین،

چنانچہ ایک غزل مین محبوب کے گذرنے مسکرانے اور لگاوٹ کیساتھ کھینچنے کو اس طرح بیان کیا ہے:-

رسید وآن خم ابرو بلند کرد و گذشت　　تواضعی کہ بابرو کنند کرد و گذشت
نوازشم بجواب سلام اگرچہ نداد　　تبسمی ز لب نوشخند کرد و گذشت
بجذبۂ نگہم کز پیم کشان میبرد　　چہ صیدہا کہ اسیر کمند کرد و گذشت
کرشمہ کہ جنون آورد بعقل آن　　بلای دانش صد ہوشمند کرد و گذشت

محبوب سفر مین چلا گیا ہے اسکی یاد مین کہتا ہے،

یارب مہ مسافر ما ہمزبان کیست　　یا رکہ شد رفیق و کنون ہمعنان کیست
تا ہمچو ماہ نیمہ بسر منزل کہ برد　　و ز مہر باکہ دم زند و ہمزبان کیست
امشب کہ چرخ ساخت بدستان جدا ز من　　تا باکہ دوست گشتہ و ہمداستان کیست
آیا مہ کز و نرسید فغانم بگوش چرخ　　یارب نہادہ گوش بسرای فغان کیست
آنی ہمین نہ جان تو فرسودہ شد ز غم　　آن کو غم فراق نفرسود جان کیست

محبوب سفر مین جا رہا ہے، اس کو مختلف حیلون سے روکتا ہے:-

وداع جان و تنم استماع رفتن تست　　مرو کہ گر بروی خون من بگردن تست

زمانہ دامنت از دستِ ما برون نکند خدائے را ز روی دست ما و دامنِ تست

بکشورے کہ درو دوستی نشان ندہند مرو مرو کہ نہ جائے تو، جائے دشمنِ تست

نشین و بال بیفشان کہ ہر کجا بروی چو نیک درنگری در ہوائے گلشنِ تست

ایک جگہ وصالِ محبوب سے مست ہو کر کہتا ہے:-

المنۃ للہ کہ شبِ ہجر بسر آمد خورشیدِ وصال از افقِ بخت برآمد

صد شکر کہ زنجیریِ زندانِ جدائی از حبسِ فراقِ تو سلامت بدر آمد

شد نوبتِ دیدار و زدم طبلِ بشارت یعنی کہ دعائے سحری کارگر آمد

جان بود ز ہجرِ تو مہیائے نہ زیست این بود کہ ناگاہ ز وصلت خبر آمد

بیخود شدہ بود از شغفِ وصلِ تو وحشی زود ار گزران گر بدرت دیر تر آمد

ایک غزل میں محبوب کی عمر رسیدگی اور اس کے باغِ حسن کی پژمردگی کو یون بیان کرتا ہے،

انجامِ حسنِ او شد پایانِ عشقِ من ہم رفت آن نوائے بلبل بے برگ شد چمن ہم

کرد آن چنان جمالے در کنجِ خانہ ضائع بر عشقِ من ستم کرد بر حسنِ خویشتن ہم

بدمستی و غرورش ہنگامہ گرم نگذاشت افسردہ کرد صحبت برہم زد انجمن ہم

آن بت کہ بود، افتاد از طاقِ کعبۂ دل وز کفر شد پشیمان آن کافرِ کہن ہم

یہ خیال انگریزی شعرا میں بہت عام ہے[1]، اور حقیقۃً یہ محبت کرنے والے دل کی سچی تڑپ ہوتی ہے جو محبوب کی کج ادائیون کے بعد اس کے زوالِ حسن کو دیکھکر اس طرح ظاہر ہوتی ہے،

دیکھئے ان غزلون میں جذبات کی کتنی زندہ تصویرین ہین جو ہم کو شاعر کے احساسات کے ساتھ ساتھ فضا میں اور رلاتی ہین، حقیقۃً شاعری نام ہے جذبات کے اٹھتے ہوئے سیلاب کا جس کو شاعر بے اختیارانہ الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے۔

[1] تاریخ ادبیاتِ انگریزی از کامپٹن رکٹ،

اور یہ بات غزل کے دو مختصر سے مصرعون مین اکثر ناممکن ہوتی ہے،

۲- تکلف اور دقت پسندی مطلق نہین ہے، سیدھے سادھے الفاظ، سیدھے سادے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے، چند مثالین ملاحظہ ہون،

این چشم چہ بود آہ کہ ناگاہ کشودی　　　　دین فتنہ دگر چیست کہ از خوابِ گران جست

بدیگرے نگذاریم و مردہ ایم مگر　　　　نشانِ تیرِ تغافل شدن کہ خدمت ماست

ہزار بندہ چو وحشی خرید و کرد آزاد　　　　کند مضائقہ دریک نگہ کہ قیمتِ ماست

مریضِ طفل مزاجند عاشقان ورنہ　　　　علاجِ رنجِ تغافل دو روزہ پرہیز است

ساعدِ او مباد رنجہ شود　　　　داغ بر دستِ نازنین دارد

دیکھئے اس شعر مین کس قدر ندرتِ تخیل سے کام لیا گیا ہے، محبوب نے کسی کو قتل کیا ہے جس کے خون کا چھینٹا اس کی کلائی پر پڑا ہوا ہے، عاشق کو یہ فکر ہے کہ کہین خون کے اس قطرے سے محبوب کی کلائی بدنما ہو جائے،

گر سجدہ کند پیشِ تو چندان عجبے نیست　　　　وحشی کہ جز ابروے تو محراب ندارد

اگر جز کعبۂ کوے تو باشد قبلہ گاہِ من　　　　الٰہی نا امیدم از سجدۂ آن خاک در گردم

رسم کجاست این تو بگو در کدام ملک　　　　دل می برند و چشم ببالا نمی کنند

اسی مضمون مین غالب کا یہ شعر بھی ہے، لیکن وحشی کے طرز ادا مین جو لطافت ہے وہ غالب مین کہان؟

دلبری ہے کہ دستانی ہر　　　　یکے دل دلستان روانہ ہو

قصۂ سے خوردنِ شبہا درکشتِ آفتاب　　　　ہم حریفانِ تو می گویند پیشِ آفتاب

حفظ ناموسِ تو منظور است میدانی تو ہم　　　　ورنہ صد تقریبِ خوب از بہر رسوائیم ہست

۳- اگر کبھی صنائع معنوی و لفظی کا التزام بھی کرتا ہے تب بھی سلاست کو ہاتھ سے نہین جانے دیتا، تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون:-

تا ہمچو ماہ خیمہ بسر منزلِ کہ بُرد — بادکہ شد رفیق و کنون ہمعنانِ کیست ۔ ایہام تناسب، مراعاۃ النظیر

ماہے کہ چرخ ساخت بدستان جدا زمن — تا باکہ دوست گشتہ و ہم داستانِ کیست ۔ مراعاۃ النظیر، تجنیس لفظی،

آن مہ کزو رسید فغانم بگوشِ چرخ — یارب نہادہ گوش بسوئے فغانِ کیست ۔ مراعاۃ النظیر، رد العجز علی الصدر

میرند وحشی آن غزال از من — ہرگزش میل آرمیدن نیست ۔ مراعاۃ النظیر، ایہام تناسب

مجلسے خواہم کہ پیشت گریم و سوزم چو شمع — بر زبان آرم کہ این سوز و گداز از بہرِ چیست ۔ مشاکلہ

آن بت کہ بود افتادہ از طاقِ کعبۂ دل — در کفر شد پشیمان آن کافرِ کہن ہم ۔ تضاد، مراعاۃ النظیر،

۴ - اس کے اشعار مین عشق و عاشقی کے وہ لطیف تخیلات موجود ہین، جو ایک سچے جذباتی دل ہی مین پیدا ہو سکتے ہے، محب و محبوب کی نوک جھونک، معشوق کی بے نیازی، عاشق کو مجلس مین دیکھ کر منہ پھیر لینا، اسکو دیکھکر تیزی سے گذر جانا وغیرہ وغیرہ محبت کے سینکڑون نکات کو اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ آنکھون کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے، ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون،

کرشمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ — کہ احتیاج بہ پرسیدن زبانی نیست

عشق و محبت کا کتنا لطیف نقشہ اس شعر مین پیش کیا گیا ہے، محبوب عاشق سے ناراض ہو کر کچھ جواب طلب کرنا چاہتا ہے، لیکن اس ناراضگی کے جذبہ کی بنا پر اس کے چشم و ابرو کی حرکت اور اس کے اعضا کی جنبش مین فطری طور پر جو تغیر پیدا ہو گیا ہے، وہ اتنا کیف انگیز اور ہوش ربا ہے کہ عاشق اسکی لذت سے مست ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ "خدا کیلئے آپ اپنے ہونٹون کو گفتگو کی زحمت نہ دیجئے، اس لئے کہ آپ کا ہر ہر کرشمہ مجھ سے میرے اعمال کا جواب طلب کرتا ہے جس کے بعد زبانی کہنے سننے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہین رہتی۔

آخر اے صاحب متاعِ حسن این تشنام چیست — در سرِ دریوزہ گر از ما دعائے سر زدہ است

زین در برود گر غرضت رفتنِ وحشی است — حاجت بتغافل زدن و تندی خو نیست

ذرا اس شعر کے منظر کا تصور کیجئے، اتفاق سے عاشق محبوب کی مجلس مین آبیٹھا ہے، محبوب چاہتا ہے کہ

وہ چلا جائے تا کہ اغیار سے بے تکلف ہو سکے، اس لئے وہ کبھی تو عاشق سے کٹی کٹی باتیں کرتا ہے، کبھی اس کی طرف سے منہ پھیر کر بے توجہ ہو جاتا ہے، عاشق یہ دیکھکر کہتا ہے "اگر آپ چاہتے ہیں تو وحشی اس بارگاہ سے چلا جاتا ہے، اس طرح بے اعتنائی کرنے اور خواہ مخواہ خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے"

من خود از حیرتِ تو خاموشم　　حاجتِ منع و لب گزیدن نیست

دیکھئے کتنا دلفریب نقشہ ہے، عاشق دفعتًہ محبوب کے سامنے آگیا، محبوب یہ دیکھکر حیران رہ گیا، اور اس ڈر سے کہ کہیں عاشق کی والہانہ داد و فریاد سننے سے وہ دوسروں کی نظروں میں بدنام اور مطعون نہ ہو جائے اس اشاروں سے دھیرے دھیرے خاموش رہنے کی استدعا کرتا ہے، یہ ایسا عجیب منظر ہے جس کی لطافت کا اندازہ خود وہی قلوب کر سکتے ہیں جن پر کبھی یہ حالت گذری ہو، بہرحال عاشق یہ سنکر محبوب سے کہتا ہے "میں خود آپ کو دیکھکر سراپا حیرت بنا خاموش کھڑا ہوں، اور اس لئے یہ چپکے چپکے منع کرنے اور لبوں پر انگلی رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

خود رنجم و خود صلح کنم عادتم این است　　یک روز تحمل نکنم طاقتم این است

جو قلوب محبت کی چاشنی سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ محبوب کی بے رخیوں پر دن میں کتنی مرتبہ غصہ آتا ہے، لیکن محبوب کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور عاشق خود ہی خود اپنے دل میں سوال جواب کر کے یہ غصہ رفع کر لیتا ہے،

آہ این چہ غرور است کہ صد تشنہ گرافتد　　وز دیدہ ہم از دور تماشا نکند بس

عشق مایہ تو ندارد ما چراغِ مردہ ایم　　گرم کن ہنگامۂ دیگر کہ ما افسردہ ایم

اسی مضمون کے قریب قریب جگر مرادآبادی کا ایک شعر ہے،

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی　　نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی

شرابِ لطف پُر در جام میریزی دمے ترسم　　کہ زود آخر شود این بادہ و من در خمار افتم

وقت برقع ز رُخ کشیدن نیست　　رخ بپوشاں کہ تابِ دیدن نیست

اس وقت اپنے چہرہ سے نقاب نہ اٹھایئے　　خدارا منہ چھپا لیجئے کہ کسی میں نظارہ کی تاب نہیں ہے

بمجلس کاش از من غیرمی شد آں قدر غافل — کہ یکرہ برمراد خویش روئے یار میدیدم

منکہ مستم مجلست گرم است و شمعِ مجلسی — بزم خود افسردہ خواہی کرد ہشیارم مکن

غور کیجئے محبوب کی مجلس سے نہ اٹھنے کا کتنا لطیف حیلہ اس شعر مین پیش کیا گیا ہے،

قصورے نیست در بیگانگی اما نہ بر وقتے — نگہ را با نگہ در وقت حاجت آشنا یکن

گفتم بگو ازاں لبِ شیریں حکایتے — صد تلخ گفت و بسر شیرین کلام من

سادہ لوحم میکنم باور، بگو قاصد بگو — ہر دروغے کز درِ آں بے وفا آوردہ

نمی نشستم کہ مگر خارِ غمم از پا بکشم — داد دشنام کہ تقریب بینگیزد برد

زخونِ وحشی اگر منکری نگاہ بمن کن — کہ بگذرانم ازاں چشم صد گواہ نہانی

دیکھئے صرف "نگاہ بمن کن" کے جملہ نے شعر کو کتنا "شور انگیز" کر دیا ہے،

وعدۂ جلوہ چون دہی قدوۂ اہلِ صومعہ — در رہِ انتظارِ تو فوت کند نماز را

اسی مضمون مین ربیعہ ابن مقرم کے یہ اشعار بھی پڑھیے اور پھر دیکھئے کہ جذبات کی بے اختیارانہ پکار کس کے کلام مین زیادہ ہے،

فلو انّھا عرضت لاشمط راھب — فی راسِ مشرفۃ الذریٰ یتبتل

لرنا لبھجتھا وحسن حدیثھا — ولھمّ من ناموسہ ینزل

(یعنی اگر محبوبہ کو کسی ایسے راہب کے سامنے بھی لایا جائے جسکے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکے ہون، اور جس نے کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھکر اپنی زندگی کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دینے کا عہد کر لیا ہو (ایسا راہب بھی جب اسکو دیکھیگا تو) اسکی خوبصورتی اور حسن سے مبہوت ہو کر اس کو گھورنے لگے گا، بلکہ اسکا یہ دل چاہیگا کہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اتر آئے)

عشق کی صعوبتین شدید ہونے کے باوجود عاشق کے لئے لذت انگیز ہوتی ہین، اس خیال کے ماتحت محبوب

کو مخاطب کر کے کہتا ہے :-

عشقم خراشِ سینہ شد لطفت چو مرہم می نہد گر التفاتے میکنی ناسور کن این ریش را

اسی خیال کو اس نے ایک اور جگہ اس طرح ادا کیا ہے :-

پیش لیلی کیست تا گوید ز استیلاے عشق باز گشت از کعبہ مجنون رند و رسوا ہمچنان

اس شعر کے ساتھ یہ پرانی روایت یاد رکھئے کہ جب مجنون سے اس کے باپ نے کہا کہ خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا مانگ کہ خدایا میرے دل سے لیلیٰ کا عشق نکال دے" تو اس نے بجائے اسکے یہ کہا کہ خدایا تو لیلے کا عشق میرے سینہ مین اور بھر دے"۔

گر و ہن نشانِ مرگ ظاہر شد کہ می بینم عزیزان را نہانی آستین بر چشم تر امشب

برخاستم کہ دستِ دعائے بر آورم دشنام داد و راہ دگر کرد و راند و رفت

سوائے بادہ ساقی سادہ، صرفِ عشرت آمادہ کسے مست است وحشی گر تو ہشیاری طمع دارد

اسی کو سعدی نے اس عریانی سے ادا کیا ہے :

چو خانہ خالی و معشوق مستِ ناز بود تو ان گریست بر آن کس کہ پاکباز بود

۵ - "انسانی جذبات کو متأثر کرنا" شعر کا ایک اہم عنصر قرار دیا گیا ہے، وحشی کے اشعار مین یہ عنصر بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا،

اے چرخ ہاں بگیر کہ از جورِ تو مردیم ہر دم الم برالم افزودن ما چیست

اس شعر مین عجز و بیکسی کی جو مصوری ہے وہ محتاجِ تشریح نہین، آسمان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ خدا کے لئے تو ایک مرتبہ یہ سمجھ لے کہ ہم تیرے ظلم سے ختم ہو چکے، لیکن یہ ہر وقت ایک غم پر دوسرے غم کا اضافہ تو نکر،

برمنِ خستہ بین و تند مران کہ مرا قوتِ دویدن نیست

خدا کیلئے مجھ ضعیف کے حال پر ترس کھا گھوڑے کو اتنا تیز نہ دوڑا، اسلئے کہ مجھ مین اب بھاگنے کی طاقت نہین رہی

باکہ گویم غمت کہ در مجلس ، زہرۂ گفتن و شنیدن نیست

عفاک اللہ مرا کشتی و رفتی نکو کردی الٰہی بد نہ بینی

ہیچکس را بجاں مضائقہ نیست اگر آں شوخ قصد ایں دارد

نیم جانی ست تحفۂ درویش چہ کند بینوا ہمیں دارد

ایک بے سروساماں درویش کا پیشکش یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نیم جان ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑے، کیا کرے غریب کے پاس اس کے سوا اور کیا رکھا ہے،

زہجراں مردم و بر سر ندیدم کسے را غیرِ سنگِ تربتِ خویش

چہ بودے گر منِ بیمار چنداں زندہ می بودم کہ او را بر سرِ بالینِ خود یکبار میدیدم

ما و تو ہم ہر دو ہمداغیم اے مرغِ چمن تو زگل ینال و من از بیوفائیہائے او

تا جاں وہم زشوق چو ایں مژدہ بشنوم آہنگِ پرسشِ منِ بیمار کردہ

چیست قصدِ خونِ من آن ترکِ کافر کیش را اے مسلماناں نمیدانم گناہِ خویش را

سنگے نہ فتد ایں طرف از گوشۂ آں بام ایں بخت نباشد سرِ شوریدۂ ما را

دل پر حسرت از کوئے تو برگردیدم و رفتم نشد پابوس روزی آستاں بوسیدم و رفتم

ازپئے یک نیم جاں چند تقاضائے ناز میدہم اینک بتو لیک مجالے بدہ

یکرہ سوال کن نگہِ بے گناہِ خود زیں چشمِ پر تغافلِ اندک نگاہِ خود

اس شعر میں "بیگناہ" کے لفظ میں جو زور ہے اس کو ذہن میں رکھکر شعر کو پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ حسرت و اضطراب کی الم انگیز کہانی کس درجہ دردناکی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیگئی ہے،

۶ - بعض اوقات اشیاء کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے ادا کرتا ہے، ذیل کی مثالیں ملاحظہ کیجئے:-

(۱) عشق خود بخود ہو جاتا ہے، عقل و تدبیر کو اس سے کوئی تعلق نہیں،

دست کردن درکمر باعشق کار عقل نیست فتنۂ نتوان برائے خود بزور انگیختن

۲- دنیا مین ہر شخص کسی نہ کسی غم مین مبتلا ہے،

وحشی ہمین نہ جانِ تو فرسودہ شد زغم آنکو غم فراق نفر سودہ جانِ کیست

۳- عشق عقل وہوش سب کچھ ختم کردیتا ہے،

خانہ پُر بود از متاعِ صبر این دیوانہ را سوخت عشق خانہ سوز اوّل متاعِ خانہ را

۴- زندگی مین عشرت کی ایک مختصر سی ساعت بھی ہر قیمت پر سستی ہے،

باآنکہ روزِ وصل را دانم کہ شوقم میکشد ندہم بصد عمرِ ابد یکساعتِ آن روز را

شعر العجم

(حصہ دوم)

شعراے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت ع۸ر

(حصۂ سوم)

شعراے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت ع۸ر

"منیجر"

علم الحیوانات پر ایک نئی توجہ

از جناب محمد سعید صاحب عثمانی، ہوشیار پوری، بمبئی،

مذہب اور سائنس دونون کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ کائنات ارضی کی تمام مختلف الانواع مخلوقات مین صرف ایک ہی نوع ذمہ دارانہ حیثیت رکھتی ہے، اور فطرۃً اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی کے ہر قسم کے علمی اور عملی مظاہرات کے لئے پورے احساس اور قطعی یقین کے ساتھ اپنے آپ کو جواب دہ قرار دے، خواہ وہ مظاہرات انفرادی ہون یا اجتماعی، یہ نوع، نوع انسانی ہے،

نوع انسان کے متعلق یہ امر بھی بخوبی سمجھ مین آسکتا ہو کہ دنیا مین صرف وہی ایک نوع ہے، جس کا وجود اپنے اندر حقیقت اور استقلال رکھتا ہے، موت کے بعد روح انسانی کی موجودگی اور اس کا بقا تمام مذاہب کے نزدیک مسلم ہے، سائنس کی تحقیق جدید بھی روح انسانی کی حیات بعد الممات کو تسلیم کرتی ہے، حکمائے اسلام انسان کے اندر دو روحون کی موجودگی ثابت کرتے ہین، ایک روح حیوانی جو قوائے طبعی کا سرچشمہ ہے، اور موت کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے، اور دوسری روح انسانی جو محل معرفت الٰہیات ہے، اور جو موت کے بعد بھی جسم خاکی سے علیحدہ ہو کر باقی رہتی ہے،

روح کے متعلق تفصیلی اور ناقدانہ تبصرہ کرنا میرے مبحث سے خارج ہے، لیکن جو کچھ مین کہنا چاہتا ہون اسکے سمجھنے کے لئے یہ تذکرہ کر دینا ضروری ہو، کہ روح انسانی ایک مستقل اور غیر فانی چیز ہے، برخلاف روح حیوانی کے جو ایک وقت معین کے بعد فنا اور کالعدم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف تناسخ کا نظریہ عقل سلیم کے نزدیک قابل التفات نہین ہے، یقیناً اس زمانہ مین جب کہ دنیائے علم کی قوائے عقلیہ کافی نشو و نما پا چکی ہین، یہ نظریہ خود بخود رد ہو چکا ہے، اگرچہ ویدون کو بفرض محال کتب سماوی ہی کیون نہ تسلیم کیا جائے، تاہم یہ کہا جائیگا کہ امتداد وقت اور انقلاب زمانہ

کا ان پر بہت کچھ تصرف ہو چکا ہے، اس لئے اس بحث کو بھی مین طول دینا نہین چاہتا، بہر حال چونکہ تمام مذاہب آسمانی کا روح کے متعلق ہمارے متذکرۂ بالا نظریہ سے اتفاق ہے، بنا برین مین اس کو صحیح تسلیم کرکے اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہون،

مین نے یہان تک بیان کیا تھا کہ انسان ایک مستقل اور غیر فانی ہستی ہے، اور اس کے خلاف باقی سب حیوانات، چرند، پرند، اور حشرات الارض موت کے ساتھ فنا اور کالعدم ہو جاتے ہین، گویا جوہر تخلیق صرف انسان ہے اور اس کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ سب عوارض ہین، یا یون سمجھنا چاہئے، کہ انسان کتاب دنیا کا متن ہے، اور باقی سب مخلوقات اسی متن کی شروح و تفاسیر ہین،

یہ ظاہر ہے کہ حیوانات مر کر فنا ہو جاتے ہین، اور ان کو کسی قسم کی ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہین ہے، یہان طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صدہا قسم کے جانور کیون ہین، ؟ ان کی تخلیق مین قدرت کی کون سی حکمتین مضمر ہین، ؟ کہا جا سکتا ہے کہ نوع انسان کے آرام اور فائدہ کے لئے یہ سب جانور پیدا کئے گئے ہین، اکثر جانورون کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے، اور کئی ایک انسان کے لئے دودھ اور ریشم مہیا کرتے ہین، اور بعض باربرداری، اور سواری کی خدمت بجا لاتے ہین، لیکن پھر بھی یہ سوال تشنۂ تسکین رہجاتا ہے، ہم دیکھتے ہین کہ بیشتر مچھر جو ملیریا کا سرچشمہ ہین، اور ان گنت چوہے جو پلیگ کے موجد ہین، اور ان کے علاوہ مکھی، پسو، مکڑیان، بھڑین، سانپ اور صدہا قسم کے دوسرے موذی جانور اور خونخوار درندے نوع انسان کی ہلاکت اور بربادی کے باعث ہین، اس حقیقت سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ انسان حیوانات سے تمتع بھی حاصل کر سکتا ہے اور ضرر بھی، اس صورت مین یہ نظریہ کہ حیوانات کو انسان کے فائدہ اور خدمت کے لئے قدرت نے پیدا کیا ہے، غلط ٹھہرتا ہے کیونکہ بصورت دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ تخلیق حیوانات نوع انسانی کی ہلاکت اور ضرر کی غرض سے عمل مین آئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لغو اور محال ہے، اس لئے یہ معلوم ہوا کہ حیوانات انسان کے لئے ضرر رسان بھی ہین اور نفع بخش بھی، لیکن ان دونون یا ان مین سے کسی ایک کو تخلیق حیوانات

کی علت قرار نہین دیا جاسکتا،

دنیا کی ہر چیز کے مالہ اور ماعلیہ پر غور کرنا، اور اس کے اسرار پر اطلاع پانے کی کوشش کرنا انسان کا علمی اور عقلی فرض ہے، انسان کے متعلق حکمائے زمانہ نے طویل بحثین کی ہین، کہ اس کا مقصد زیست کیا ہے اور کیون پیدا کیا گیا ہو، علمائے اسلام نے اس بحث مین نہایت دلچسپ باتین پیدا کی ہین جن سے اسرار تخلیق پر کافی روشنی پڑتی ہے، جس دقت نظر سے انھون نے انسان کا مطالعہ کیا ہے اور فطرت کے رازہائے سربستہ کو ظاہر کیا ہے، یقیناً قابلِ تحسین ہے، اور احسان و امتنان کا ایک بارِ عظیم ہے، جس سے دنیائے انسانیت کبھی سبکدوش نہین ہوسکتی، انسان کی بلندیِ نظر، وسعت تخیل، اسکی ہمہ گیری اور فراست کے پیش نظر وہ یہان تک لکھ گئے ہین کہ انسان عالم صغیر ہے یعنی عالم شہود مین جو کچھ بھی ہے، وہ سب کچھ اس چھوٹے سے جہان یعنی انسان مین موجود ہے، فطرتِ انسانی کے سوال کا یہ حل بالکل صحیح اور درست ہے، اگرچہ اس حل کی تشریح مین تخلیق حیوانات کے اسرار تک ہماری رہنمائی نہین کی گئی، میری اس تحریر کا موضوع اسی مسئلہ لاینحل پر غور کرنا ہو،

قدرت نے انسان کو بہت سی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے جنمین سے بعض نیکی کا سرچشمہ ہین، مثلاً رحم و عدل، صدق و وفا، اتحاد و مودت، غیرت و حمیت، تہور و شجاعت، احساسِ مساوات، جذبۂ حریت، اصلاحِ نفس، وغیرہ، اور بعض برائی کا منبع ہین، مثلاً قساوت و ظلم، کذب و افترا، افتراق و مخاصمت، خیانت و دنائت، غیظ و غضب، غرور و نخوت، فسق و فجور، وغیرہ، ان ہر دو قسم کے صفات کو اخلاقِ فاضلہ و اخلاقِ رذیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ان کی افراط و تفریط اور کیفیت و کمیت کے متفاوت اندازے ان کی تعداد مین ایک کثیر اضافہ پر منتج ہوتے ہین، پھر اون کی ترکیب اور امتزاج کی مختلف ہیئتون سے اون کی صُوَرِ معنوی متشکل ہوتی ہین،

مسئلہ تخلیق حیوانات پر سالہائے دراز کے فکر و تدبر کے بعد مین جس نتیجہ پر پہنچا ہون وہ بظاہر ایک حیرت انگیز نظریہ معلوم ہوتا ہے، پہلی مرتبہ ۱۹۱۹ء مین میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا، اور مین نے ان

خیالات کو قلمبند کیا لیکن چونکہ یہ بالکل انوکھا اور نیا تھا مجھے جرأت نہین ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر مطلع کرون، جون جون زمانہ گذرتا جاتا تھا، اس نظریہ کی صحت و معقولیت مجھ پر روشن تر ہوتی جاتی تھی، لہذا وہ کسی وقت بھی میرے ذہن سے الگ نہین ہوتا تھا،

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ اتفاق سے قرآن کریم کی ایک آیت پر میری نظر پڑگئی، اور میرے خیال مین اوس سے حرفاً حرفاً میرے اس نظریہ کی تائید ہوئی، نیز یہ معلوم ہوا کہ احادیث نبوی سے بھی ضمناً اس کی تائید ہوتی ہے، اسلئے اب مین اپنے آپ کو اس قابل پاتا ہون کہ اسے حکمائے زمانہ کے سامنے رکھدون،

تخلیق حیوانات کے متعلق وہ نظریہ جو میرے غور و فکر مین ہے، بہ الفاظ سادہ یہ ہے کہ زمین پر چلنے والے جملہ حیوانات، پانی مین تیرنے والے تمام جانور اور ہوا مین اڑنے والے سب پرندے انسان کے خلاق فاضلہ و رذیلہ کی صفات متمثلہ ہین یعنی قدرت کی صنعت کاملہ نے انسان کی کیفیات معنوی کو خارج مین مجسم کرکے دکھادیا ہے، گویا یہ سارا کھڑاگ اجمال انسانیت کی تفصیل مجسم ہے،

یہان یہ واہمہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ اگر حیوانات کلیتہً انسانیت کے اجزا ہین تو جمادات و نباتات کیون نہین، اس کا یہ جواب ہے کہ ظہور اول عالم جمادات ہے، اور اس کی ارتقائی حالت کا نام ظہور ثانی یعنی عالم نباتات ہے، پھر عالم نباتات کی ارتقائی حالت کا نام ظہور ثالث یعنی عالم حیوانات ہے، جب ظہور ثالث کا وقت قریب آچکا تھا عین اسی وقت صانع حقیقی نے انسان کو پیدا کیا، یعنی انسان و حیوان بیک وقت معرض ظہور مین آئے، ڈاروِن کی تھیوری ظہور ثالث تک حقیقت پر مبنی ہے، اسمین شک نہین کہ اسکا مقام فضائے مغرب مین اپنے زمانہ کی سطح فراست و بصیرت سے بلند تر ہے، اس نے درست راہ اختیار کی لیکن آگے چل کر دھوکا کھا گیا، نہ صرف یہ کہ وہ عالم حیوانات کی حقیقت تخلیق سے یکسر بے خبر رہا، بلکہ اس راہ مین اس نے یہ ٹھوکر کھائی کہ وہ حیوان کو اساس انسان قرار دیتا ہے، بعینہ اُس بچہ کی طرح جس سے اگر پوچھا جائے کہ تو لڑکی ہے یا لڑکا تو وہ جواب دیگا، لڑکا، پھر معاً اس سے پوچھا جائے کہ تو بیوقوف ہے یا دانا

تو اس کا جواب ہوگا، دانا، پھر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ تو گدہی ہے یا گدہا تو وہ فوراً بے تکلف بول اٹھیگا، گدہا، کیونکہ اس قسم کے سوالات مین بچون کو جواب کے لئے سوال کا پچھلا لفظ ہی یاد رہجاتا ہے، اسی طرح ڈارون راہِ تخلیق مین منازلِ حکمت کو جس استدلال کی رہنمائی مین طے کر رہا تھا، آنکھین بند کرکے قدم بڑھاتا گیا، یہان تک کہ اس نے آدمی کو ترقی یافتہ بندر بنادیا،

جو آیتِ قرآنی میرے نظریہ کی بنیاد واساس قرار پاتی ہے، وہ یہ ہے،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ	اور زمین پر کوئی حیوان نہین اور نہ کوئی پرندہ
يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ	جو اپنے بازوؤن پر اڑتا ہے، مگر وہ امتین ہین
( )	تمھاری مثلین،

اگرچہ عربی زبان مین "امثال" کے معنی مانند کے بھی آتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ اس کے معنی "صفت" "وحالت" کے بھی ہین، مثلاً وللہ المثل الاعلیٰ یا مثل الجنة التی وعد المتقون یا مثلھم کمثل الذی استوقد نارا اس لئے دراصل قرآن مجید کی مذکورۂ بالا آیت مین چرند وپرند کو انسانون کی صفت وحالت مین پیش کیا گیا ہے، اور اس لئے یہ کہنا اپنی جگہ صحیح ہوسکتا ہے، کہ تمام چرند وپرند دراصل انسان کے اخلاقِ فاضلہ ورذیلہ کے صفاتِ متمثلہ ہین جن کے ذریعہ انسان کی کیفیاتِ معنوی خارج مین مجسم کرکے دکھائی گئی ہین،

عجب کیا کہ اگر اخلاقِ انسانی کی کیفیتون اور حیوانات کی مادی اور طبعی حالتون کا پوری شرح وبسط سے استقصا کیا جائے، تو جدید نظریہ کے مزید دلائل وبراہین مہیا ہون، اور اس سے انسان کو گران بہا جسمانی اور روحانی فوائد حاصل ہون،

نامۂ کیمبرج

شذراتِ افکار

از

پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج

پروفیسر تاثیر ایم اے (اسلامیہ کالج لاہور) پنجاب کے متوقع فاضل ادیب و نقاد ہین، اُن کو اردو اور انگریزی ادبیات پر یکسان عبور ہے، ہم کو یقین ہے کہ وہ ایک دن پنجاب کے مسلم الثبوت ادیب و فاضل مشہور ہونگے، وہ چند ماہ سے اپنی طلب علم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے ہین، وہان سے ان کا جو پہلا خط میرے نام آیا ہے، وہ اس قابل نہین کہ اسکو صرف نج کے طور پر پڑھا جائے، اور ناظرین معارف کو اس کے لطف سے محروم رکھا جائے، سب سے پہلے ان کے مذہبی جذبہ کا ہم کو احترام ہے، پھر ان کے قومی احساس کی تصویب کرنی چاہئے، بعد ازین انکی صحیح علمی طلب و تحقیق کی داد دینی ہے، ہم کو یورپ جانے والے نوجوانون سے بھی شکایت رہتی ہے کہ وہ اپنی چیز سے بے خبر ہو کر یورپ کیون جاتے ہین، اور وہان کی ہر اچھی اور بری چیز سے اس قدر مرعوب کیون ہو جاتے ہین، پروفیسر تاثیر نے اپنا جو نمونہ پیش کیا ہے، وہ ہمارے یورپ جانے والے نوجوانون کے لئے ایک نئے دور کا دیباچہ ہے،

اپنی تعلیم و تحقیق کار مین ان کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے ہم اس پر بخلوص دل ان کو مبارکباد دیتے مین، اور دعا کرتے ہین کہ وہ یورپ کا علم سیکھ کر آئین، یورپین بنکر نہ آئین، کہ تاثیر کی تاثیر سے ہمارے غلط رو نوجوانون کو سچی رہنمائی مل سکے،

"سلیمان"

علامۂ محترم - السلام علیکم

کیمبرج مین داخلہ نادم ہون کہ اب تک کوئی عریضہ ارسالِ خدمت نہ کرسکا، لیکن کچھ اس جلدی مین روانہ ہوا، اور اس بے سروسامانی سے یہان پہنچا کہ سر نہ اٹھاسکا، اب پہلا ٹرم (دورِ اوّل) ختم ہوا ہے تو حاضرِ خدمت ہو رہا ہون، مین انگریزی ادب مین ریسرچ کر رہا ہون، اور بدقسمتی سے اس وقت پہنچا ہون جب چند سال پہلے یہان کے ذمہ دار پروفیسر (کہ یہان وہی حاکمانِ قضا و قدر ہوتے ہین) طے کر چکے ہین کہ کسی اجنبی کو (امریکن، ہندی، جرمن کوئی ہو) کم از کم انگریزی ادب مین براہِ راست پی - ایچ - ڈی کے لئے نہین لیا جائیگا، عام طلبہ کو بی اے (TriPOS) مین لے لیتے ہین اور ریسرچ والون کو (M. LIT) ایم - لٹ مین، اور بس! - مگر چونکہ میرا مقصد محض حصولِ علم ہے اسلیے مین ڈگری کے نام پر نہین گیا اور لنڈن اور ڈبلن وغیرہ کی طرف رجوع نہین کیا، تجارتی طور پر شاید ایم لٹ سے زیادہ بی اے مفید ہوتا مگر ہفتہ عشرہ کے بعد میرے نگران نے مجھ سے واضح طور پر کہدیا تھا کہ "یہ محض ابتدائی SCHOOL WORK ہے، تمہین امتحان بازی سے بہتر کام کرنا چاہئے"

میرا موضوع آپ خوش ہونگے جو کام مین کر رہا ہون وہ ادبی بھی ہے اور اسلامی بھی! دین و دنیا دونون کی بہتری کی امید ہے، انشاء اللہ - میرے مضمون کا عنوان ہے: "مشرق کا تصوّر انگریزی ادب مین، از ابتدا تا حال" - مشرق سے مغرب کی بیشتر مراد مسلمان ہی رہے ہین اور میرے اس کام سے عجب عجب انکشافات کی توقعات ہین، شاید ہمارے ان مغرب زدہ حضرات کو جو آپ ہی آپ مغرب کو مذہب سے عاری قرار دیکر اپنے دماغی افلاس کے لئے سہارا ڈھونڈھتے رہتے ہین کچھ عبرت حاصل ہو، مین نے کام بالکل ہی ابتدائے عہد سے شروع کیا ہے، آج کل اینگلو سیکسن عہد کی تصنیفات مین مشغول ہون، مشکل یہ ہے کہ مجھے انگریزی ادب کی ہر صنفِ نظم و نثر - ڈرامہ، ناول، سیاحت وغیرہ کی کتب مین سے گزرنا پڑے گا، اور چونکہ پروفیسرون نے ان کتب کو میرے زاویے سے کبھی نہین دیکھا اسلئے وہ مجھے پوری راہبری کی امید نہین دلاتے، لیکن یہان کے پروفیسر اسقدر فنا فی العلم ہین، اور اس قدر خوش اخلاق اور منکسر المزاج ہین کہ ہر وقت ہر قسم کی مدد کے لئے طیار رہتے ہین،

یورپین اساتذہ اور مذاہب میرے نگران کار جو انگریزی شعبے کے صدر ہیں، نائٹ بھی ہیں اور بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں، اور عہدِ حاضر کے مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں، سر آرتھر کوئلر کوچ! وہ ان تمام صفات میں شاید سب سے برتر ہیں، مغربی کلچر کا بہترین نمونہ ہیں، گرجے بھی جاتے ہیں اور اپنی مذہبی تصنیفات سے بھی پوری طرح واقف ہیں، کل ہی انکی میز پر پلوٹنیس پر ڈین انگ کی کتاب پڑی تھی! ہمارے "تعلیمیافتہ" حضرات میں سے کتنے ایسے ہیں جنھوں نے سیرت ہی کو اچھی طرح تو کیا محض پڑھا ہی ہو؟ - انھوں نے مخالفوں کی تحریروں کو بھی نہیں پڑھا ہوتا! - اس میں قصور ہمارا اپنا ہے، انگریزی کی سرکاری درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کا نہ ہونا تو شاید قابل مدافعت ہو لیکن ہمارے اسلامی ادارات میں جو بے نیازی برتی جاتی ہے اس کا کیا جواب، کیا مسلم یونیورسٹی میں کوئی باقاعدہ SYLLABUS موجود ہے، کیا اس قسم کی کوئی تجویز پیشِ نظر ہے؟ میں نے اپنے کالج والوں کو تو چند تجاویز لکھ کر بھیجی ہیں، دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے! ارباب کار کو آپ سے استمداد کے لئے بھی لکھا، امید ہے کہ آپ اسے میری پرانی عادت سمجھ کر معاف کرینگے (ایک دو ادبی رسائل کو حال ہی میں آپ کے پیچھے ڈال چکا ہوں،) مگر ایسا کام تو اسلامی دنیا کے کسی گوشہ میں ہو آپ کی طرف لازمی طور پر ہاتھ پھیلائے جائیں گے، ضروریات حاضرہ کے مطابق دینی تعلیم کا نظام تدریس! -

قدیم وجدید کا امتزاج یہاں اگرچہ نیک نیت مگر نادان مسلمان نوجوانوں سے گفتگو کرکے یہ پرانا احساس پھر پیدا ہوا ہے، کہ ہم نے بی اے بہت پیدا کر لئے ہیں، مولوی بھی کافی ہیں، کیا ان کا امتزاج ناممکن ہے؟ میں محض علمی پہلو کی طرف نظر ڈال رہا ہوں، عمل کی صلاحیت مختلف چیز ہے،

مشکل یہ ہے کہ "دینیات" کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اب وہ محض مضحکہ کا سامان بنکر رہ گیا ہے، کوئی وجہ نہیں کہ جب انگلستان میں قمیص کو پتلون سے باہر لٹکا کر چلنا مہذب مجالس میں شرکت سے مانع ہو سکتا ہے، تو معاشرتی معاملات میں ہمارے علماء کے فتادے کفر کو بربریت کا نمونہ سمجھا جائے، دینیات کلچر ہی کی تعلیم ہے، اس کے لئے طہارت کے مسائل بھی اہم ہیں اور آدابِ مجلس بھی، ان کا انکاری "کافر" نہ ہوا، تو اور کیا ہوا، بلغرق مراتب لیکن ہمیں تو کفر کے معانی یا اصطلاحی مدارج بھی بتائے نہیں جاتے،

جب ہماری سرکار عالی مدار نے انگریزی تعلیم رائج کرکے بیک جنبشِ قلم ہمارے سینکڑون عالمون کو جاہل اور ہزارون باروزگارون کو بے روزگار بنا دیا تو اس وقت یہی بدنصیب ملّا اٹھے اور انھون نے عدم تعاون کی اولین آواز بلند کی اور اس سے انکار کرنے والون کو کافر قرار دیا، آج غدار اور "ٹوڈی" کے الفاظ "کافر" کے محل پر استعمال کئے جاتے ہین اور خراج تحسین حاصل کرتے ہین، مگر ان بیچارے ملاؤن کی تحریک کو جہالت کی بدترین مثال بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کو قومی ترقی کا سب سے بڑا دشمن بتایا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ پرانی روایات کو صحیح طور پر استوار کیا جائے اور نئی عمارت کو انھین بنیادون پر قائم کیا جائے، مغرب و مشرق کا جبری اور اضطراری پیوند کبھی بارآور نہین ہوسکتا،

علم و ادب مین قدیم و جدید کا امتزاج

یہی حال ہمارے علم و ادب کا ہے، ہم مغربی زبانون مین فقط انگریزی کچھ کچھ جانتے ہین، اور اسی برتے پر ایک جدید ادبی تحریک کا بلند آہنگ ادعا کرتے رہتے ہین، اور یونہی نئی تنقید کا غل غپاڑا مچا رکھا ہے، حالانکہ اپنے ادب کی روایات کی صحیح تفہیم کے بغیر کوئی نیا راستہ پیدا کرنا ناممکن ہے محض نہاریون پر نظمین لکھنے سے جدید ادب تخلیق نہین کیا جاسکتا، یہ "جدید موضوع" ولی دکنی کے کلام مین بھی نظر آتا ہے اور نہ قوافی کی ترتیب بدلنے سے نیا عروض وضع ہوجاتا ہے، اس مین ہمارے ادیب ابھی یورپ کے گیتون اور ٹھمریون تک بھی نہین پہنچے، نہ جانے ہم اپنے ملکی ادب کو اپنا ماخذ بنانے سے کیون گھبراتے ہین؟ مسلسل نظمون اور مناظرِ قدرت کے شیدائی میر کی مثنویون کو کیون نہین دیکھتے، انھین ان مین حیوانات تک کے کردار منفرد اور جاندار صورت مین دکھائی دینگے، ہمین غیر ملکی ادب سے محض دلچسپی ہے، واقفیت کچھ بھی نہین، صحیح پندار تو اور چیز ہے محض اپنے ادب سے دلچسپی تک نہین،

ترک سلاطین کی ادب نوازی

یہان ایک ہندی "مستشرق" طالب علم علامہ شبلی کو غیر مستند کہہ رہے تھے اور ریو کے تحریر پر قصیدہ خوانی کر رہے تھے، ایک "مورخ" صاحب ترک سلاطین کی جنگ جوئی کے تو معترف ہین، مگر ان کی علم و ادب سے جہالت پر "ندامت محسوس کرتے ہین"

سلطان سلیم اوّل کا دیوان اور مستشرقین کی غلطی

اتفاق سے مجھے ایک قدیم انگریزی نظم کے مسودات کی تلاش میں برٹش میوزیم لندن جانا پڑا، کیمبرج میں پڑے پڑے اکتا گیا تھا، دو دن کے کام کو چار دن پر پھیلا دیا، ایک دن یونہی سولھوین صدی کے مکتوبات کے سلسلے میں سرآمدِ مستشرقین قدیم و جدید جناب ریو کی فہرستِ مخطوطاتِ ترکی کو الٹ پلٹ رہا تھا کہ سلطان سلیم کا نام نظر آیا، مجھے اس ترک سلطان سے خاص عقیدت ہے اس کا فارسی دیوان بڑی جد و جہد سے حاصل کیا ہے، جلد جلد اندراج پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسودہ نمبر ۷۷۸۶ .A D سلیم اوّل نہین بلکہ سلیم ثانی کا فارسی دیوان ہے، کچھ حیرت بھی ہوئی کیونکہ سلیم ثانی فارسی مین شعر گوئی سے قطعًا ناواقف تھا، کچھ خوشی بھی ہوئی، کہ ایک نئی دریافت ہوئی، مگر یہ مسودہ جو نکلوایا تو سلیم اوّل کا کلام پایا، (یہ خوشخط مگر غلط نسخہ ہے جس مین کئی کام کی چیزین غائب ہین) ضیا بے کی خرابات کے انتخاب سے مقابلہ کیا، اپنے نسخے کو دیکھا، اُدھر ریو کی شہرت، ادھر اپنی آنکھین، حسب عادت اپنے ہی پر اعتماد کرتا، مگر ریو نے اپنے اندراج مین بصد وثوق دو اور نسخون کا حوالہ دے رکھا تھا، ایک کنگز کالج کیمبرج کا نسخہ نمبر ۱۶۳، اور ایک پٹیرزبرگ لائبریری کا، کیمبرج واپس آیا تو چھٹیون ہی مین کنگز کالج کے کتب خانے کو کھٹکھٹایا، وہان کچھ اور ہی ماجرا پایا، نمبر ۱۶۳ کسی شکاری کے انگریزی مین حالات ہین!، مین نے نگران سے کہا کہ ریو کا حوالہ غلط نہین ہو سکتا، ریو کے نام پر وہ بھی چونکا اور کہنے لگا واقعی ریو کا حوالہ غلط نہین ہو سکتا، چنانچہ پڑتال کے بعد معلوم ہوا کہ نئی فہرست بناتے وقت یہان کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، ۱۶۳ واقعی دیوان سلیم ہے، نگران نے ریو کا نام دوبارہ بصد احترام لیا اور نسخہ میرے حوالہ کر دیا، مگر استغفراللہ؛ یہ تو شاہجہانی عہد کے شاعر سلیم طہرانی کا دیوان ہے، نہ سلیم اوّل نہ سلیم ثانی: اس مین پان کا ذکر لذیذ ہے ؎

چمن بخونِ گل و لالہ پرور د پان را ‏ ‏ ‏ ‏ بہ پان سرے ست چو در ملکِ ہند خوبان را

چو برگ لالہ لبِ سرخ این سپاہان را ‏ ‏ ‏ ‏ نمی توان ز نزاکت دلیر بوسیدن

مستشرقین کہہ سکتے ہین کہ شاید سلطان سلیم نے پان کا ذکر سنا ہو گا، یا کوئی ہندوستانی لونڈی پیشِ نظر ہو، ایک قطعہ مین پھٹے ہوئے جوتے کی شکایت ہے، یہ بھی شاید شاعرانہ مضمون بندی پر محمول کیا جا سکے، اسی طرح

ع زشوقِ شال سرم را ہوائے کشمیر است، کی بھی تاویل ہو سکتی ہے، مگر شاہجہان اور وزیر سلطنت اسلام خان کے قصائد کا کیا کیا جائے، اور امراکی "بھٹ گری" ؎

تا چند کنی فکر پئے جائزہ دادن   در گفتن شعر این ہمہ من فکر نہ کردم

اور یہ حسرت بھری یادِ وطن ؎

زہند ہر کہ سفر می کند سلیم بگو   سلام ما برساند دیار ایران را

کنگز کالج کے فہرست نگار نے اسے محض "دیوانِ سلیم" لکھا ہے اور اس سے بڑھکر کوئی تحقیق نہیں کی ہے، مگر تفصیل مندرجات کے دیتے ہوئے چند سطروں ہی میں "استشراق" کا حق ادا کر دیا ہے، تین مثنویوں کو ایک بنا دیا ہے، قصائد اور مناقب کو خلط ملط کر دیا ہے، اور قطعات کی صنف سے ناآشنائی کا اظہار فرمایا ہے! اب رہا پیٹرز برگ کا نسخہ، یہ فرانسیسی فہرستِ مخطوطات میں نمبر CDLXXIV ہے، اور فہرست نگار نے بوضاحت اسے سلیم اوّل کا دیوان قرار دیا ہے اور سنینِ سلطنت بھی دیئے ہیں، اور کتب خانہ حمیدیہ اور نوری عثمانیہ کے نسخون کا بھی ذکر کیا ہے، مگر "استشراقیت" کے جملہ لوازم مہیا کرنے کی خاطر میں نے ڈرتے ڈرتے پیٹرز برگ (اشتراکی لینن گرڈ) بھی یہ سب کچھ لکھ بھیجا ہے:

لیکن سلطان سلیم کا دیوان منھ سے بول رہا ہے کہ یہ سلیم اوّل کا کلام ہے، اس کی اسلامی فتوحات، اور اس کی مجاہدانہ روح چھپائے نہیں چھپتیں، اسمٰعیل صفوی کی قزلباش (سرخ سر) فوجوں کا ذکر، مصر کی فتح، حجاز کی تسخیر ایک ہی نظم میں بہم موجود ہیں ؎

لشکر از تختِ ستانبول سوئے ایران تاختم   سرخ سر را غرقۂ خونِ ملامت ساختم

شد غلام ہمتم از جان و دل والیٔ مصر   تا لوائے خسروی بر نہ فلک افراختم

کرد از ملکِ عراق این مژدہ آہنگِ حجاز   چنگِ نصرت را چو در بزم ظفر نواختم

سارا کلام دلچسپ ہے، ترکی میں فارسی ادب کے عروج کی داستان ایک مستقل تصنیف کی محتاج ہے

گب انجہانی کی تاریخ بالکل ابتدائی ہے، اگر غنیمت ہے، مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ سلطان سلیم کے دیوان کے متعلق گب نے دوسری جلد کے کسی حاشیہ مین ریو سے اختلاف کیا ہے مگر نہ دلائل دیئے ہین اور نہ کنگز کالج اور نہ پیٹرز برگ کے حوالہ جات کی تردید کی ہے، حالانکہ براؤن نے نظرِ ثانی اور ترتیب کی ہے، بلکہ لکھا ہے کہ ریو سے غلطی النادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے!!

آیندہ کام مجھے ڈر ہے کہ میرا خط "مقالۂ افتتاحیہ" بنتا جاتا ہے، بلکہ بن چکا ہے، اسے چار مہینے کی خاموشی کا ردِ عمل سمجھئے، اب نئے ٹرم کا آغاز ہے، ۹ رجون تک معروف رہونگا، پھر لمبی چھٹیون کا بیشتر حصہ برٹش میوزیم مین گزارونگا، کیمبرج ہی رہتا، مگر یہان کی لائبریری کئی صدیوں کے بعد نئی عمارت مین منتقل ہو رہی ہے، لہذا چار مہینے بند رہے گی، پروفیسر اور ریسرچ کرنے والے طلبہ سراسیمہ ہو رہے ہین، مجھے خود لندن کا شور و غوغا پسند نہین مگر مجبوری ہے، شاید کچھ عرصہ فرانس رہون، وہان کی لور گیلری دوبارہ باطمینان دیکھنا چاہتا ہون، اور خوش قسمتی سے فرانسیسی سیکھنے کے لئے جو وظیفہ ملا ہے اسکے لئے بھی وہان جانا ضروری ہوگا، لہجہ درست کرنے کی خاطر

تعلیمی کامیابی آپ خوش ہونگے پہلے ٹرم کے کام کے بعد مجھے انگلش بورڈ نے ایم لٹ سے اٹھاکر پی ایچ۔ ڈی مین ڈالدیا ہے، اس سے میرے بعد آنے والے ہندوستانی اور دیگر اجنبی طلبہ کے لئے نظیر قائم ہوگئی ہے، گو براہِ راست انگریزی کی پی ایچ ڈی مین نہین لینگے مگر دو تین ماہ کے کام کے بعد تو لے لین گے، قاعدۂ کلیہ کی استثنا تو ہوگئی،

مین شاید پہلا ہندوستانی ہونگا، جسے انگریزی مین کیمبرج یا اوکسفورڈ سے پی۔ ایچ۔ ڈی ملے گی، خدا اگر کامیاب کردے، مجھے اپنی نااہلیت کا سخت احساس ہے، میرے لئے دعا مانگتے رہئے، مین آپ کی دعاؤن کا بے حد محتاج ہون ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دیگر کارلائقہ سے یاد فرمائیے، آپنے لکھا تھا کہ تم سے بہت سے کام لینے ہین، فرمائیے!

دہ فصلِ تبریزی

ترک فاضل عالی رومی المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ کی کتاب ربیع المرسوم کا ذکر ہماری کتاب خیام مین آیا ہے، ربیع المرسوم کا نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ دار المصنفین مین موجود ہے، عالی دسوین صدی اور گیارھوین صدی ہجری کا ایک ترک فاضل اور ترکی و عربی و فارسی کا مشہور شاعر تھا، اس نے سنہ ۱۰۰۲ھ ربیع المرسوم کے نام سے اپنے فارسی منظومات کا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس کا پہلا حصہ ان فارسی رباعیات پر مشتمل ہے، جنکو عالی نے خیام کے رباعیات کے جواب مین لکھا ہے، اس جوابی حصہ کے شروع مین عالی نے خیام کے حالات جن ماخذون سے جمع کئے ہین، ان مین ایک تبریزی کی دہ فصل ہے، اور اسی ذریعہ سے ہم نے اس رسالہ کا حال جانا،

کتاب خیام کی تالیف کے وقت تک ہم تبریزی اور اُسکی دہ فصل سے براہ راست واقف نہ تھے، چنانچہ تالیفِ مذکور مین جہان اس کا ذکر آیا تھا، یہ لکھدیا گیا تھا کہ "ہم تبریزی اور اس کی دہ فصل سے واقف نہین" کتاب کی اشاعت کے بعد حیدرآباد دکن سے خیامیات کے ایک بڑے صاحبِ ذوق ماہر پنڈت وینکٹ راؤ داتار نائب معتمد مالیات سرکار نظام نے کتابِ خیام کی بیحد مدح وستایش فرمائی بلکہ انھون نے یہانتک لکھا کہ خیام کے متعلق کسی زبان مین آج تک یہ معلومات فراہم نہین ہوئے، ساتھ ہی بڑی بشارت انھون نے یہ سنائی کہ خیام کے رباعیات کے متعدد قلمی مجموعون کے علاوہ تبریزی کی یہ دہ فصل بھی ان کے پاس موجود ہے، اور اس کے بعد مزید مہربانی یہ فرمائی کہ اس رسالہ کی ایک نقل اور ابتدائی صفحات کے فوٹو عنایت کئے،

اس نسخہ کے دیکھنے کے بعد یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آگئی کہ عنوانات پر تقسیم کرکے رباعیات خیام کا سب سے پہلا مدوّن و مرتب نسخہ غالبًا یہی ہے، اس نے حروف تہجی کی رعایت نہین کی ہے،

اس نسخہ کے سرورق پر اس کے پہلے مالک" مالکہ حسن بن علی الحسینی کی مہر ہے، اور ایک اور بھی مہر ہے، دیباچہ سے معلوم ہوا کہ رسالہ کا اصلی نام "طرب خانہ" ہے، لیکن چونکہ یہ دس فصلوں پر مرتب ہے، اس لئے دہ فصل کے نام سے مشہور ہوا، مصنف کا نام یار احمد بن حسین الرشیدی المشتہر بالتبریزی ہے، طرب خانہ تاریخی نام ہے، اس سے بحساب جمل ۸۶۷ھ نکلتے ہیں، چنانچہ مصنف مذکور دیباچہ میں کہتا ہے،

بہ ترتیب احسن بوجہ نیکو | بہ دہ فصل این نسخہ اتمام یافت
ورت نیست باور بہ بین روبرو | طرب می فزاید ز ہر صفحہ اش
طرب خانہ تاریخ اتمام او | طرب خانہ اہل فضل است و ہست

اس سے ظاہر ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کا سال ۸۶۷ھ ہے، اور یہ سنہ بوڈلین لائبریری کے نسخہ خیام کے سنہ سے صرف ۱۲ سال بعد کا ہے، یعنی بوڈلین کا نسخہ ۸۶۵ھ میں تبریزی کے شہر تبریز میں لکھا گیا ہے،

اس رسالہ میں تبریزی نے خیام کے رباعیات کو نو متفرق عنوانوں میں تقسیم کیا ہے، اور ہر عنوان کے نیچے اس عنوان کی مناسب رباعیاں جمع کی ہیں، اور آخری دسویں فصل میں خیام کے حالات میں دس حکایتیں درج کر کے رسالہ کو ختم کیا ہے،

وہ نو عنوانات جن پر تبریزی نے خیام کی رباعیوں کو تقسیم کیا ہے، حسب ذیل ہیں،

۱۔ فی التنزیہ والمناجاۃ وطلب المغفرۃ وما یتعلق بہ۔

۲۔ فی الحکمیات واسئلۃ الحکمۃ، والاعتراضات وغیرہ،

۳۔ فی النصائح والآداب وما یناسب بہا (کذا)

۴۔ فی الاغتنام والفرصۃ وضیق العیش وحدوث العالم والفناء وغیرہم (کذا)

۵۔ فی الخمریات والبحث وما یتعلق بہا،

۶۔ فی جریان الفصول خصوصاً فی الربیع والعیدین، واغتنام اوقاتہم (کذا)

۷۔ فی النکات والتضمینات والملمعات۔

۸۔ فی الموقوفات ،

۹۔ فی السکریات والھزل ومایناسب بہا (کذا)

افسوس ہے کہ پیش نظر نسخہ مین یہ نو دن فصلین علٰحدہ علٰحدہ لکھی نہین ، یا اس مین سے کچھ صفحے گر گئے ہین ،

آخری دسوین فصل مین خیام کے متعلق دس حکایتین ہین ، یہ تمام حکایتین بے سند اور محض گڑھی ہوئی ہین ، اور یہ اکثر وہی ہین ، جو پچھلے تذکرون مین خیام کے متعلق ملتی ہین ، مثلاً ،

۱۔ حضرت سلطان ابو سعید ابو الخیر اور خیام کے درمیان سوال وجواب ،

۲۔ شکارگاہ مین خیام کے شکاری کتے کا ڈر کر بھاگنا ، اور خیام کا اس پر رباعی موزون کرنا ،

۳۔ خیام کا قائل تناسخ ہونا اور گدھے کے کان مین رباعی پڑھنا ،

۴۔ امام محمد غزالی کا خیام سے تلمذ ، اور نشہ کی حالت مین خیام کا ان کو اجازہ دینا ،

۵۔ حکیم ناصر خسرو کا اپنی تالیف روشنائی نامہ خیام کے پاس بھیجنا ،

۶۔ خیام اور محتسب والا قصہ ،

۷۔ بخارا مین امام بخاری کے مزار پر پہنچکر خیام پر مجذوبانہ کیفیت کا پیدا ہونا

۸۔ وفات اور امام سنائی کے استاد محمد منصور سے تلمذ ،

۹۔ خیام کے کوئی اولاد نہ تھی ،

۱۰۔ سبزوار مین نظامی عروضی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کا دیکھنا اور اس کے نیچے یہ لکھا ہونا کہ مین آخری دفعہ اس سے ملا ، اور اس سے اس کی قبر کی نسبت پیشنگوئی سنی ، چند سال کے بعد اس کی قبر پر جانا ، اور اُسکی ماں سے ملنا ، اور ماں کا اپنے بیٹے کی بخشایش کے متعلق خواب دیکھنا ، اور یہ رباعی اسکی زبان سے سننا ۔ ای سوختہ سوختہ سوختنی الخ

عالی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اسمین نظامی کی اس ملاقات کی تاریخ ۵۲۲ھ لکھی ہے لیکن تبریزی کے پیش نظر نسخہ مین ۵۱۲ھ ہے اور سب جانتے ہین کہ اصل چہار مقالہ عروضی کے قلمی ومطبوعہ نسخون مین اس ملاقات کی تاریخ ۵۳۰ھ لکھی ہے ، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ،

"س"

تلخیص و تبصرہ

"دانشگاہ ایران"

یعنی

ایران کی ایک نئی یونیورسٹی

ایران کی حکومت جب سے رضاشاہ جیسے مدبر و ہوشمند فرمانروا کے ہاتھوں مین آئی ہے، اس وقت سے ایران اپنے ہر شعبۂ عمل مین روز بروز ترقی پر ہے، اور نہایت سلامت روی، اور روح اسلامی کے قیام و بقار کے ساتھ مختلف قسم کی مدنی، علمی، و تعلیمی ترقی عمل مین آرہی ہے، اسی سلسلہ مین حکومت ایران نے ایک نئی یونیورسٹی "دانشگاہ" کے نام سے آیندہ سال قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، بلکہ اس یونیورسٹی سے ملحق ہونے والے بعض مدارس عالیہ کا افتتاح اسی سال ہوگیا ہے، جس کے حالات صحیفۂ "الفتح" مصر مین آئے ہین،

اس یونیورسٹی یعنی "دانشگاہ" ایران کے ماتحت مختلف علوم و فنون کے علٰحدہ علٰحدہ کالج (مدارس عالیہ) کھولے جائین گے، جنمین سے ایک کالج "کلیہ اسلامیہ" (اسلامیہ کالج) کے نام سے اس سال کھل گیا ہے، اسی طرح سال آیندہ طب، قانون و سیاست، سائنس، آداب و فلسفہ، اور صنعت و حرفت کے لئے علٰحدہ علٰحدہ کالج کھولے جائین گے، اور یہ دانشگاہ (یونیورسٹی) کلیۂ اسلامیہ (اسلامیہ کالج) کلیۂ طبیہ (میڈیکل کالج) کلیۂ حقوق و سیاست (لاکالج) کلیۂ علوم (سائنس کالج) کلیۂ فنون (آرٹس کالج) اور کلیۂ فلسفہ و آداب و تربیت پر مشتمل ہوگی،

ان مین سے کلیۂ علومِ دینیہ اسلامیہ کا افتتاح گذشتہ مہینہ مین ہوگیا ہے، اس موقع پر وزیر تعلیم نے اپنے خطبہ مین کہا:-

"وزارت تعلیم نے علوم دینیہ اسلامیہ کے لئے ایک کلیہ کی تاسیس وقیام کا عزم کیا ہے، اسلامی علوم وفنون اس وقت یورپ کے علوم جدیدہ وفنون متنوعہ سے متزلزل ہورہے ہین، وزارت تعلیم نے عزم کیا ہے کہ وہ مختلف اسلامی علوم وفنون فقہ، حکمت وفلسفہ وادب کو جمع کرکے ان کی حفاظت و ترقی کی خدمت انجام دے، انہی اغراض ومقاصد کے ساتھ اس وقت طہران مین اس مدرسہ کا افتتاح کیا جاتا ہے، جو نمونہ ہوگا، اپنے ان تمام مدارس کا جو ایران کے مختلف شہرون مین قائم ہونگے اور اس مرکز سے ملحق کئے جائین گے"

اس مدرسہ علوم دینیہ اسلامیہ کا افتتاح طہران کی ایک وسیع مسجد مین کیا گیا ہے، یہ مسجد جو "مسجد سپہ سالار" کے نام سے موسوم ہے، طہران کی خوبصورت ترین عمارتون مین شمار کیجاتی ہے، اس کا بانی حسین خان سپہ سالار نامی تھا، جس نے ۱۲۹۶ھ مین اس کی تعمیر شروع کی، اور جو ۱۳۰۲ھ مین اختتام کو پہنچی، مسجد مین کہین کہین مرمت اور ترمیم کی ضرورت تھی، حکومت نے اسکی ترمیم وتکمیل کا کام بھی شروع کردیا ہے، تاکہ یہ اس مذہبی مدرسہ کیلئے کارآمد ہو،

اس مدرسہ کا نصاب مرتب کرلیا گیا ہے، علوم دینیہ اسلامیہ کے تین شعبے علومِ نقلیہ، علوم عقلیہ، اور فنونِ ادبیہ قرار پائے ہین،

اس مدرسہ سے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کردیا گیا ہے، جس مین اس وقت تک ۷۰۰۰ کتابین داخل ہوچکی ہین جنمین سے ۱۵۰۱ قلمی کتابین ہین، ان قلمی کتابون مین سے اکثر ایسی ہین، جن کے نسخے یورپ اور ایشیا کے کتب خانون مین مشکل سے ملتے ہین،

اس مدرسہ کے لئے مقصورۂ مسجد کی بلندی پر ایک کرہ بھی تعمیر کیا گیا ہے جس مین ایران کا ایک نو ایجاد آلہ "شاقول" نصب کیا گیا ہے، اس آلہ کو ذرات تعلیم نے پیش کیا ہے، یہ آلہ حرکت زمین کی پیمائش کا کام

دیگا، اس کی ایجاد اس آلہ کی بنیاد پر ہے، جسے یون فوکو نے ۱۸۵۱ء مین پیرس مین ایجاد کیا تھا، اسی سلسلۂ افتتاح مین اس آلہ کا تجربہ بھی پہلی مرتبہ پبلک کو دکھایا گیا، حاضرین اپنی اس ملکی ایجاد کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے، اسے ایران کے ایک ریاضی دان استاذ نے تیار کیا ہے،

اس کلیہ مین تعلیمی مدت ۶ سال رکھی گئی ہے، جو ہر ایک شعبہ منقول و معقول و ادبیات کے لئے جداگانہ ہے، اس ۶ سال کی مدت کے پہلے ۳ سال پر تعلیم کا ایک درجہ تمام ہو جاتا ہے جس کو ختم کرنے پر طلبہ کو "سند یافتہ" کی سند دیجائے گی، پھر جو طالب علم مزید ۳ سال کی تکمیل کر سکیگا اُسے "فقیہ" "حکیم" اور "ادیب" کی سند عطا کیجائے گی، جو یورپ کی یونیورسٹیون کی "ڈاکٹریٹ" کی سند کے مساوی ہوگی،

پھر اسی طرح اس "دانشگاہ" کے دوسرے کلیات کا افتتاح ہوگا، اور ایران کے دوسرے شہرون مین اسی نمونے کے مدارس عالیہ کھولے جائین گے، جو سب کے سب اس "دانشگاہ" کے ماتحت اور ملحق ہونگے،

"ر"

ترکی کی وزارت تعلیم و حفظانِ صحت کی دہ سالہ خدمات،

ترکون نے جنگ عظیم کے بعد استقلال و آزادی وطن کے لئے جو سرفروشانہ متحدہ کوششین کین، ان کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ، اسالہ طلبہ تک مدارس و مکاتب سے نکل کر میدانِ جنگ مین آگئے، اور سرفروشی کرکے وطن کی عزت و ناموس بچائی،

وزارت تعلیم کے خدمات | استقلال وطن کے بعد یہ طلبہ پھر مدارس و مکاتب مین لوٹ آئے، اس وقت تک یہ مدرسے پہلے سے زیادہ زبون حالات مین پہنچ چکے تھے، اور ملک مین تعلیمی ترقی کا سلسلہ مسدود ہو چکا تھا، اس لئے جب نوجوان ترک استقلال وطن کے بعد اصلاحِ وطن کی جانب متوجہ ہوئے، تو تعلیمی سلسلہ مین ان کی پہلی نظر انھی مدارس و مکاتب پر پڑی، اور انھون نے حکومت مین ایک شعبہ وزارت تعلیم قائم کرکے تمام تعلیمی مسائل اس کے سپرد کر دیئے، وزارت تعلیم نے اپنا تعلیمی پروگرام مرتب کرکے اپنی دہ سالہ کوششون سے ان مدارس و مکاتب کو ان کے اعلیٰ مدارج تک

پہنچا دیا، اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد صحیح و مفید تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوکران مدارس سے نکلی،

اس تعلیمی پروگرام مین سب سے پہلی چیز دار المعلمین (ٹریننگ کالج) کی بنا و تاسیس تھی، چنانچہ ۲۵ دار المعلمین قائم کئے گئے، جن سے اساتذہ کی ایک کثیر تعداد فارغ التحصیل ہوکر نکلی، اور آجکل انہی دار المعلمین کے فارغ التحصیل مین سے (۱۵) ہزار اساتذہ ابتدائی جماعتون کو تعلیم دیتے ہین جنمین اسوقت ۵۰۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہین، اگر اس تعداد کی ترکون کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے تطبیق دیجائے تو معلوم ہوگا کہ گویا ترکی مین جبری ابتدائی تعلیم کا قانون رائج ہو چکا ہے،

ترکون نے جبری تعلیم کا واقعی قانون بھی نافذ کیا، جس سے ترکون کے خواندہ افراد کے اعداد و شمار مین نمایان ترقی ہوئی، جس زمانہ مین ترکی مین نئے لاطینی حروف رائج کئے گئے، ان دنون وہان ہزارون مدارس ہر ہر شہر اور قریہ مین کھولے گئے، اور حکم نافذ ہوا کہ ترکی کا ہر متنفس اپنے روزانہ کے معمولات سے فارغ ہوکران مدارس مین حاضر ہو، اوران حروف مین لکھنا پڑھنا سیکھے، ہر شہر کے باشندون کی حاضری کا رجسٹر مرتب کیا گیا، اوران رجسٹرون مین شہر کے ہر باشندہ کی حاضری لازمی قرار پائی، اوران حروف مین نوشت و خواند کی سند کا حاصل کرلینا بھی لازمی قرار پایا، چنانچہ تمام مرد، عورت، بوڑھے، جوان، امیر اور فقیران مدارس مین حاضر ہونے لگے، اوراس وقت تک ۸ لاکھ نفوس ان لاطینی حروف مین لکھنے پڑھنے کی سند حاصل کرچکے ہین، اس جبری تعلیم سے ترکون کی خواندہ جماعت مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا،

اسی طرح اس وقت ترکی کے ثانوی مدارس مین ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہین، ان مدارس مین مختلف علوم کے علاوہ، زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ کی تعلیم بھی دیجاتی ہے، پھر "دار الفنون" کے نام سے مدرسے جداگانہ ہین، جن مین ثانوی مدارس سے فارغ ہوکر طلبہ داخل ہوتے ہین، دار الفنون مین ریاضی، طبیعیات، فلسفہ، قانون، واقتصاد وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، دار الفنون کے پروفیسرون کی تعداد ۵۰۰ ہے، دار الفنون مین مختلف مضامین کے لئے جداگانہ مدارس عالیہ ہین، جن مین مختلف علوم وفنون تجارت، صنعت، زراعت، جنگلات، کمپونڈری، دندان سازی، بیطاری، انجنیری اور جہاز رانی وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، اسی طرح فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے، لیکن اسکا تعلق وزارت حربیہ سے رکھا گیا ہے، وزارت حربیہ نے بھی ان مدارس پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، اوراعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا ہے

ترک لڑکیون کو بھی مدارس حربیہ کے تمام مدارس مین اپنا داخلہ کرانے کا حق حاصل ہے، چنانچہ وہ بھی مردون کے دوش بدوش پڑھتی ہین، اور مدارس ثانوی سے نکل کر دار الفنون کے مختلف شعبون کے مدارس عالیہ مین داخل ہوتی ہین، اور بالعموم ڈاکٹری، کمپونڈری، اور دندان سازی وغیرہ کے مدارس سے فارغ ہوکر نکلتی ہین، نیز نسوانی ضروریات کی خاص تعلیم کے لئے علحدہ مدرسے کھولے گئے ہین، یہ گویا اسی طرح عورتون کے لئے مخصوص ہین جیسے مدارس حربیہ مردون کے لئے خاص ہین، عورتون کے ان مدارس مین سب سے اعلی پیمانہ پر انگورہ کا مدرسہ "مدرسہ عصمت پاشا" ہے ان مدارس مین نسوانی ضروریات کی تعلیم وتدریس کے وہ جملہ ضروری سامان جو زمانہ حال مین مہیا ہوسکتے ہین، موجود ہین اسی طرح عورتون کے لئے ایک قسم کے جداگانہ مدارس اور بھی ہین، جن مین انھین سینے پرونے، بننے، بچون کی پرورش اور امور خانہ داری کی تعلیم وتربیت دیجاتی ہے،

وزارت تعلیم نے صنعت طباعت ونشر کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ مین رکھا ہے، مطابع زیادہ تر قسطنطنیہ مین کھولے گئے ہین، جن سے کتابون کی بڑی تعداد چھپ کر نکلتی ہے، چنانچہ اعداد وشمار کے لحاظ سے ۴ ہزار قسم کی کتابین سالانہ چھپ کر نکلتی ہین، اور ان کی مجموعی تعداد ۴ لاکھ ہوتی ہے، اسی طرح اس نے مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابون کی تالیف وترجمہ کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ مین رکھا ہے، جن طریقون پر نصاب کی یہ کتابین تیار کیگئی ہین، اور جس نوع کے ان مین مضامین ہین، ان کا تذکرہ معارف کے ان صفحات مین کسی گذشتہ موقع پر آچکا ہے،

وزارت تعلیم نے ملک مین علوم وفنون اور صنعت وحرفت کے پھیلانے اور ذوق پیدا کرنے کی بھی پوری کوششین کی ہین، چنانچہ اکثر شہرون مین زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت کی نمائش گاہین قائم کی گئی ہین، اور ان کے نہایت مفید اثرات ملک مین مترتب ہوئے ہین، اسی طرح اشاعت کا ایک مخصوص طریقہ اس نے یہ اختیار کیا ہے کہ چند موٹرون پر انواع واقسام کی چیزین لاد کر ملک مین انھین گشت کرنے کے لئے متعین کردیا ہے، یہ موٹرین ایک شہر سے دوسرے شہر مین جاتی ہین، چیزون کی نمائش کرتی ہین، اور لوگون کو شوق دلاتی ہین، ان اشتہاری موٹرون کا تذکرہ بھی ان صفحات مین کسی موقع پر مفصل آچکا ہے،

اسی طرح علوم تاریخ وجغرافیہ وغیرہ کی خدمت کے لئے مختلف علمی انجمنین مختلف مقامات پر قائم ہین، ان انجمنون کے ارکان کی مجموعی تعداد جوان سے دلچسپی لیتے ہین، اور کام کرتے ہین، ہزارون تک ہے، یہ تمام جمعیتین اور انجمنین ایک مرکزی انجمن "انجمن دانش" (اکاڈیمی) کے ماتحت ہین،

ملک مین اس قسم کی مختلف علمی، ادبی تعلیمی اورصنعتی ترقیون کے باوجود، ترکی سے ہرسال جوطلبہ تحصیل علوم کیلئے یورپ وامریکہ کو جاتے ہین، ان کی تعداد ہرسال ایک ہزارسے زیادہ ہوتی ہے،

وزارت صحیہ کے خدمات وزارت حفظان صحت کی دہ سالہ ترقیان حیرت انگیز ہین، ترکی مین قیام جمہوریت سے پیشتر عہد عثمانی مین حفظان صحت کا صرف ایک محکمہ "محکمہ حفظان صحت" تھا، جو وزارت داخلیہ سے ملحق تھا، حکومت ملیہ انگورہ نے معاہدۂ لوزان کے بعد جب نئے سرے سے حکومت کی تشکیل کی تو اس نے ایک مستقل وزارت، "وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ" کے نام سے قائم کی،

"وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ" نے اولاً ہر ولایت مین ایک محکمہ حفظان صحت اور ضلع کی ہرحکومت مین ایک محکمہ طبابت قائم کیا، اور یہ سب اپنے مرکز، وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ" سے ملحق رہے، اس طریقہ سے ۶۲ محکمہ حفظان صحت اور چندسو محکمہ طبابت قائم ہوگئے،

اس جدید نظام کے قیام سے ایک دشواری ڈاکٹرون کے ملنے کی ہوئی، ترکی کے سند یافتہ ڈاکٹر بالعموم بڑے اور مرکزی شہرون مین رہنے کے عادی تھے، وہ چھوٹے شہرون اور دیہاتون مین جانے سے گھبرائے بالآخر حکومت کو ایک جبری قانون نافذ کرنا پڑا کہ ہر ڈاکٹر کیلئے دو سال کسی نہ کسی چھوٹے شہر اور دیہات مین قیام کرنا لازمی ہے، اس قانون کے نفاذ کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ مین طبی امداد مہیا ہوگئی،

اس کے بعد وزارت صحیہ نے شفاخانے کھولنے کا اہتمام کیا، چنانچہ ابتدائً (۱۵۰) چھوٹے بڑے شہرون اور دیہاتون مین ایسے شفاخانے کھولے گئے جن مین مریضون کے قیام کا بھی انتظام تھا، پھر (۳۰۰) شہرون اور دیہاتون مین چھوٹی ڈسپنسریان کھولی گئین جنہین مریض اپنا معائنہ کراتے، اور دوائین لے کر چلے جاتے

ڈسپنسریون اور شفاخانون کے کھولنے مین تعمیرات کا ایک وسیع سلسلہ چھڑ گیا، اور بیک وقت لاکھون روپیے کے مصارف حکومت کو برداشت کرنے پڑے،

وزارت صحیہ نے ان اسپتالون کے قائم کرنے کے علاوہ ایک دوسری مفید اجتماعی خدمت جو انجام دی وہ امراض متعدی وآبائی کے لئے ایک مستقل محکمہ کا قیام ہے جس حصۂ ملک مین جن جن امراض کا غلبہ تھا، وہان ان کے مخصوص اسپتال قائم کئے، اس طرح پوری مملکت ترکیہ امراض کی نوعیت کے لحاظ سے متعدد حصون مین تقسیم ہوگی اور ہر حصہ مین مختلف امراض ملیریا، آتشک، سل، دق اور بچون کے خاص امراض کے علاج کے مرکز قائم کئے گئے ان مرکزون اور ان کے ماتحت مقامات کا مفصل نقشہ شائع کیا گیا ہی اسیطرح ان شفاخانون، ڈسپنسریون، اور علاج کے مرکزون مین جو دوائیان بہم پہنچائی گئین، ان کی لاگت لاکھون تک پہنچی ہے،

ان طبی کوششون سے ترکون کی صحت وتندرستی کو نمایان فائدہ پہنچا، اور اعداد وشمار واضح ہین، کہ ہر قسم کے امراض مین نمایان کمی ہوگئی، اور لاکھون مریض صحتیاب ہوئے،

وزارت صحیہ نے بچون کی پرورش، پرداخت، اوران کے علاج ومعالجہ پر خصوصیت سے توجہ کی، اور بچون کے موجودہ پرورش وپرداخت کے طبی وتمدنی اصول وطریق کی عوام مین اشاعت کی، اور خود حکومت نے ایسے مرکز قائم کئے جن مین اعلیٰ پیمانہ پر پرورش وپرداخت کا سامان بہم پہنچایا، چنانچہ انگورہ، بلاطہ، آطنہ اور ارض روم وغیرہ مین پرورش اطفال کے مرکز قائم ہین،

اسی طرح اس نے دواؤن کی تیاری کے لئے متعدد معمل اور ادارے کھولے، جن مین علمی وفنی تدقیقات کے ساتھ دواسازی کا کام جاری ہے، ان کی بھی ایک لمبی تفصیل ہے،

وزارت صحیہ کے قوانین، طریق کار اور نظام کی تفصیل مین کتاب کی ایک مستقل ضخیم جلد ہے، حقیقت یہ ہو کہ ترکی جمہوریت سے ترکی قوم کو جو فوائد پہنچے ہین، انھین دیکھنے کے لئے محض وزارت تعلیم و وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ کی خدمات پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہے، اُن سے حکومت کے دوسرے شعبون کی کارگذاریون کا بھی اندازہ ہوگا

اور نظر آئیگا کہ ترکی حکومت نے پوری مملکت ترکیہ اور ترکی قوم مین ایک نئی روح پھونکدی ہے، جو پوری قوم کو بیدار کرکے اسکو ہر شعبۂ زندگی مین اسکے معراج کمال پر لیجارہی ہے۔

(آئینۂ عرفان کابل)

"د"

کرۂ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان

ڈاکٹر والٹر اڈمس (WALTER ADAMS) نے جو رصد خانہ ماونٹ ولسن (امریکہ) کے ڈائرکٹر ہین، حال مین یہ دریافت شائع کی ہے کہ نظام شمسی کے نو سیارون مین صرف تین سیارے ایسے ہین جہان حیات ممکن ہے، یہ سیارے زہرہ، ارض، اور مریخ ہین، عطارد حد سے زیادہ گرم اور کرۂ ہوا سے بالکل معریٰ ہے، اس لئے وہان زندگی کا قیام ممکن ہی نہین، زہرہ کی آب وہوا اس سے بہت زیادہ بہتر ہے، اس کی وسعت کرۂ ارض کی وسعت کے قریب قریب ہے، اس کا کرۂ ہوا بھی کافی وسیع ہے، اگرچہ اس کا کرۂ ہوا زمین کے کرۂ ہوا سے کسی قدر کم کثیف ہے، اور گہرے بادلون سے پُر رہتا ہے،

ڈاکٹر اڈمس کا خیال ہے کہ ہیئت دانون نے زہرہ کی سطح غالبًا اب تک نہین دیکھی ہے، اسی وجہ سے اس کی سطح کے حالات سے متعلق کوئی واقفیت موجود نہین ہے، یہ بھی دریافت نہین ہوسکا ہے کہ زہرہ مین دن کتنا بڑا ہوتا ہے، اس سیارہ کی رات کے حصہ کا ٹمپریچر بھی بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جو دن کے حصہ کا ہے، لہذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی گردش محوری چھوٹی ہے، برخلاف اس کے طیف نما (SPECTROSCOPE) کی مدد سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک دن کرۂ ارض کے کئی دنون کے برابر ہے، زہرہ کے کرۂ ہوا کی ترکیب کا اہم مسئلہ طیف نما نے ایک حد تک حل کردیا ہے، بادلون کی تہ کے اوپر زیادہ تر کاربن ڈائی اکسائڈ (CARBON DIOXID) ہے، اور اگر اس کے تمام کرۂ ہوا مین یہی عنصر غالب ہے تو یقینًا اس کی سطح پر اُس نوع کے جاندارون کا وجود ممکن نہین جس نوع کے جاندارون پر کرۂ ارض کی آبادی مشتمل ہے، اس سلسلہ مین ایک نظریہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کا آکسیجن پودون سے نکلتا ہے جو کاربن ڈائی آکسائڈ استعمال کرتے ہین اور آکسیجن کو بیکار پیداوار کے طور پر خارج کردیتے ہین، ممکن ہے کہ زہرہ کے کرۂ ہوا مین کاربن ڈائی آکسائڈ کی کثرت کی وجہ سے پودے یا جاندار وہان زندہ نہ رہ سکتے ہون، لیکن یہ چیز

یقین کے ساتھ نہین کہی جاسکتی، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرۂ ہوا کا بالائی حصہ اس کے تحتانی حصہ سے بہت کچھ مختلف ہو، چنانچہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کے بالائی حصہ مین زیادہ تر نائٹروجن ہے، لہذا اگر کوئی شخص طیف نما کے ذریعہ زمین کو زہرہ کی سطح سے دیکھے، تو وہ بجا طور پر یہ قیاس کر سکتا ہے کہ کرۂ ارض پر بھی کوئی زندگی نہین ہے،

مریخ کی مشہورہ "نہرون" کا مسئلہ ابھی تک مختلف فیہ ہے، اگرچہ آج بہت کم ہیئت دان ان کو مصنوعی تسلیم کرتے ہین، اس مین شبہ نہین کہ متعدد اہم باتون مین مریخ کرۂ ارض سے بہت مشابہ ہے، مثلاً مریخ کی گردش محوری کی مدت بھی ۲۴ گھنٹہ ہے، اس لئے اس کے دن و رات کی طوالت بھی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کرۂ ارض کے، موسم سرما مین اس کے قطبین مین بھی برف جمع ہو جاتی ہے، اور پھر موسم بہار مین گلنے لگتی ہے، موسم گرما مین اس کے استوائی حصون مین نباتات کی علامتین نمایان طور پر دکھائی دینے لگتی ہین، علاوہ برین اس کا بھی ایک کرۂ ہوا ہے، اور کبھی کبھی اس مین بادل بھی نظر آجاتے ہین، مشابہت کی ان مثالون کے باوجود دونون سیارون کے حالات مین اختلاف بھی بہت زیادہ ہے، رصدخانہ ماؤنٹ ولسن کی جدید ترین تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کے کسی ایک ٹکڑے کے اوپر آزاد آکسیجن کی جو مقدار ہے، وہ کرۂ ارض کے اتنے ہی بڑے ٹکڑے کے آکسیجن کے ہزارون حصہ سے زیادہ نہین ہو سکتی، اسی طرح اگرچہ مریخ مین بھی آبی بخار موجود ہے، تاہم کرۂ ارض کے مقابلہ مین اس کی مقدار بہت ہی کم ہے، پھر یہ کہ اس کا ٹمپریچر انتہائی درجون تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ مریخ آفتاب سے قریب ترین سیارہ ہے، تاہم اس کا موسم کسیقدر سرد ہی رہتا ہے، یعنی خطوط سرطان و جدی کے درمیانی خطون مین بھی تقریباً (۶۰) درجہ فارنہائٹ شب مین یہ صفر سے (۴۰) درجہ نیچے آجاتا ہے،

مشتری کے متعلق بعض ہیئت دانون کی رائے تھی کہ اس کی سطح پر اتنی حرارت موجود ہے کہ زندگی قائم رہ سکتی ہے، لیکن اب رصدخانہ لاول کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سلائفر نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ مشتری اور زحل دونون سیارون کے کرۂ ہوا کا بالائی حصہ زیادہ تر میتھین اور امونیا سے مرکب ہے، میتھین ایک دھماکا پیدا کرنیوالی اور اڑا دینے والی گیس ہے، جسے دلدلی گیس بھی کہتے ہین، امونیا ایک مشہور گیس ہے، جن لوگون نے اُسے سونگھا ہے، وہ اندازہ کر سکتے ہین کہ مشتری اور زحل پر زندگی کیونکر گذر سکتی ہے، ان سیارون کے ہوائی کرون مین آکسیجن نہین پایا گیا ہے، اگر آکسیجن موجود ہوتا تو ایک بہت بڑے دھماکے کا ہونا لازمی تھا کیونکہ آکسیجن اور میتھین کے باہم ملنے سے سخت دھماکا پیدا ہوتا ہے،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

اخبار علمیہ

امریکہ مین سینما کا بائیکاٹ

سینما کی حیا سوز تصویرون کو دیکھکر بالآخر امریکہ کی شوخ نگاہین بھی نیچی ہوگئین، کلیسائے کیتھولک کے سربرآوردہ ارکان نے اس فساد کی اصلاح کے لیے ایک انجمن حزب الحیار (LEGIONOFDECENCY) کے نام سے قائم کی ہے جس کے صدر آرچ بشپ جان میک نکولس (JOHN MC. NICHOLAS) ہین، اور دوکرور کیتھولک عیسائیون کو ایک عہدنامہ کے ذریعہ سینما کے بائیکاٹ کی ترغیب دی ہے، اس عہدنامہ پر دستخط کرنے والے عہد کرتے ہین کہ وہ اپنے گھرون اور کیتھولک ادارون کے علاوہ اور تمام جگہون کی متحرک تصویرون سے اجتناب کرینگے، پروٹسٹنٹ اور یہودی فرقون کے پیشوا بھی اس تحریک مین شریک ہوگئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ دوسرے تمام فرقون کی شرکت بھی جلد حاصل کرلیجائے گی، اور یہ بائیکاٹ جو عنقریب امریکہ کے طول و عرض مین پھیل جانے والا ہے، دنیا کے دوسرے ملکون مین بھی جاری ہوجائیگا، امریکہ مین سینما دیکھنے والون کا اوسط تخمیناً سات کرور ستر لاکھ فی ہفتہ ہے، جن مین سے دوکرور تیس لاکھ تماشائیون کی عمرین اکیس سال سے کم ہین، تحریک بائیکاٹ کی کامیابی سے سینما کمپنیون کو جو خطرہ ہے، اسکا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ان کمپنیون کی ایک منتخب کمیٹی نے آرچ بشپ آف سینٹ لوئی سے یہ استدعا کی ہے کہ ارکان حزب الحیار کو مہذب تصویرین دیکھنے کی اجازت دیدیجائے، لیکن آرچ بشپ موصوف نے جواب دیدیا ہے کہ "یہ اس وقت ممکن ہے جب بجز پاکیزہ تصویرون کے اور کسی قسم کی تصویر سینما گھرون مین نہ دکھائی جائے، اگر ان مین اچھی اور بری دونون قسم کی تصویرین

دکھائی جائینگی تو ہم اپنی جماعت کو دونوں سے روک دینگے، جب تک بری تصویرین بالکل نکال نہ دیجائین اچھی تصویرین بھی ان کے ساتھ رہنے سے خراب ہو جائین گی؛

امریکن سینما کی اُن تصویرون کے خلاف جن مین امریکہ کی خانگی زندگی کا نقشہ دکھایا گیا ہے، چین، جاپان، ترکی، اور متعدد یورپین ممالک نے احتجاج کیا ہے اور حیرت ظاہر کی ہے کہ تہذیب جدید کے اس علمبردار نے اپنے آپ کو تمامتر عیش پرستی اور فحاشی کی نذر کر دیا ہے، ان شکایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کے ایک نمایندہ ریمنڈ کینن (RAYMOND CANNON) نے امریکہ کی مجلس ملی کے سامنے ایک تجویز پیش کی ہے کہ جو تصویرین اخلاقی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہین اُن کا داخلہ ایک ریاست سے دوسری ریاست مین قانوناً ممنوع قرار دیدیا جائے، اس تجویز سے سینما کمپنیون مین ایک نمایان تشویش پائی جا رہی ہے، اور وہ کلیسا کے بائیکاٹ سے زیادہ حکومت کی نگرانی سے خائف نظر آ رہی ہین،

بجلی کی دوہری چمک

گذشتہ اپریل مین کیپ ٹون یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے مشہور سائنس دان پروفیسر شان لینڈ (SCHONLAND) نے ایک جلسہ مین اپنی دریافت بیان کی تھی کہ بجلی کی چمک دوہری ہوتی ہے، اب امریکہ کے تین سائنس دانون مسٹر لوائڈ (W.L.LLOYD) مسٹر میک ایکرون (K.B.MC-EACHRON) اور مسٹر میک مورس (W.A.MC MORRIS) نے تازہ ترین تحقیق کے ساتھ اس بیان کی تصدیق کی ہے اور ایک خاص قسم کے نو ایجاد کیمرے سے بجلی کی تصویرلے کر یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اس کی چمک دوہری ہوتی ہے، ان تصویرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چمک سے پہلے ایک باریک برقی خط بادل سے زمین کیطرف آتا ہے، جس کی رفتار (۱۴) سے (۱۸) فٹ فی مائکرو سکنڈ یعنی ایک سکنڈ کا دس لاکھوان حصہ ہوتی ہے اس کے بعد فوراً ہی ایک زبردست کڑک ہوتی ہے، اور بجلی پہلے خط کے راستہ پر زمین سے بادل کیطرف جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اس دوسری چمک کی رفتار پہلی چمک سے آٹھ دس گنا زیادہ ہوتی ہے،

سائنس اور کلچر

انگلستان کے بعض اکابر فلسفہ و سائنس نے موجودہ سائنس اور کلچر پر کتابون کا ایک سلسلہ مرتب کرنا شروع کیا ہے جس کی پہلی جلد "سائنٹفک تحقیق اور معاشی ضروریات" (SCIENTIFIC RESEARCH & SOCIAL NEEDS) کے عنوان سے پروفیسر جولین ہکسلے کے قلم سے نکل کر ابھی حال مین شائع ہوئی ہے، اور رسالہ لٹریری گائڈ نے اس پر ایک نوٹ لکھا ہے، اس سلسلہ کا مقصد جدید دنیائے فکر و عل کی تصویر پیش کرنا ہے جس کی تشکیل آج سائنس کے ہاتھون ہو رہی ہے، پروفیسر ہکسلے کی تصنیف سائنس کے گذشتہ کارنامون کا ذکر کرنے کے بعد نوع انسانی کی آیندہ ترقیون کے لئے اس کی ضرورت اور بہبود و فلاح انسانی کے لئے اسکی ناگزیری بیان کرتی ہے، اس سلسلہ کی ہر جلد جدید خیالات کے کسی ایک پہلو سے متعلق ہوگی، اور پورا سلسلہ بحیثیت مجموعی سائنس کی ہمہ گیر وسعت پر مشتمل ہوگا، اس کی جدید ترین تحقیقات کو پیش کرے گا، اور وہ طریقے بتائے گا جن سے مزید ترقی کی امید ہے، اس سلسلہ کی ادارت پروفیسر لیوی نے قبول کی ہے،

شہاب ثاقب سے متعلق جدید معلومات

حال مین کئی بڑے بڑے ستارون کے ٹوٹ کر گرنے سے شہابون کی تحقیق و تفتیش بہت سرگرمی کے ساتھ کی جارہی ہے اور اس سلسلہ مین بعض اہم مسائل سامنے آرہے ہین جنمین سے ایک سوال آواز اور روشنی کی رفتار سے متعلق بھی پیدا ہو گیا ہے، اب تک روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے بہت زیادہ تیز تسلیم کی جاتی تھی، لیکن اب یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ کیا دونون کی رفتار برابر ہے، اس سوال کا سبب یہ ہے کہ بہتیرے قابل وثوق شاہدون نے بیان کیا ہے کہ شہاب ثاقب ہوا مین سو میل یا اس سے زیادہ کی دوری پر تھا جبھی انھون نے اس کی سنسناہٹ سنی تھی اور بعض اوقات اس سنسناہٹ ہی کو سنکر ان کی توجہ گرنے والے ستارہ کی طرف مبذول ہوئی تھی،

شہابون کے متعلق جدید تحقیق سے ایک چیز یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ شہابی مواد ہر روز کثرت کیساتھ زمین تک پہنچتا رہتا ہے، چنانچہ امریکہ صغریٰ سے جو اینٹ آرٹک (ANTARTIC) مین واقع ہے، شہادت آئی ہے کہ ایک ارب بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ چھوٹے چھوٹے شہابے ہر روز زمین کے ہوائی کرہ مین گرفتار ہوتے رہتے ہین،

مردون اور زندون کی گفت وشنید

برطانیہ کے مشہور سائنس دان سر آلیور لاج کا ایک مضمون، سالہ سنڈے گرافک مورخہ ۲۹ جولائی ۳۴ء مین چھپا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ مردون اور زندون کے درمیان گفت وشنید کا تعلق "دورخیالی (TELEPATHY) کے ذریعہ ممکن ہے، کیونکہ جو شخص مرچکا ہے وہ جسمانی اعضار سے محروم ہوچکا ہے، اور اگر اپنے کسی عزیز کو کسی واقعہ سے مطلع کرنا چاہے تو اسے دقت محسوس ہوتی ہے، تاہم دورخیالی کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے"

کچی اور پکی غذائین

اب تک ایک بڑی جماعت قائل تھی کہ جسم کی طاقت اور توانائی کے لئے کچی غذائین پکی غذاؤن سے زیادہ مفید ہوتی ہین، لیکن جدید ترین تحقیق کے مطابق جو کولمبیا یونیورسٹی مین کی گئی ہے یہ خیال سائنٹفک تجربہ کے خلاف ثابت ہوا ہے، اور یہ دیکھا گیا ہے کہ پکی غذائین جسم کو زیادہ طاقت اور توانائی بخشتی ہین،

کرۂ زمین کی گہرائی،

کرۂ زمین کی موٹائی اور گہرائی کے متعلق ابھی تک مختلف قیاس آرائیان تھین لیکن اب ماہرین سائنس اپنے مختلف تجربون سے اس نتیجہ تک پہنچے ہین کہ کرۂ زمین کی سطح کی گہرائی اور موٹائی ایکہزار ۸ سومیل ہے، اس قیاس مین انھین زلزلون کے جھٹکون سے بھی مدد ملی ہے، جو بڑی سرعت رفتار کیساتھ سطح زمین کے اندر جاتے ہین، اور ایک ہزار ۸ سومیل پر جاکر رک جاتے ہین،

"ع ز"

ادبیات

کلام طاہر

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خانصاحب طاہر

بگوشِ او گذرِ آہِ بے نوائے نیست — شکستِ شیشۂ دل را مگر صدائے نیست
گر از محبتِ خود بد گمان شوم چہ عجب — رقیب ساختہ بودن کم از جفائے نیست
فدائے نیم نگاہش ہزار عشوہ و ناز — کدام شیوہ کہ در ضمنِ یک ادائے نیست
رسیدنِ تو ندانستہ ناگہان بسرم — مبارک است ولے حسبِ مدعائے نیست
بود معانقۂ عید رسم ناز و نیاز — وگرنہ جلوۂ او باکس آشنائے نیست
پس از ہزار ستم یار بے وفا نبود — بہ نیم شکوۂ من گو بدایں وفائے نیست
ہزار وعدہ اگر بشکنی مرا چہ غم است — کہ دانم ایں کہ سرایں بندۂ خدائے نیست
تغافلِ تو گواہِ محبتِ تو بس است — خوشم بطالعِ خود بے اثر دعائے نیست
گہے بطاہرِ دل خستہ یک نگاہِ کرم — معاشرانہ سوالے است التجائے نیست

خونِ جگر

از جناب جگر مراد آبادی

ادا جو آئے وہ بے عیب و بے قصور آئے — خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے

ذرا تو آنکھ کھلے، عقل مین شعور آئے ہم اپنے آپے مین آئین تو وہ ضرور آئے
نکل کے عشق جو حدِ ادب سے دور آئے اُدھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے
جسے ذرا بھی غمِ عشق پر غرور آئے ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے
چلون مین، راہِ محبت مین، بے نیازانہ مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصبور آئے
خود اپنی منزلِ دل، محو ہوتی جاتی ہے نظر مین جب سے مقامات دور دور آئے
ہیں وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن؟ ہمین سرور نہ آئے، اُنھین سرور آئے
ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد جو دل ہی صاف نہ ہو، کیا جبین پہ نور آئے
زمانے تک تری گلیون کی خاک چھانی ہو مری نگاہ مین کیا جلوہ گاہِ طور آئے
کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا کہ جیسے حافظ شیراز چور چور آئے
مجاز ہے کہ حقیقت یہان تو حال یہ ہے ترے حضور سے اُٹھے، تری حضور آئے
انھین ہے عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے؟ وہ خود حسین ہے، اُسکو نہ کیون غرور آئے
اجل جو آتی ہے آئے، مگر اسی صورت کہ جیسے زلفِ پریشان وہ رشکِ حور آئے
عجیب چیز ہے میخانۂ تصور بھی یہان سے ہوش مین پہنچے، وہان سے چور آئے
نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا سزا ملی ہے کہ ہم کیون ترے حضور آئے
وہین سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا کیا جہان سے ہو کے بہت لوگ ناصبور آئے
ادھر طرف سے کھینچ لے گا، وہان شوق سلام کہین جو راہِ طلب مین مقامِ طور آئے

ہزار بار لکھے تو، ہمارا نامۂ شوق
ترے بلائے جگر آئے وہ ضرور آئے

مطبوعات جدیدہ

تاریخ سلطنت خداداد، از جناب محمود خان بنگلوری، ۵۷۴ صفحات، اللعہ، پتہ:- جناب محمد سراج الدین نمبر ۴۹، بلاکپلی روڈ، بنگلور۔

"تاریخ سلطنت خداداد" میسور کی نامور سلطنت کے نامور بانی حیدر علی، اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان کی مکمل تاریخ ہے، یہ ایک طرف مواد اور دلائل اور دوسری طرف جوش و خروش اور عقیدت کے ساتھ مرتب کیگئی ہے، تاریخ سلطنت خداداد کے مصنف اس سے پہلے تاریخ سلطان شہید کے نام سے ٹیپو سلطان کی سوانحعمری شائع کر چکے ہیں، اب اس کتاب کے ذریعہ انھون نے حیدر علی اور ٹیپو، دونون کی سوانحعمریون اور جنگی و عمرانی کارنامون پر مشتمل مختلف ابواب آگے پیچھے بڑھا کر سلطنت کی تاریخ مکمل کردی ہے، بلاشبہہ ان مجاہدین کے کارنامون سے اردو زبان اس وقت تک تہی دامن تھی، مصنف نے یہ بڑی کمی پوری کی، ترتیب کتاب مین مصنف نے فارسی اور انگریزی کے قریب قریب سب ماخذون سے فائدہ اٹھایا ہے، اور کوشش کی ہے کہ سلاطین کے کارنامون کے ساتھ ان کی حریف طاقتون یعنی انگریز، نظام، اور مرہٹون کے باہمی تمام ساز و باز کو کھول کر رکھدین، یہ کتاب ہندوستان مین انگریزون کے طاقت پکڑنے اور اسلامی سلطنتون کے زوال پانے کے اسباب کے سمجھنے مین بھی بڑی مددگار ہوگی۔

ترجمہ و شرح کلیات قانون، از مولوی حکیم محمد کبیر الدین صاحب استاذ طبیہ کالج دہلی، ناشر دفتر المسیح، قرولباغ، دہلی، ضخامت ہر دو حصہ ۱۱۸۰ صفحہ۔

حکیم محمد کبیر الدین صاحب، طبی کتابون کی تالیف و ترجمہ کی مفید خدمت مین مصروف ہین، اس سلسلہ کی نئی کڑی شیخ بوعلی سینا کی ضخیم کتاب کلیات قانون کا ترجمہ مع ضروری حواشی و شروح ہے، حکیم صاحب موصوف

کو علمی کتابون کے اردو مین منتقل کرنے کا ایک خاص سلیقہ حاصل ہوگیا ہے، اس لئے اس کتاب کے فن کی اہم و مغلق کتاب ہونے کے باوجود، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور روان ہے، کتاب مین ایک جانب اصل عربی عبارت اور دوسری طرف اس کا ترجمہ درج ہے، اصطلاحات کی تشریح وہین پر قوسین مین کردی ہے، اور معانی و مطالب کی تشریح، کتاب کی مختلف مستند شرحون کے ترجمے سے کی ہے، جن مین گیلانی کی شرح پر زیادہ اعتماد کیا ہے، نیز بعض مقامات پر اپنی ذاتی رایون اور معلومات کو بھی درج کیا ہے، مضامین کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی آخر مین منسلک ہے، اگر کتاب کے دیباچہ کے ان اوراق مین جہان ابواب و فصول کا ذکر ہے، اس اردو نسخہ کے صفحات قوسین مین درج کر دیئے جاتے تو ابواب و فصول اور ترتیب مضامین کی فہرست بھی تیار ہو جاتی،

مرحوم دہلی کالج، از مولوی عبدالحق صاحب، بی اے، ۱۰۰ صفحات تقطیع رسالہ اردو کی، عہر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

مولوی عبدالحق صاحب بی اے، نے رسالہ اردو کے کئی نمبرون مین دہلی کے مشہور مدرسہ، دہلی کالج پر مسلسل مضمون لکھے تھے، انھین اب کتاب کی شکل مین شائع کیا گیا ہے، مضمون پر از معلومات ہے، اس سے اٹھارہوین اور انیسوین صدی مین ہندوستان کی تعلیمی حالت پر روشنی پڑتی ہے، جس زمانہ مین کہ ہمارے قدیم مذہبی مدارس بند ہوتے ہین، اور انگریزی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، ہندوستان مین انگریزی تعلیم کے رائج کرنے کی جو کوششین کی گئین، حکومت کا ہندوستان مین تعلیم کے متعلق جو زاویہ نگاہ رہا، اور جو حکمت عملی اختیار کیگئی، یہ سارے مباحث دہلی کالج کی تاریخ کے ساتھ ساتھ، اس رسالہ مین موجود ہین، اس طرح یہ گویا ہندوستان مین مشرق کی مسند علم و فضل کے تہ کرنے اور "لکھر زہال" تعمیر کرکے منبر و محراب پر مغربی بساط تعلیم بچھانے کی ایک سرگذشت ہے،

خیالات مہاتما گاندھی، حجم ہر دو حصہ ۲۱۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ہر ایک حصہ عہ پتہ: جناب رفعت یار خان حکیم بلڈنگ، تیسری منزل، مومن پورہ، بمبئی ۸،

جناب سی ایف اینڈریوز کو گاندھی جی کی زندگی سے گہری دلچسپی ہے، جنوبی افریقہ مین دونون کا ساتھ رہ چکا ہے، موصوف نے اپنی اس انگریزی کی تصنیف مین گویا ان کے فلسفہ مقصد زندگی، اور سیاسی مطمح نظر کو پیش کیا ہے، جو زیادہ تر ان کی تحریرین، تقریرون، اور عام و خاص مجلسون کی گفتگوؤن سے مقتبس و مرتب ہے؛ کتاب دو حصون مین ہے، پہلا حصہ "مذہبی ماحول" اور دوسرا "تاریخی ماحول" کے عنوان سے ہے، جس مین مختلف قسم کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اجتماعی مسائل و مباحث پر ان کے خیالات و معتقدات بیان کئے گئے ہین، موصوف کی یہ انگریزی کتاب یورپ سے شایع ہوئی، اور مقبول ہوئی، اس کا عربی ترجمہ بھی مصر سے شائع ہو چکا ہے، اب بمبئی کے کسی گمنام محب وطن نے اس کو سلیس اردو زبان مین منتقل کیا ہے، کتاب مختلف اعتبارات سے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے،

پیام سالک، از جناب پنڈت دینا ناتھ ہیجر، دہلوی، بی اے، لال حویلی، محلہ چوڑیگران، دہلی،

قیمت مجلد عہ،

جناب پنڈت دینا ناتھ ہیجر، دہلوی، بھگوت گیتا کے منظوم اردو ترجمہ کرنے مین کامیاب ہو چکے ہین، اب انھون نے "اشٹاوکر گیتا" کا اسی طرح منظوم ترجمہ "پیام سالک" کے نام سے کیا ہے، دیباچہ مین دکھایا ہے کہ "اشٹاوکر گیتا" کا زمانۂ تصنیف بھگوت گیتا سے قدیم ہے، اشٹاوکر جی، راجہ جنک کے زمانہ کے مشہور رشی ومنی تھے، اس گیتا کے ترجمے اس سے پہلے بھی اردو نظم و نثر مین ہو چکے ہین، جناب ہیجر نے سب ترجمون کے خصوصیات دکھا کر اس جدید ترجمہ کی ضرورت ظاہر کی ہے، ترجمہ کا طریقہ یون ہے کہ پہلے سنسکرت کے ہر منتر یا اشلوک کا پہلے ایک شعر مین ترجمہ کیا ہے، پھر اس منتر کی مکمل تشریح درج کی ہے، ترجمہ کی زبان صاف اور شیرین ہے، اور تصوف کے اسلامی اصطلاحات بھی استعمال کئے گئے ہین،

مختصر تاریخ عالم، از جناب سید حکیم احمد صاحب نقوی، ۶۰ صفحات تقطیع چھوٹی، قیمت: ۔ عہ

پتہ: ۔ جناب سید امداد علی منیجر گوالیار لیڈر کمپنی، مرار، گوالیار،

مصنف نے دنیا کی مختصر تاریخ چھوٹے چھوٹے حصون مین لکھنے کا ارادہ کیا ہے، اس کا یہ پہلا حصہ ہے جسمین عالم کائنات کے ظہور پذیر ہونے کی داستان بیان کی ہے، اس سلسلہ مین عالم ارض وسما، جمادات اور نباتات کی شکل پذیری دکھا کر ابتدائی آثار حیات دکھائے ہین، پھر حیات کی نشو ونما سے حیات انسانی کے تدریجی ارتقار وتغیرات تک کا بیان آیا ہے، مسائل ومباحث تقریباً سب تحقیقات جدیدہ سے ماخوذ ہین، کتاب قابل قدر ہے، خدا کرے اس سلسلہ کی تکمیل ہو،

فانوس خیال، از جناب نواب امین الدین احمد والی ریاست لوہارو، ۲۰۵ صفحات، عمر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی،

یہ ایک افسانہ ہے، جو ایک والی ریاست، کے قلم سے عام جذبات انسانی کی ترجمانی کرنے کے لئے لکھا ہے، فسانہ مین لڑکیون کی مرضی کے خلاف کسی جگہ شادی کر دینے کے تلخ نتائج دکھائے گئے ہین، اور اسی مین حسن وعشق کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، فسانہ مین مشرقی ومغربی دونون تہذیبون، اور سوسائٹیون کے جلوے نظر آتے ہین، اس کا ہیرو شرفار کے ایک قدیم مشرقی خاندان کا مغربی تعلیم یافتہ نوجوان ہے، جو اپنی اعلیٰ مغربی دیوربی تعلیم اور مغربی سوسائٹیون مین رہنے کے باوجود مشرقی آداب تہذیب اور خیالات کا حامل ہے، مشرق ومغرب کا ایسا امتزاج دلآویز ہوتا ہے، اسی طرح مختلف معاشرتی واجتماعی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، زبان سلیس اور روان ہے، امید ہے یہ فسانہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا، اور اس کی المیہ داستان عبرت آموزی کا سامان بہم پہنچائیگی،

سوز بیدل، از جناب شیخ محمد دلاور خان بیدل، پشاوری، ۱۴۴ صفحات، عمر، پتہ:-

دیوان خانہ بیدل، محلہ ملا فضل گذر گنج، پشاور،

جناب بیدل، پشاور کے باشندہ اور اردو زبان کے پرگو شاعر ہین، اگرچہ موصوف کا آبائی وطن سہارنپور ہے، مگر ننھیال افغانون مین تھی، وہین پیدا ہوئے، اور وہین نشو ونما پائی، اس لئے مادری زبان

فارسی تھی، اور اسی مناسبت سے فارسی کے قادر الکلام شاعر ہیں، لیکن آبائی وطن کی کشش سے زبان اردو کے دلدادہ ہوئے، اور اس زبان میں بچپن ہی سے شعر گوئی فرمانے لگے، "سوزِ بیدل" موصوف کے کلام کا مجموعہ ہے، جس میں غالب حصہ اردو کلام کا ہے، کلام مختلف اصنافِ سخن: غزل، مسدس، قصائد، در مدح شاہان افغانستان اور رباعیات اور قطعات تاریخ وفات و تقریبات پر مشتمل ہے، طرز شاعری تمامتر سادہ، بے نیاز تکلف اور تحسین و تزیین سے بے پروائے، دیوان کے آخر میں معتدد اساتذۂ اردو حضرت ریاض خیر آبادی مرحوم، سائل دہلوی، صفی لکھنوی، اور اثم تلمیذ امیر مینائی وغیرہ کی تقریظیں اور تاریخیں درج ہیں، اچھا ہوتا اگر یہ مجموعہ چھپنے سے پہلے ان میں کسی استاد کی نظر سے بھی گذر چکا ہوتا،

موتی، از جناب سید یوسف بخاری، دہلوی، ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۱۲ر، ناشر جناب سید محمد بخاری گلی امام، جامع مسجد، دہلی،

یہ حکیمانہ و شاعرانہ اقوال کا مجموعہ ہے، ہر نتیجہ خیز مقولہ ایک گوہر آبدار ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام "موتی" رکھا گیا ہے، مقولے مشرقی و مغربی دونوں قسم کے فلاسفہ، حکماء، و شعراء کے ہیں، اور مختلف قسم کے مذہبی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی و جذباتی معانی کے حامل ہیں، جناب مصنف نے اپنے مقدمہ میں ضرب الامثال و اقوال کی تشریح اور مختلف قوموں اور ملکوں کے مقولوں میں موازنہ کیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ ہر قول کے قائل کا پتہ دیا جاتا، اور حوالہ بتایا جاتا،

قرآن ایک معجز نما کتاب ہے، از مولوی محمد عبد البصیر صاحب عتیقی آزاد، سیوہاروی، ناشر جناب سید حسن انیس بقائی دفتر پیشوا، دہلی، ۸۰ صفحات، قیمت: ۶ر

اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے قرآن مجید کے اعجاز کو بدلائل ثابت کیا ہے، مولانا انور شاہ صاحب مرحوم اور مولوی اعزاز علی صاحب دیوبندی وغیرہ نے اس رسالہ کی تحسین کی ہے،

ہندوستانی کلچر، از جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب ناشر دفتر کتاب الہدیٰ، ایلاپور مدراس، قیمت ۸ر

جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے میسور اسٹیٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں بحیثیت صدر خطبۂ صدارت پڑھا تھا، جس

مین مختلف تعلیمی مسائل کے ساتھ زیادہ تر ہندوستانی تہذیب و تمدن کے عنوان پر گفتگو کی ہے، وہی خطبۂ ہندوستانی کلچر کے نام سے شائع ہوا ہے، اس مین موصوف نے دکھایا ہے کہ ہندوستانی زبان یعنی اردو اور عام موجودہ ہندوستانی تہذیب کو اسلامی زبان اور اسلامی تہذیب سے موسوم کیا جارہا ہے، یہ صحیح نہین، ہندوستان کی تہذیب نئے نئے فاتحین سے بنتی اور بدلتی رہی، اب دراصل ہندوستانی زبان یعنی اردو اور ہندوستانی تہذیب وہی تہذیب ہے جسے عرف عام مین ہندوستان مین اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے،

اسلام اور غلامی، مصنفہ جناب میان سلطان احمد وجودی، ناشر منیجر نظامیہ بکڈپو، ٹبالہ پنجاب، قیمت ۳؍

اس رسالہ مین ہندوستان کے باشندون کو اپنی سیاسی "غلامی" سے نکلنے کی دعوت دی گئی ہے، اور ثبوت و دلائل مین "اسلام و پیغمبر اسلام علیہ السلام کے رسم غلامی کے استیصال کرنے کو پیش کیا گیا ہے، ہمین نفس مقصد سے اختلاف نہین، لیکن غلامون کی "اصطلاحی غلامی" اور ہے، اور سیاسی محکومی اور شے، جسے استعارۃً "غلامی" کہا جاتا ہے، تشبیہ و استعارہ کو اصل واقعہ قرار دینا صحیح نہین، آزادی ہند کی کوششین ضرور ہون لیکن یہ تحریک ان دلائل کی محتاج نہین، اسلام مین "سیاسی محکومی" کے متعلق بہت کچھ موجود ہے، اُسے نمایان کیجئے،

جمال الدین افغانی، از جناب قاضی عبدالغفار صاحب ناشر مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی، حجم، صفحہ قیمت ۲؍

قاضی عبدالغفار صاحب نے اردو اکاڈیمی جامعہ ملیہ کے اجلاس مین جمال الدین افغانی کی سیرت پر ایک مقالہ پڑھا تھا، جو اسی نام سے شائع ہوا ہے، اس مین موصوف کے مختصر سوانح حیات کے ساتھ ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤن پر نقد کیا گیا ہے،

خطبات، از مولنا عبدالصمد صاحب رحمانی، امام جامع مسجد، مونگیر، حجم ۳۶ صفحے، قیمت ۲؍، مرتبہ: مولوی محمد رفیق اللہ صاحب صفہ جامع مسجد، مونگیر،

یہ رسالہ چند خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے، جن مین قرآن مجید کی اس آیت لا ینکح الزانی الا الزانیۃ، الایۃ سے اس غلط استدلال کی تردید کیگئی ہے، کہ زانی کا نکاح بجز زانیہ کے کسی سے درست نہین، اور زنا کے بعد نکاح فسخ ہوجاتا

ہے، یہ فتنہ مونگیر میں کسی نومسلم کا اٹھایا ہوا ہے، اور اسی لئے مقامی طور پر اس رسالہ کے ذریعہ اسکے انسداد کی ضرورت پیش آئی،

رازِ نماز، مؤلفہ مولنا احمد، ایم اے، ناشر انجمن تبلیغ الاسلام، نواب گنج، دہلی، حجم ۴۴ صفحے،

رسالہ "رازِ نماز" میں نماز و متعلقاتِ نماز کی خوبیاں اور فوائد دلنشین انداز میں بیان کئے گئے ہیں، رسالہ افادۂ عام کے لئے انجمن مذکورۂ بالا کیجانب سے شائع کیا گیا ہے، اور مفت مل سکتا ہے،

گلدستۂ تبلیغ، مرتبہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب ناشر ادارۂ اصلاح نوجوانان لاہور، حجم ۶۰ صفحے، قیمت

لاہور میں ایک اصلاحی ادارہ "ادارۂ اصلاح نوجوانان" قائم ہے، اس کے سالانہ جلسہ میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر مختلف تقریریں اور نظمیں پڑھی گئیں، ان کا مجموعہ گلدستۂ تبلیغ کے نام سے شائع ہوا ہے،

جلوۂ سبحانی، مرتبہ جناب رشوا و تاج، صاحبان، شائع کردہ انجمن اسلامیہ گونتی ضلع فتحپور، ۲۴ صفحے،

سہسرام کے ایک باہمت مسلمان سید شاہ سبحان احمد صاحب پاپیادہ حج کو نکلے ہیں، اور التزام یہ رکھا ہے کہ ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل ادا کریں، یہ کام اسلامی نقطۂ نظر سے جیسا کچھ ہو، لیکن وہ جہاں جہاں سے گذرے، مسلمانوں نے ان کی پذیرائی کی، اس رسالہ میں موصوف کے سوانحِ حیات کے ساتھ ان کے مقام گونتی ضلع فتحپور پہنچنے اور ان کے استقبالیہ جلسوں وغیرہ کی روداد کا تذکرہ ہے، اور استقبالیہ نظمیں اور رباعیاں درج ہیں، رسالہ کا دیباچہ الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر زبید احمد صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے لکھا ہے،

نمازِ عشق، از جناب شفق رضوی، عماد پوری، ۸ صفحے، ناشر مولوی غلام مصطفےٰ جذب جائسی

مدرسہ سبحانیہ، الہ آباد،

یہ ایک مسدس نظم ہے، جو جناب سید سبحان احمد صاحب سہسرامی موصوف کی شان میں الہ آباد کے ورود کے موقع پر پڑھی گئی، اور علٰحدہ طبع کرائی گئی،

تدابیرِ ترقی، مؤلفہ جناب کامل بی اے، جونپوری، پبلشر منیجر صاحب برق، جونپور، حجم ۶۰ صفحے، قیمت

اس رسالہ میں بیکار نوجوانوں کو کوئی نہ کوئی شغل اختیار کرکے روزی کمانے کی تدبیریں بتائی گئی ہیں، اور

اسی غرض سے اس مین مختلف پیشیون اور صنعتون کے طریقے، اور ان کے نسخے درج ہین، رسالہ کارآمد ہے،

بچون کی کتاب، از جناب حامد علی بی اے ال ٹی، حجم ۲۰ صفحے، قیمت ۴ر پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی

یہ بچون کے لئے ایک مفید اور کارآمد رسالہ ہے، جس مین ایک لڑکے اسد کو ہیرو قرار دیکر مختلف عنوانون سے الگ الگ چھوٹے چھوٹے قصے اور مضمون درج ہین، اور اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سب مضامین ایک سلسلہ مین مربوط رہین، کہین کہین اسباق کا خلاصہ اردو نظم مین بیان کیا گیا ہے، جو بچون کے لئے زیادہ دلچسپ ہوگا، لکھائی چھپائی بچون کے مناسب ہے،

ریحانِ حمید، از جناب مولوی حمید الزمان خانصاحب حمید شاہجہان پوری، حجم ۸۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، مطبوعہ آگرہ اخبار، آگرہ، قیمت اور پتہ درج نہین،

"ریحان حمید" کے نام سے مصنف کے فارسی غزلیات قطعات، ایک فارسی خط، اور چند اردو غزلون کا مجموعہ شائع ہوا ہے،

انتخاب مصحفی، مرتبہ مولوی سید حبیب احمد صاحب آفق کاظمی، ناشر منیجر کتب خانہ حبیبیہ محلہ کنگوئی امروہہ، یوپی، حجم ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۴ر

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے چھ دیوانون کا یہ مختصر انتخاب ردیف وار تیار کیا گیا ہے،

رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر، گذشتہ مہینہ مین اردو کے رسالون کے خاص نمبرون پر تبصرہ کرنے کے بعد رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر ملا، جو بڑے اہتمام سے تیار کیا گیا ہے، ادارہ ہمایون نے افسانہ کے لئے انعامی مقابلہ کا اعلان کیا تھا، تین افسانے مقابلہ مین منتخب ہوئے، جنھین ۲۵، ۲۵ اور ۱۵ کی رقمین بطور انعام دی گئین یہ افسانے بھی اس نمبر مین چھپے ہین، سالے اکثر افسانے غیر زبانون سے ماخوذ ہین، ضرورت ہے کہ آیندہ مقابلہ مین طبعزاد افسانہ کی شرط لگائی جائے کہ ہمارے نوجوان ادیبون کی جودت طبع کا حال بھی معلوم ہو، افسانے قریب قریب سب کے سب اچھے ہین، اس نمبر کی قیمت ۱ر ہے اور رسالہ کے خریدارون کو اسی سالانہ قیمت ۵ر مین یہ بھی ملیگا، پتہ:- منیجر رسالہ ہمایون نمبر ۲۳، لارنس روڈ، لاہور،

"ر"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصۂ اول، جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۴۴۰ صفحے قیمت للعہ، از مولنا عبدالسلام ندوی،

حصۂ دوم - جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ و کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۵ صفحے، قیمت للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت عہ مصنفہ مولنا سید عبدالحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ - مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے طبع دوم،

حصہ اول ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible]

حصہ دوم ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible]

موازنۂ انیس و دبیر [illegible]

میرانیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ میرانیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت عہ

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت: عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ و قیمت ہے، حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر حالی تاریخ [illegible] میں بیان کی گئی ہے [illegible] کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں [illegible]

[illegible]

تاریخ صقلیہ جلد اول [illegible] صقلیہ پر [illegible]
حکومت کے [illegible] اسلامی [illegible]
[illegible] اس سے وابستہ [illegible]
[illegible] تاریخ [illegible]
[illegible] سلسلہ [illegible]
[illegible] مرتب کی گئی ہے [illegible]
شائع ہوئی ہے [illegible] سیاسی سرگذشت پیش کی گئی ہے [illegible]
[illegible]
اسلامی حکومت کا قیام اور [illegible]
حکومت کے تمدن اور تہذیب [illegible]
معائب اور [illegible] تفصیل [illegible]
[illegible] قیمت [illegible]

تاریخ فقہ اسلامی: مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع
الاسلامی کا ترجمہ [illegible]
[illegible] مرتب [illegible]
[illegible] قیمت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] قیمت [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ (۵ر) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم۔ منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، تکمیل سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۸۰۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ سے عہ سے عہ، تقطیع کلان،

خیام، خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چہ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلی

قیمت غیر مجلد سے مجلد للعہ

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد و ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم ضخامت ۳۲۴ صفحے قیمت عہ

ارض القرآن حصہ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے انہیں سے بنی ابراہیم، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت عہ، طبع دوم،

عرب و ہند کے تعلقات، عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد میں دیے، اور خوبصورت اردو ٹائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت للعہ ضخامت ۳۴۴ صفحے،

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور انکے مناقب، فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکا احسان، اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی، ضخامت ۳۰۰ صفحے، قیمت عہ سے،

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانحعمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطائے امام مالک پر تبصرہ طبع دوم ضخامت ۱۶۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنت والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیحہ کی تشریح طبع دوم قیمت ۲ر حجم ۵۲ صفحے،

لغات جدیدہ، عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات اور بول چال میں ہزاروں نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہیں جنکے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب میں اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے، طبع دوم، قیمت ۱۲ر ضخامت ۱۹۱ صفحے،

دروس الادب ۱ و ۲۔ عربی کی پہلی اور دوسری کی ریڈرین جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اصول پر لکھکر طالب علم کو ادب اور نحو کی مشق ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہیں، طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲ر دوسرا حصہ طبع سوم قیمت

جلد ۳۴	ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

خوشی کی بات ہو کہ ہر سال یورپ کے متعدد افراد از خود یا مسلمانوں کی تبلیغ یا اسلامی ممالک کی سیاحتوں اور عینی مشاہدوں کے اثر سے دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، اور ایسا نظر آتا ہے کہ اسلامی ممالک سے قریب تر یورپین ملک آسٹریا اور ہنگری یورپ میں اسلامی تبلیغ کے مرکز بن کر رہیں گے، عربی اخبارات میں ان ممالک کے نومسلم مسلمانوں کے جو حالات وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا اسلام انگریز نومسلموں کی طرح حصولِ شہرت، جلبِ منفعت اور ندرت پرستی کا نتیجہ نہیں،

ڈاکٹر جرمانوس جو شانتی نکیتان بنگال میں اسلامی علوم و فنون کے پروفیسر بنکر آئے تھے، اور یہیں انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، وہ اپنے وطن آسٹریا ہنگری میں واپس جاکر نہایت مفید خدمات انجام دے رہے ہیں، انھوں نے تمام متفرق مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا ہے، ایک اسلامی درسگاہ کے افتتاح کی کوشش کی ہے، اور اپنے عربی ملک کے بھائیوں سے برابر مراسلات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، چند مصری مجاہدینِ دین بھی اس کام میں اُنکی رہبری کر رہے ہیں،

ہمکو اپنے تمام نومسلم بھائیوں میں سے سب سے زیادہ جسکی شخصیت نے متاثر کیا ہے وہ آسٹریا کے ایک گمنام نومسلم لیوپولڈ وائس معروف بہ **محمد اسد** ہیں، موصوف ایک اخبار کے مراسلہ نگار کی حیثیت سے اسلامی ملکوں کی سیاحت پر مامور ہوئے، انھوں نے عربی ممالک کی سیاحت کی اور مسلمانوں سے میل جول بڑھایا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے، سالہاسال حجاز میں گذارے، اور وہاں ایک عرب خاتون سے نکاح کیا، اب تقریباً دو برس سے ہندوستان میں ہیں، گذشتہ سال لاہور کے جلسہ حمایت اسلام میں، اور امسال جامعہ ملیہ دہلی کی ایک تقریب میں ان سے ملاقات ہوئی، وہ ایک ایسے نومسلم نظر آئے، جنکو دیکھکر مغرور پشتینی مسلمانوں کو شرمانا چاہئے، وہ نہ صرف عقیدہ کے مسلمان ہیں، بلکہ فرائض و سنن و مستحبات اور

تمدن و معاشرت تک میں مسلمان ہیں، وہ یورپین ہیں جو نہ صرف مسیحی عقیدہ کے بلکہ یورپین تمدن کے مخالف ہیں، عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں، اور انگریزی اتنی جانتے ہیں کہ اُس میں لکھ پڑھ سکیں،

موصوف کے دل میں اسلام کی بڑی عظمت ہے، اور وہ اُسکو حقیقتِ حقہ جانتے اور یقین کرتے ہیں اور اُن کے دل میں لگن ہے کہ وہ اسلام کی کوئی حقیقی خدمت بجا لائیں، اب انھوں نے اپنا لائحہ عمل (پروگرام) مرتب کرلیا ہے اور قرول باغ دہلی میں عرفات کے نام سے ایک ادارہ قائم کرلیا ہے، اسکی طرف سے عنقریب وہ ایک انگریزی رسالہ کے اجرا کا ارادہ رکھتے ہیں، اور عرفات بکڈپو کے ذریعہ سے اپنی تصنیفات کی اشاعت کا سامان کرلیا ہے،

چند ماہ ہوئے کہ موصوف نے اپنی ایک مختصر لیکن جامع کتاب "اسلام ان کراس روڈ" (اسلام راہ عبور پر) بزبان انگریزی شائع کی ہے، (عرفات بکڈپو، قرول باغ، دہلی) اس میں موجودہ حالات و خیالات کے پیش نظر اسلام کی تعلیم کو بطور طریق نجات کے پیش کیا ہے، اسی ضمن میں یورپ کے تمدن اور رجحاناتِ ذہنی کی تنقید کی ہے، بعض مسلمانوں میں اس وقت یورپین تجدد اور احادیث و سننِ نبویہ سے روگردانی کی بدعتوں کو "اصلاح" کے نام سے پیش کرنے کی جو افراط و تفریط پیدا ہوئی ہے، اسکی غلطیاں نہایت صحت اور نکتہ سنجی کے ساتھ ظاہر کی ہیں، کتاب کے اس باب کو پڑھکر اپنے ان نئے خیال کے دوستوں کو حافظ کا یہ شعر سنانے کو جی چاہتا ہے،

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل، ایں چہ بوالعجبی است،

قرآن پاک کے صحیح و خالص انگریزی ترجمہ کی ضرورت کا احساس مسلمانوں میں روز بروز بڑھ رہا ہے، اگست کے شذرات میں ہمنے جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی بی اے، کے انگریزی ترجمۂ قرآن کا ذکر کیا تھا، اب انکا ترجمہ چار پاروں تک پورا ہوچکا ہے، وہ حواشی میں توضیح مطالب کیساتھ معترضین کے جوابات بھی دیتے جاتے ہیں، اور عیسائیوں اور مستشرقوں کے شکوک اور اعتراضات کو بھی دور کرتے جاتے ہیں، ہم کو اُسوقت اسکی خبر نہ تھی کہ علامہ عبد اللہ یوسف علی صاحب بھی قرآن پاک کا انگریزی

میں ترجمہ کر رہے ہیں، پنجاب کے دوستوں سے اسکی اطلاع پاکر بے حد خوشی ہوئی،

موصوف کا فضل وکمال نہ صرف انگلستان بلکہ پورے یورپ میں مسلّم ہے، ان کی انگریزی زباندانی پر انگریز اہل قلم کو بھی رشک ہے، وہ عربی زبان سے واقف ہیں، اور صاحب علم ونظر علماء کے مشورے بھی ان کو حاصل ہیں، وہ پوری مستعدی اور انہماک کیساتھ ترجمہ کے کام میں مصروف ہیں، دو ماہ ہوئے کہ انکے پہلے پارہ کا ترجمہ چھپکر شائع ہو گیا، انگریزی کے مسلمان ادیب فضلاء کی رائیں دریافت کیں تو سب نے اسکی فصاحت وخوبی وبلندی کی متفقہ تعریف کی، ہمکو تو صرف یہ دیکھکر تسلی ہوئی کہ انھوں نے تاویلات کی گمراہی سے کلیۃً احتراز کیا ہے، اور معجزات کو عقلی حماقتوں کا بازیچہ گاہ نہیں بنایا ہے، معانی کے سمجھنے میں اہل زبان مفسرین کی تفسیروں سے مدد لی ہے، اور متعلقہ آیات میں اسرائیلیات کے بجائے خود بائبل کے حوالے دئے ہیں،

یہ ترجمہ اشرف بک ڈپو کشمیری بازار لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے، اسکی چھپائی کا کام گو لاہور ہی میں ہو رہا ہے مگر اسقدر عمدگی اور خوبی کیساتھ چھپ رہا ہے کہ ظاہری شکل وصورت میں بھی اُن ترجموں سے کم نہیں جنکو لندن سے چھپوا کر منگوایا گیا ہے، ایک کالم میں متن قرآن فوٹو بلاک میں، بالمقابل انگریزی ترجمہ موٹے ٹائپ میں، اور نیچے حواشی باریک ٹائپ میں چھاپے گئے ہیں، ہر دو ماہ میں ایک پارہ کا ترجمہ شائع ہوگا، ہر حصہ کی قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ہوگی، ضرورت ہے کہ انگریزی خواں مسلمان بکثرت اس ترجمہ کو خریدیں، تاکہ شیخ محمد اشرف صاحب کی جنھوں نے اس ترجمہ کی اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے حوصلہ افزائی ہو، اور کام وقت پر پورا ہو سکے، انھوں نے یہ بھی آسانی کی ہے کہ جو خریدار ۲ روپیے بھیجکر اپنا نام مستقل خریداروں میں درج کرائیگا، اسکو محصول ڈاک معاف کر دینگے،

ہمارے پاس ہانگ کانگ (ساحل چین) سے وہاں کی اسلامک لٹریری سوسائٹی کی روداد بابت ۱۹۳۳ء آئی ہے، سوسائٹی نے دوران سال میں مفید اسلامی رسائل وکتب کی اشاعت کا کام کیا ہے، اور ارادہ رکھتی ہے کہ آیندہ چینی زبان میں تبلیغی کتابوں کی اشاعت کرے، اس روداد میں یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ ہماری مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم حافظ محمد فضل الرحمن انصاری اس سوسائٹی کی تحریری مدد کرتے ہیں،

مقالات

کوئٹہ اور ملتان

کوہستانی سڑک شام کا وقت تھا، اور ایک بڑی چڑھائی باقی تھی، اور یہ وہی طویل کوہستانی سلسلہ تھا جو افغانستان کو ہندوستان سے الگ کرتا ہے، چمن اور کوئٹہ کے بیچ میں یہ ایک سدِ سکندر ہے، جس کے عبور کرنے کے بعد کوئٹہ سامنے آجاتا ہے، ریل اس پہاڑ کے نیچے سے سرنگ سے ہوکر گذرتی ہے، اور موٹر اور لاری اور پیادہ مسافر اس پہاڑ کو عرض میں قطع کرتے ہیں، اور اس کو عبور کرکے اس پار سے اُس پار ہوتے ہیں، پہاڑ پر چڑھائی کے لئے حکومت انگریزی نے پہاڑ کو کاٹ کر اور جگہ جگہ نشیب و فراز کو ہموار کرکے موٹروں اور پیادہ چلنے والوں کے لئے نہایت عمدہ سڑک تیار کی ہے، قدم قدم پر موڑ آتے تھے، ادھر ادھر بغل میں غار اور خندقیں ملتی جاتی تھیں، شوفر کی ذراسی غلطی موت کا پیغام تھی، مشکل راستوں پر انگریزی میں ہدایتیں لکھی تھیں،

موٹر نے آہستہ آہستہ اوپر چڑھ کر بیچ پہاڑ کے نشیب و فراز میں قدم رکھا، عمدہ سڑک ہونے کے باعث پہیے خود بخود پھسلے جاتے تھے اور وہ بڑی تیزی سے راستہ قطع کرتی جاتی تھی، خوش قسمتی سے کوئی دوسری موٹر مخالف سمت سے آتی ہوئی نہیں ملی، اس لئے ہمارا شوفر اس ڈر سے اپنی موٹر بے تکان بھگا رہا تھا کہ رات ہونے سے پہلے وہ اس دشوار راہ کے خطروں سے باہر ہو جائے، اس جلدی پر بھی شام ہو ہی گئی،

روحانیات کا ذکر عجیب اتفاق کہ راستہ تو یہ خطرناک درپیش تھا اور ڈاکٹر اقبال صاحب نے روحانیات کے ذاتی مشاہدات و تجارب، اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو شروع کر دی، گفتگو طرفین سے نہایت دلچسپ ہو رہی

تھی، اس عہد کے مختلف شیوخ اور بزرگانِ سلاسل کا تذکرہ رہا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے آغازِ زندگی اور طالب علمانہ عہد کا ذکر چھیڑا، پھر اپنے والد مرحوم کا تذکرہ کیا، کہ وہ خود ایک صاحبدل صوفی تھے، اور دیندار علماً کی صحبت میں رہتے تھے، اس ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلیل القدر اسلامی شاعر کے حسیاتِ خفتہ کے تاروں میں جس مضراب نے حرکت پیدا کی وہ خود اُن کے والد ماجد کی ذاتِ بابرکات تھی،

اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طالب علمی کے عہد کے ایک قصہ کے اثنا میں اپنے والد مرحوم کا ایک ایسا نقرہ سنایا جسنے میرے دل پر بیحد اثر کیا، فرمایا کہ اپنے وطن سیالکوٹ میں صبح کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا ایک صبح کو نماز کے بعد حسبِ دستور میں تلاوت میں مصروف تھا، کہ والد مرحوم ادھر آئے اور دریافت کیا کہ کیا کرتے ہو، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت تلاوت کرتا ہوں، فرمایا، جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمھارے قلب پر بھی اسی طرح اترا ہے، جیسے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب اقدس پر نازل ہوا تھا، تلاوت کا مزہ نہیں، ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، فرمایا کہ جب بی اے پاس کر لوگے تو بتاؤنگا، کچھ دنوں کے بعد جب انھوں نے بی اے پاس کر لیا تو اس خوشخبری کے معاوضہ میں اس دن کی گفتگو کا حوالہ دیکر اس مقام کے حصول کی تدبیر پوچھی، مرحوم نے انکو کچھ طریقے اور دعائیں تلقین کیں، اور نوجوان بیٹے سے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اپنی زبان و قلم سے ملتِ محمدیؐ کی خدمت بجا لاتا رہیگا،

ڈاکٹر صاحب کی شاعری ان کے والد مرحوم کی زندگی ہی میں پورا فروغ پا چکی تھی اور ایک عالم اون کے نغمہ سے سرشار و مست تھا، اور مسلمانوں میں وہ قیامت انگیز تاثیر پیدا کر رہا تھا، اور بالآخر باپ اپنے بیٹے کی اس عیسیٰ نفسی سے مسرور ہو کر اس دنیا سے سدھارا،

پہاڑی راستہ اب ختم ہوا، اور میدان کا منظر نمایاں ہو رہا تھا، مغرب کے قریب پہاڑ کے نشیب میں میدان آیا، آبادی کا کچھ کچھ نشان نظر آیا، اور سیدھی سڑک دکھائی دی، اس سڑک پر آگے بڑھ کر ایک چھوٹا سا شہر ملا جس کے چھونے سے دورویہ بازار سے ہو کر سڑک نکلی ہے، یہاں پہنچنے کے ساتھ موٹر روک دی گئی، اور پولیس کے ایک سپاہی نے آگے بڑھکر ایک رجسٹر پیش کیا، جس پر غلام رسول خان بیرسٹر (رفیق ڈاکٹر اقبال) نے دستخط کر دیئے

جس کے بعد ہم آگے بڑھے، معلوم ہوا کہ یہاں سے ہر گذرنے والے کا نام درج رجسٹر ہوتا ہے،

مغرب اور عشا کے بیچ میں جب تاریکی خوب پھیل رہی تھی، بجلی کے چراغوں کی روشنی دور سے قطار در قطار نظر آنے لگی، یہ کوئٹہ تھا، اس تاریکی میں روشنی کا یہ منظر آسمان پر جھلملاتے ہوئے ستاروں کا سماں دکھا رہا تھا، رفتہ رفتہ شہر قریب آیا، افغانی سفارت متعینۂ دہلی کے نمایندہ نے ہمارے لئے یہاں کے ڈاک بنگلہ میں تین کمرے لے لئے تھے، وہیں آکر قیام ہوا،

تمام بستر و سامان لاری پر تھا، اور وہ پیچھے رہ گئی تھی، کوئٹہ میں اس وقت خاصی سردی تھی، ڈاکٹر صاحب کے کمرہ میں آتشدان روشن تھا، اور ہم سب اس کے گرد بیٹھے لاری کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، رات کی تاریکی اور سردی بڑھتی جاتی تھی، اور لاری کا انتظار سخت سوہان روح کا باعث ہو رہا تھا سب سے بڑے ڈر کی چیز یہ تھی، کہ رات کی تاریکی میں کہیں لاری کو کوئی صدمہ نہ پہنچا ہو، اس لئے ہم سب بہت پریشان تھے، وقت گذرتا گیا، اور وقت کیساتھ پریشانی بھی بڑھتی گئی، بالآخر دس بجے رات کے قریب لاری آئی، اور معلوم ہوا کہ راستہ بخیریت گذرا، کابل میں جو بستر اور بکس اور سوٹ کیس لاری پر رکھے گئے تھے، ان کو آج پہلی دفعہ یہ موقع ملا کہ زمین پر قدم رکھیں، ان دشوار گذار راستوں کے ہچکولوں، اور اتار چڑھاؤ کے جھٹکوں میں ان کی پوری درگت بنگئی، چمڑے کے بکسوں کے اکثر کونے اور گوشے تو لاری کی رگڑ سے کٹ کٹ گئے تھے، بستر بندوں کے کپڑے اس سفر کے مشکلات کی تاب نہ لاکر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر روزن دار ہوگئے تھے، مگر

شکر للہ کہ جنازہ بمنزل برسید

ہم سب نے کھانا ڈاک بنگلہ کے ڈائننگ روم میں کھایا، کھانا انگریزی تھا، مگر بہت معمولی اور بہت خراب پکا تھا، ناچار پاؤ روٹی اور مکھن پر گذر کیا،

لاری پہنچنے کی خوشی ہم سب کو بہت ہوئی تھی، میں آتشدان کے پاس بیٹھا تھا، لاری پہنچنے کی خوشی میں دفعۃً ٹھنڈک میں باہر نکل آیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ رات بھر بخار اور خفیف لرزہ میں مبتلا رہا، صبح کو اٹھا تو طبیعت

ہلکی تھی، نماز پڑھی، اور تھوڑی دیر کے بعد چائے پیکر پیادہ تنہا شہر دیکھنے کو نکلا اور اسٹیشن تک گیا،

کوئٹہ یہ برطانی بلوچستان کا صدر مقام ہے، اور سمندر کی سطح سے پانچہزار قدم بلند ہے، کہتے ہیں کہ اسکا پرانا نام کوٹ کوٹ تھا، اور ایک معمولی دیہات سا تھا، ۱۸۷۶ء میں سررابرٹ سینڈ یمن نے جب اس پر قبضہ کیا، اور قلعہ تعمیر کیا، جسکا نام ان کے نام پر فورٹ سینڈ یمن ہے، تو اسکا تام زبانوں پر کوئٹہ ہوگیا یہ ہندوستان کا سبسے بڑا جنوبی فوجی مرکز ہے، یہاں سے ایک ریلوے لائن ایران کی سرحد دُزداب تک جاتی ہے، دوسری سڑک قندھار کو جدھر سے ہم آئے تھے، اور تیسری ریلوے لائن کراچی کو جو یہاں سے پانچ سو میل دور ہے، اور چوتھی لائن شکارپور ہو کر بہاولپور اور ملتان سے لاہور کو جاتی ہے،

یہ ایشیائے وسطی، ایران، افغانستان اور ہندوستان کی تجارت اور بیوپار کی مرکزی منڈی ہے میوے بکثرت اور تازہ بتازہ ملتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ خشک میوون کی قیمت ہندوستان کے دوسرے شہروں سے کم نہیں، مجھے صرف بادام کا تجربہ ہے، دوستون نے کہا کابل میں خریدنا بے کار ہے، انھیں داموں میں کوئٹہ میں ملیں گے، مگر یہ خیال غلط نکلا، کابل میں بادام کابلی بارہ آنے فی سیر تھے، پشاور میں ہندوستانی بارہ آنے فی سیر دام ہیں، لیکن کوئٹہ میں ڈیڑھ روپیہ سیر ملے انگور اور انار البتہ سستے ہیں،

مکانات زیادہ تر بنگلہ نما ہیں چھتیں لکڑی اور کھپروں کی ہیں، سڑکیں کشادہ اور صاف ہیں، آبادی میں مسلمانوں کا حصہ غالب معلوم ہوتا ہے،

رات کو آتے ہوئے کوئٹہ کو رواروی میں دیکھا، صبح اٹھکر سیدھی سڑک پر چلا تو اسٹیشن پہنچ گیا، سڑک کے دونوں طرف بنگلے تھے، اسٹیشن بہت بڑا اور بہت پر رونق تھا، چھاؤنی کی وجہ سے ہر طرف فوجی چہل پہل معلوم ہوتی تھی. قلی پشتو، بلوچی، سندھی، فارسی، اردو سب ہی زبانیں بولتے تھے،

اسٹیشن سے واپس پھرا تو ایک صاحب نے جو کلاہ و دستار اور کوٹ اور شلوار میں ملبوس تھے پیچھے سے مولنا مولنا کہکر مجھے ٹھہرانا چاہا، میں ٹھہر گیا. وہ دوڑتے ہوئے پاس آئے، اور پہلے اپنی اس حرکت کی معافی مانگی، پھر پانچ

دیکھنا چاہا، اور روانگی کا وقت پوچھا اور سفر کی سمت دریافت کی، اور ارشاد کیا کہ میں خفیہ پولیس میں انسپکٹر ہوں اور اپنی خدمت اور ادائے فرض سے مجبور ہوں، اور یہ بھی کہا کہ آج صبح سر راس مسعود صاحب اسی بات پر خفا ہو گئے، میں نے کہا آپ جو کچھ پوچھنا چاہیں خوشی سے دریافت کریں، چنانچہ ان کے تمام مطلوبہ معلومات فراہم کر دیئے، اور ان کے سوالات کے جوابات دیدیئے، وہ شکریہ ادا کرکے واپس گئے،

راہ میں ملتان پڑتا تھا، میرے ایک عزیز (مولوی سید عبدالباری صاحب) مدت سے ملتان میں رہتے ہیں ریلوے دفتر میں ملازم ہیں، سالہا سال سے ان کا تقاضا تھا کہ میں کبھی ملتان آؤں، یہ موقع بےمنت ہاتھ آیا، اُن کو تار دیا کہ کل دوپہر کو میل سے آتا ہوں،

۱۰ بجے کے قریب ہم لوگ ڈاک بنگلہ سے چل کر اسٹیشن آئے، انسپکٹر صاحب موصوف موجود تھے، انھوں نے اپنی مہربانی سے اسباب کے تلوانے اور ٹکٹ لینے میں مدد فرمائی، ۱۱ بجے کے قریب گاڑی آئی، اور ہم لوگ آرام سے سوار ہو کر روانہ ہوئے، راستہ بہت پر لطف تھا، جگہ جگہ پہاڑیاں مل رہی تھیں، کچھ دور کے بعد صاف ریگستان آگیا، اور گرد وغبار اور ریت سے واسطہ پڑا، پشاور سے کلکتہ تک براہ پٹنہ جو راستہ ہے جس قدر وہ معمور ہے اسی قدر یہ راستہ ویرانہ تھا، گھنٹوں کے بعد بھی کوئی آبادی نہیں آتی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اس کو سرسبزی اور شادابی سے محروم ہی رکھا ہے، اب سندھ کا ریگستان شروع ہو گیا تھا، کہیں کہیں جو اسٹیشن آجاتے تھے، انھیں میں کچھ آبادی کا سراغ ملتا تھا، تاہم یہ خوشی ہو رہی تھی کہ عمر میں پہلی دفعہ اس راہ سے گذر رہا ہوں، جس پر فاتحین اسلام کے کارواں صدیوں چلتے رہے،

بہاولپور | ریل اسیطرح دن بھر اور رات بھر چلتی رہی، مشہور مقامات میں سے جیکب آباد اور شکارپور گذرے، دوسرے روز کچھ دن چڑھے بہاولپور آیا، چونکہ نوابان بہاولپور اور خصوصًا جدہ ماجدہ صاحبہ مرحومہ نواب صاحب بہاولپور نے **ندوۃ العلماء** کی ہمیشہ مالی امداد فرمائی، اس لئے میں نے بڑے شوق کی نظر سے اسکی طرف دیکھا، اور اس سے ایک اُنس سا معلوم ہوا، اس ریاست کے فرمانروا عباسی نسل سے ہیں، احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں انھوں نے

سندھ کے اس حصہ پر حکومت قائم کی، رنجیت سنگھ نے اپنی حکومت پنجاب کے عہد میں ان کو زیر کرنا چاہا، ۱۸۱۶ء میں اسنے ستر ہزار کا نذرانہ بھی بجبر حاصل کیا، مگر یہ بہت جلد اس سے آزاد ہوکر انگریزوں سے ملحق ہوگئے، موجودہ عہد میں جامعۂ عباسیہ ریاست مذکور کی علمی ترقیوں کی سب سے بڑی دلیل ہے، سندھ کا مشہور شہر اُچ اسی ریاست کے اندر واقع ہے، ناصر الدین قباچہ کے زمانہ میں یہاں مدرسہ فیروزی واقع تھا، جس میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج سراج مدرس مقرر ہوئے تھے،

ملتان ۱۲ بجے کے قریب ملتان آیا، سید عبدالباری صاحب کیپٹن محمد عظیم صاحب اگزکیٹو افسر ملتان چھاؤنی، سید عبدالغنی صاحب بی اے وائس پریسیڈنٹ کینٹونمنٹ بورڈ، سید میر حسن صاحب رئیس ملتان وغیرہ موجود تھے اسٹیشن سے سیدھے سید عبدالباری صاحب کے قیامگاہ پر آیا، احباب آتے رہے، اور ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان میں سب سے دلچسپ شخصیت سید میر حسن صاحب رئیس ملتان چھاؤنی کی تھی، ساٹھ ستر کے درمیان عمر ہوگی، آنکھوں سے معذور ہوچکے ہیں، تاہم کتابوں اور رسالوں کا شوق باقی ہے، وہ خود اب نہیں پڑھ سکتے، تو دوسروں سے پڑھوا کر سنا کرتے ہیں، سرسید کے خیالات سے بہت متاثر ہیں، مگر اب امید ہے کہ اس ردِ عمل سے وہ متاثر ہو رہے ہیں، جو سرسید مرحوم کی فطرت پسندی کے باب میں اب عمل میں آرہا ہے،

علاوہ دوسرے دوستوں کے یہاں کی جامع مسجد کے خطیب و امام مولٰنا سید اشفاق علی صاحب فاضل دیوبند سے مل کر خوشی ہوئی، یہ روشن ضمیر بھی ہیں، اور روشنخیال بھی، ملتان کے زمانۂ قیام میں جو تین روز تک ممتد رہا موصوف کی صحبت سے بڑی دلچسپی رہی،

ہمارے نوجوان دوست پروفیسر اکبر صاحب منیر جنسے مدت سے مراسلت تھی، اور جو ایران کی سیاحت سے ہمارے لئے جدید فارسی شاعری کا تحفہ لائے تھے اور جنکا دیوان ماہ نو چھپکر شائع ہوچکا ہے، اور جنکی نظموں کے ذریعہ سے معارف کے ناظرین بھی ان سے آشنا ہیں، وہ خوش قسمتی سے آجکل یہیں کے گورنمنٹ کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے، ان سے پہلے لاہور میں ملاقات ہوچکی تھی، یہاں ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی، منیر صاحب جدید فارسی اور

اردو کے نازک خیال شاعر ہیں، اور اخلاقاً نہایت متواضع اور خاکسار ہیں،

ملتان ہماری اسلامی تاریخ کا نہایت قدیم اور نہایت مشہور شہر ہے، یہی وہ شہر ہے جسکو مسلمانون نے محمد بن قاسم ثقفی کے زیر سرکردگی پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب فتح کیا تو اس وقت سے لیکر سکھون کے عہد تک یہ ہمیشہ اسلامی حکومت کا ایک اہم مرکز رہا، غزنویوں کے فتوحات سے صدیوں پہلے یہاں مسلمان آباد تھے، اور ان کی اسلامی حکومت قائم تھی، چوتھی صدی کے اواخر میں یہاں کی عربی حکومت مصر کے فاطمیہ کے زیر سایہ اسماعیلیت میں بدل چکی تھی، اور اسماعیلی امرار یہاں حکومت کرتے تھے، انھیں کا نام ہندوستان کی تاریخوں میں ملاحدہ اور باطنیہ آتا ہے، محمود غزنوی نے اس کو باطنیوں کے ہاتھون سے چھین کر اپنی سلطنت میں ملحق کیا، غزنویون کے ضعف کے بعد پھر اسماعیلیون نے اس پر قبضہ کرلیا، اور آخر شہاب الدین غوری نے ان کے ہاتھون سے دوبارہ اسکو لے لیا، غزنویوں کی آمد سے پہلے تک یہ شہر عربوں کی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، غزنویوں کی فتح سے اسکا تعلق مصر کے بجائے غزنین سے ہوگیا، تاہم یہ ہر دور میں اسلامی علوم و فنون کا بڑا مرکز رہا، علامہ بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ نے بھی یہاں قیام کیا تھا، چشتیوں کو چھوڑ کر تصوف کا دوسرا خانوادہ جو ہندوستان میں سب سے زیادہ پھیلا وہ سہروردی تھا، جس کے بانی حضرت شیخ ابوالنجیب شہاب الدین سہروردی المتوفی ۵۶۳ھ تھے، سہروردی خاندان کے فیوض و برکات کا سرچشمہ یہی شہر ہے، شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی (ولادت ۵۷۸ھ وفات ۶۶۶ھ) نے ترکستان و خراسان و عراق و حرمین محترمین سے علوم دینی کا اکتساب کیا تھا، ابوحفص عمر شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ سے جو ابوالنجیب شہاب الدین سہروردی کے بھتیجے اور مرید تھے، تصوف کی دولت حاصل کی، اور عراق سے اسکو ملتان میں منتقل کیا، مشہور صوفی شاعر عراقی اسی میخانہ کے جرعہ خوار تھے،

غزنویوں کا تو حال معلوم نہیں، مگر غوریوں کے عہد میں ناصرالدین قباچہ نے جو سلطان التمش کا معاصر اور سندھ کا فرمانروا تھا، یہاں پہلی علمی درسگاہ قائم کی جسمیں مولنا قطب الدین کاشانی نے ماوراء النہر سے آکر درس و تدریس کی مسند بچھائی، یہ شیخ الاسلام بہاء الدین کا آغاز عہد تھا، وہ بھی یہاں آیا کرتے تھے شیخ فریدالدین

گنج شکر (ولادت ۵۸۴ھ - وفات ۶۶۹ھ) نے بھی مولنا تاج الدین ترمذی سے یہین فقہ کی تعلیم حاصل کی،

خراسان و ایران سے جو علمار، اور اہل کمال اس راستہ سے ہندوستان آتے تھے، ان کی پہلی منزل یہی شہر ملتان ہوتا تھا، اس سبب سے یہاں علمار و فضلار کا بڑا مجمع رہتا تھا،

علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں جو علمار، امام وقت تھے ان میں چار بزرگ ملتان کے تھے، مولنا محب ملتانی، مولنا حمید الدین ملتانی، مولانا شہاب الدین ملتانی، اور مولنا علیم الدین نبیرۂ شیخ الاسلام ملتانی، یہ دہلی آکر علوم عقلی و نقلی کے درس دیتے تھے، ہندوستان میں معقولات کا درس میں داخل ہونا بھی ملتان ہی کے طفیل ہے، ملتان کی بربادی کے بعد سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں شیخ عبد اللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے، اول الذکر نے دلّی میں، اور آخر الذکر نے سنبھل (مراد آباد) میں ہنگامۂ درس گرم کیا،

ملتان کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس کی شدید مشابہت قندھار سے ظاہر ہوتی ہے، وہی خام مکانات، وہی ریگستان، وہی بارش کی کمی، لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان جیسی ایک بارش بھی ملتان میں ہو جائے تو وہاں کے اکثر مکان گر جائیں، ملتان کے متعلق ایک مشہور شعر زبان زد ہے،

چار چیز است تحفۂ ملتان گرد و گرما، گدا و گورستان

جہاں ریت ہو اور بارش کی کمی ہو وہاں کی گرمی کا کیا پوچھنا، اور گرد و غبار تو ریگستان کا جوہر ہے، گداؤں کا زور پہلے ہوگا مگر اب شاید نہ ہو، تاہم ایسے درویش یہاں بہت ہیں، جو گو بزرگوں کی گدیوں کے بوریا نشین ہیں، مگر ان کی زندگی امیرانہ ہے، اور یہ رنگ غالبًا حضرت شیخ الاسلام زکریا سہروردی کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا، چنانچہ شیخ الاسلام کے پوتے حضرت رکن عالم سلاطینِ دہلی کے مقرب تھے اور بقول ابن بطوطہ رہ حاکم ملتان کی منظوری کے بغیر کسی کو اپنا مہمان بھی نہیں بناتے تھے، اور گورستان کا کیا پوچھنا کہ اس پرانے شہر کا چپہ چپہ اسلامی عظمت کا ایک ایک مدفن ہے،

چپہ چپہ پہ ہے یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

بڑے بڑے علما اور بزرگوں کے مقبرے اور مزارات ہیں جنہیں سے سوائے اُن کے جن کی نسل میں جاگیریں ہیں، باقی بے نشان ہیں، مدفن سے مولد یاد آیا، کہتے ہیں کہ ملتان کو ایک اور فخر یہ حاصل ہے کہ اس کی سرزمین تین عظیم الشان بادشاہوں کا مولد ہے، سلطان محمود تغلق (ناصرالدین محمد شاہ؟) سلطان بہلول لودی اور سلطان احمد شاہ ابدالی، ان تینوں بادشاہوں کی جاے پیدائش بھی لوگ بتاتے ہیں، سلطان محمود تغلق لاہوری دروازہ سے کچہری جانے والی سڑک کے ایک محلہ میں جسکو ٹلہ تولہ خاں کہتے ہیں، پیدا ہوا، سلطان بہلول لودی کی ولادت حسین اگاہی میں ہوئی، اور سلطان احمد شاہ ابدالی کا مولد کمشنر صاحب کے بنگلہ کے قریب لبِ سڑک ایک مکان تھا جو اب بے نشان ہے، اگر یہ واقعات شاید تاریخ کے روسے درست نہ ہوں،

عصر کی نماز کے بعد دوستوں کے ساتھ ملتان کے قابل دید مقامات کی سیر کو نکلا، عربی تاریخوں میں ملتان کے ایک مشہور مندر کا ذکر آتا ہے، جس کے اندر سے سندھ کے عرب فاتح محمد بن قاسم ثقفی کو بڑی ضرورت کے وقت بہت سا سونا ہاتھ آیا تھا، اس نے اس مندر کو توڑا نہیں، بلکہ اصلی حالت پر چھوڑ دیا، اور اس کے قریب ایک جامع مسجد بنوا دی، اس کے بعد جو عرب ریاستیں یہاں قائم ہوئیں، انھوں نے بھی اسکو نہیں چھیڑا بلکہ یہاں کے جاتریوں پر ٹیکس لگا کر خوب آمدنی حاصل کرتی ہیں، کمزور ہو جانے پر جب کبھی کوئی ہندو راجہ اُن پر حملہ کرنا چاہتا وہ یہ کہکر اس کو ڈراتی تھیں کہ اگر تم نے ذرا ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ہم اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینگے، اس دھمکی سے وہ ڈر جاتا تھا اور ملتان پر حملہ نہیں کرتا تھا، بیرونی نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ اس کے بعد جب باطنیوں نے ملتان پر قبضہ کیا تو جلم بن شیبان اسماعیلی نے ثقفی کی جامع مسجد کو بند کر کے اس مندر کو توڑ کر جامع مسجد کر دیا، بعد ازیں جب سلطان محمود نے باطنیوں کو شکست دیکر ملتان کو فتح کیا تو مندر والی مسجد کو ویران کر کے پھر پہلی جامع مسجد کھولدی،

بیرونی کا چشم دید بیان ہے کہ اس مندر کی عمارت کی جگہ بلندی پر تھی، اور اینٹ سے بنی تھی، لیکن اس کے زمانہ میں اس کے اکثر حصے میدان ہو چکے تھے، سیر کے لئے نکلتے وقت مجھے یہی چیز پہلے یاد آئی،

لوگون نے کہا یہ مندر اب تک باقی ہے، اور اب اس کا نام پرہلاد پوری ہے،

پرہلاد پوری کا مندر | یہ مندر موجودہ شہر سے باہر پرانے قلعہ کی جانب شمال ایک بلند مقام پر واقع ہے، اسی سے متصل شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی قدیم خانقاہ ہے، موجودہ عمارت اینٹ کی بنی ہوئی ہے، پھاٹک کے بعد ایک وسیع صحن ہے، چاروں طرف سائبان ہے، اس میں پرہلاد نرسنگھ بھگت اور لکشمی مہاراج کی مورتیاں ہیں، اس مندر کے اندر مسلمانوں کو نہیں جانے دیتے، اس لئے اندر کی کیفیت معلوم نہ ہوسکی،

اس مندر کے متعلق مقامی روایت یہ ہے کہ اب سے تیس لاکھ برس پہلے یہاں ہرنیہ کشیپو نام ایک راجہ حکمرانی کرتا تھا، یہ راجہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، تمام رعایا کو حکم تھا کہ وہ راجہ ہی کی پوجا کرے، جو اس سے سرتابی کرتا اس کی سزا موت تھی، اتفاق سے راجہ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام پرہلاد رکھا گیا، جب یہ سن شعور کو پہنچا تو اس نے اپنے باپ کی خدائی سے انکار کیا، اس کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں، مگر باز نہ آیا، آخر تنگ آکر ہرنیہ کشیپو نے ایک آہنی ستون کو آگ سے سرخ کیا اور پرہلاد کو حکم دیا کہ وہ اس ستون سے چمٹ جائے، اس حکم کی تعمیل میں اس نے جب اس ستون سے چمٹنا چاہا تو فوراً ستون بیچ سے پھٹ گیا، اور اس میں سے ایک شخص نمودار ہوا جس نے راجہ کو مار ڈالا، اسی واقعہ کی یادگار میں ایک مدت کے بعد یہ مندر تعمیر ہوا،

علامہ بیرونی کا بیان ہے کہ یہ مندر سورج دیوتا کا تھا، اور اسی لئے اس کا نام آدت تھا، یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا، اور اس کی دونوں آنکھوں میں دو سرخ یاقوت جڑے تھے، اور بدن پر سرخ رنگی ہوئی کھال تھی، لیکن اب ان چیزوں کا وجود نہیں،

۱۸۴۸ء کی انگریزوں کی لڑائی میں اس مندر کو کافی نقصان پہنچا تھا، جس کی مرمت بعد کو ہو گئی، اس مندر پر ہندوؤں کے اوقاف ہیں، مندر کا انتظام نرسنگھ مندر کمیٹی کرتی ہے،

خانقاہ و مزار حضرت بہاء الدین زکریا | یہ خانقاہ جو اب مزار کی صورت میں ہے، اس مندر سے بالکل ملا ہوا اس کی مغربی سمت میں واقع ہے، میرا خیال ہے کہ اگر یہ پرہلاد مندر وہی آدت دیوتا والا پرانا مندر ہے تو عجب نہیں کہ یہ خانقاہ پہلے وہ مقام ہو

جسکو مسجد بنا دیا تھا، ملتان میں یہ خانقاہ "بہاء الحق" کے نام سے مشہور ہے، کہتے ہیں کہ اس خانقاہ کی تعمیر حضرت بہاء الدین زکریا نے خود کرائی تھی، اور یہاں بیٹھکر چالیس برس تک حدیث کا درس دیا تھا، خانقاہ کا رقبہ بہت وسیع ہے، دو بڑے پھاٹک ہیں، اردگرد عمارتیں بنی ہوئی ہیں،

پھاٹک کے بعد پہلے ایک صحن ہے صحن کے بعد ایک گلیارا سا ہے، جس کو طے کرنے پر اصل مقبرہ آتا ہے، جو ایک لمبے کمرہ کی صورت میں ہے، اس کے اوپر گنبد ہے، مقبرہ کے اندر بیچ میں حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی کا پختہ مزار ہے، مزار کے اوپر سیاہ شامیانہ تنا ہے، اس مزار کے ہر طرف بہ ترتیب اُن کی اولاد و احفاد کی قبریں ہیں، باہر خدام اور مجاور بیٹھے زائرین سے نذریں وصول کر رہے تھے، ہم سیدھے حضرت کے مزار پر گیا، دعائے مسنونہ پڑھی، مقبرہ کے اندر خاصی تاریکی تھی، تاہم آنکھیں بند کرتے ہی ایک نور سا چمک گیا، سہروردی خاندان کا سرتاج یہاں محوِ استراحت ہے، میں سبب نہیں جانتا تاہم دل نے ایک اثر محسوس کیا، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے نکل کر ڈھلک گئے،

شیخ الاسلام سہروردی کا سالانہ عرس ہوتا ہے، بادشاہوں نے یہاں بہت کچھ وقف کیا تھا، مگر اب چند دیہات رہ گئے ہیں، خان بہادر شیخ مرید حسین قریشی اس کے متولی ہیں، اور غالبًا انھیں کے خاندان میں تولیت محدود ہے، شیخ الاسلام کے مزار کے برابر ان کے بزرگ صاحبزادہ اور جانشین حضرت صدر الدین المتوفی سنہ ۶۸۴ھ کا مزار ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں، جن کے عہد میں سلطان غیاث الدین بلبن کا نامور بیٹا محمد سلطان خان شہید ملتان کا حاکم تھا، اور جس نے تاتاری حملہ کے سیلاب کو جسکے تھپیڑوں میں خلافت بغداد کی کشتی ڈوب گئی تھی، ملتان میں کامیابی کے ساتھ روک دیا تھا، اور آخر خود اسی واقعہ میں اتفاقًا شہید ہو کر، "خان شہید" لقب پایا، حضرت امیر خسرو دہلوی بھی اس شہزادہ کے ساتھ اس ہنگامہ میں ملتان میں تھے،

نامۂ کیمبرج

(۲)

از پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج،

محترمی حضرت علامہ — السّلام علیکم،

کل بحری ڈاک میں لاہور سے برخوردار محمود نظامی کا ایک تحفہ موصول ہوا، آج اور کل اسی پر صرف ہوئے اپنی ریسرچ سب بھول گیا، رات کے دو بجے تک اور صبح ناشتہ کے ساتھ بھی وہی تحفہ تھا، وہ تحفہ کیا تھا؟ عمر خیام از سید سلیمان ندوی! "شعر العجم" کے بعد "شعر الہند" کی اشاعت سے اذیت پہنچی تھی، اور علامۂ مرحوم کو مافوق البشر کہہ کر دل کو تسلی دے لیا کرتا تھا، مگر عمر خیام نے پرانی یادیں اور امیدیں پھر زندہ کر دی ہیں، اور تلافیٔ مافات ہو گئی ہے، یہ نقشِ اوّل نقشِ ثانی سے کلیتہً بے نیاز ہے۔ غالباً کسی اور زبان میں بھی اس شان کا مضمون اس موضوع پر اب تک شائع نہیں ہوا، خدا آپکی زندگی اور ہمت کو زیادہ کرے، آپ کا وجود ہمارے لئے غنیمت ہے،

میں نے کتاب کے اس سرسری مطالعہ میں چند مقامات پر پنسل سے کچھ نشانات لگائے ہیں، ان کی وضاحت چاہتا ہوں، یہاں میرے پاس نہ کوئی کتاب ہے (اردو فارسی کی) نہ کوئی اور ذریعۂ تحقیق، فضا مختلف ہے، کام الگ ہے، احباب اور طرح کے ہیں، فارسی کہاں، اردو کا بھی ایک لفظ مدتوں سننے میں نہیں آتا، اس لئے بہت ممکن ہے کہ میرے شبہات بالکل مبتدیانہ ہوں جنکا ازالہ آپ کو تکلیف دیئے بغیر ممکن نظر آتا ہو، مگر میرے لئے یہی بالکل آخری صورت ہے۔

اوّل:- آپ نے عمر خیام کی ولادت اور وفات کا مسئلہ خوب واضح کر دیا ہے لیکن ایک سو سال کی عمر کو محال محض فرض کرنا سمجھ میں نہیں آتا، بالخصوص جب یہ سو سال قمری ہوں، یعنی پورے سو سال شمسی نہ ہوں، ایک حکیم متاخر اگر یہ عمر نہ پا سکے تو ہم تو مارے گئے، یہاں ستر سال سے زیادہ عمر کے پروفیسر شبانہ روز کام کرتے ہیں، میرے اپنے

نگران سرآرتھر اپنے عام کام، لیکچرز، نگرانی کے علاوہ شعبۂ انگریزی کی صدارت کرتے ہیں، کئی ایک اور دفتروں کے نگہدار ہیں، اور پھر قریباً ہر سال ایک معرکۃ آرا تصنیف شائع کر دیتے ہیں، (انھیں عمر خیام بہت پسند ہے اور فٹز جرلڈ کے اس وقت مداح تھے جب بہت کم لوگ اس کے ترجمے سے واقف تھے۔)

عمر خیام کو آپ اتنی جلد یا بیچ بنانے پر کیوں مصر ہیں، وہ زمانہ تو سکون و عافیت کا ہوگا، کم از کم ہوائی جہازوں اور موٹروں کی تگ و دو تو نہ تھی، مگر یہ تاریخی تحقیقات کا معاملہ ہے اور میری ہمدردی کے احاطہ سے باہر ہے۔

دوم: رباعی کے قوافی کے سلسلے میں آپ نے عمارۂ مروزی کے چار مصرع نقل کئے ہیں، اور نہ جانے کیا استنباط کرنا چاہا ہے، مگر مجھے یہ چار مصرعے رباعی کے معلوم نہیں ہوتے، اور چوتھا مصرع غلط نقل ہوا ہے، است کی جگہ بہ چاہئے، یوں ؎

آں مے بدست آں بت سیمین من نگر　　　گوئی کہ آفتاب بہ پیوست با قمر
واں ساغرے کہ سایہ بیفگندے بر د　　　برگ گل سفید بگوئی بہ لالہ بر

نہ کہ ؎ برگ گل سفید است گوئی بہ لالہ بر

اور مستفعلن مفاعلن ہے، ع بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے، رباعی کا وزن کیسے ہوا، کیا میرے کان دھوکہ کھا رہے ہیں، یا آپ کچھ اور فرما رہے ہیں؟

سوم:۔ سلسلۂ ماسبق میں آپ نے محبی العزیز پروفیسر شیرانی کے "ادعائے چار بیتی" کا دو جگہ تذکرہ کیا ہے، میرے خیال میں یہاں کوئی لفظی الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے، جہاں تک مجھے یاد ہے وہ چار بیتی کو رباعی سے مختلف صنف سخن تصور کرتے ہیں، آپ چار بیتی اور رباعی کو ایک قرار دیتے ہیں، ترانہ کی طرح، اس لئے ان کا کہنا کہ چار بیتی کی اب کوئی مثال نہیں پائی جاتی، محض چہار قوافی رباعی نقل کرنے سے غلط نہیں ہو جاتا، رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں، چار بیتی میں بھی چار مصرعے ہوتے ہیں، رباعی میں قوافی کبھی تین کبھی چار، چار بیتی میں ہمیشہ چار قوافی ہوتے ہیں، رباعی عربی بحر ہزج سے مختص ہے، چار بیتی کے اوزان غالباً غیر

عربی قدیم ایرانی ہیں، یہ دعویٰ بلا دلیل سہی، مگر اس کی تردید میں عوفی سے چار قوافی رباعیات نقل کرنا غیر متعلق ہے،

میرے پاس نہ شیرانی ہیں نہ ان کا کوئی مضمون، نہ کبھی اُن سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی ہے جو یاد رہ گئی ہو، آپ کے اقتباسات ایک دھندلا سا خیال اور اپنی رائے اُن کی بنا پر ماقبل الفاظ تحریر کئے ہیں اور پھر یہ بھی اعتبار ہے کہ وہ گرگ بیشۂ تحقیق ایسا "نادر" دعویٰ کم کرتا ہے، جو یونہی لاطائل ٹھہر جائے، بڑا پیچ دار بزرگ ہے اور پکا عروضی، اور رباعی کے اوزان کے متعلق مجھے خود مروّجہ مسلمات سے اختلافات ہیں، مگر وہ اور بحث ہوگی،

چہارم آپ نے رباعی کی ترویج کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، اور غالباً اس موضوع پر اور کسی نے کچھ بھی نہیں لکھا، مگر مجھے پہلی ہی وجہ سے ایک الجھن پیدا ہوگئی، آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ (اور دیگر اصناف سخن) میں لوگ حقائق حکمت کے علاوہ اور مضامین زیادہ باندھتے تھے، اس لئے ایک نئی صنف سخن کی ضرورت تھی، یہ تو عجیب تھا کہ "تصوف و حکمت" کے شہکار رباعی کے لئے مخصوص ہو جاتے، حالانکہ واقعات یہ ہیں کہ ہمیشہ مثنوی ان خیالات کے اظہار کا مشہور ترین آلہ رہی، عطار، رومی، اقبال کے نام اور تصانیف سب کو معلوم ہیں، دوسری وجہ دیتے ہوئے آپ نے مثنوی اور قصیدے کی طوالت کو پیشہ ور شاعر کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور صوفیہ کی بے فرصتی کو بہانہ بنایا ہے اور ان کے "ذکر و فکر عبادت" میں مخل گردانا ہے ظاہر ہے کہ آپ ان رموز کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں، لیکن رومی اور عطار اور دیگر صوفیائے کرام کی لمبی لمبی تصنیفوں کو دیکھتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا کہ انھیں پیشہ ور شاعروں سے الگ کیسے کیا جائے، اور "ذکر و فکر و عبادت" سے غافل کس طرح کہا جائے؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ صوفی شاعر پیشہ ور صوفی بھی ہو، آپ نے یہاں تیسری صنف سخن "قطعہ" کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ قلت وقت کی شکایت اس سے رفع ہو سکتی ہے قطعہ مختصر بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی، اس کے وجود سے آپ کی تیسری وجہ بھی کہ قصیدہ اور

مثنوی محض مسلسل خیالات کے کفیل ہیں، اسلئے متفرق خیالات غزل کی غیر موجودگی میں رباعی ہی میں آسکتے تھے، محض حسن ظن ہوکر رہجاتی ہے، یہ بھی یاد رہے کہ رباعی غزل کے بعد بھی قائم رہی اور رہے گی، جس طرح قطعہ کے باوجود پیدا ہوئی اور قائم ہے، آپ کی چوتھی وجہ بھی جو رباعی کے اختصار مصاریع ہی پر مبنی ہے، قطعہ اور مختصر قصائد کے ہوتے ہوئے بے بنیاد معلوم ہوتی ہے، اگر گانے کے لئے چند اشعار ہی درکار تھے، تو قطعہ موجود تھا اور مثنوی کے مختصر ابواب وقصص تھے جو باقتضائے طلب اور زیادہ مختصر ہو سکتے تھے،

غرض یہ چوتھی دلیل بھی کچھ ایسی محکم نہیں، چھٹی وجہ کہ رباعی کو قوّل کہتے تھے اور قوّال گاتے ہیں، بجائے خود مستقل دلیل نہیں، چوتھی کا اضافہ بن سکتی ہے اور ساتویں اور آخری وجہ تو بقول آپ کے محض "متفرق اقوال" کا مجموعہ ہے، میں نے پانچویں وجہ کو اب تک خارج از بحث رکھا ہے، کیونکہ یہی قول حقیقت کے قریب تر ہے، آپ نے فقط اس قدر لکھا ہے کہ "رباعی کے وزن کو موسیقی کی لَے سے کوئی خاص مناسبت تھی" وہ خاص مناسبت کیا ہے؟ لے اور موسیقی سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ کے نزدیک الفاظ کے معانی اور اصوات کا کیا تعلق ہے، کیا موسیقی سے مراد ملائم آوازیں ہیں، داغ کے اس "مصرعۂ مبہم" کی طرح ع کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں، یہ سوالات جواب طلب ہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ رباعی کی ترویج کا راز اس کے وزن میں ہے، آپ نے "اقسام البحور" کی رباعی میں بداہت کی طرف توجہ مخصوص کردی حالانکہ اصل بات مصرعۂ اوّل میں ہے ع در بحر ہزج زحاف بسیار افتد زحافات کا ہونا اور "بسیار" ہونا، سو جوابوں کا ایک جواب ہے، اس سے رباعی میں اختصار کے ساتھ ایک ایسا تنوع اور یگانگت کا امتزاج ممکن ہوگیا ہے جو اور اصناف میں نایاب ہے، اور بحر بھی مناسب ہو، وہ کس طرح؟ مگر اس بحث کے لئے ایک مستقل مضمون درکار ہے،

اب فصل پنجم آتی ہے، آپ نے حافظ وخیام کے مجمع نسخوں کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں (ص ۱۰۲) "ندوۃ العلما" کے نسخے کے متعلق لکھا ہے کہ "خط و کاغذ کے لحاظ سے دو تین سو برس کا پرانا معلوم ہوتا ہے" یہ عام زبان ہی سہی، مگر تاریخی تحقیقات میں دو سو برس اور تین سو برس میں پورے سو سال کا فرق ہوتا ہے

اور یہ بڑا فرق ہے، عمر خیام کی عمر کے متعلق آپ کو بھی سو سال پوری صدی معلوم ہوتے تھے، اگر میری یاد دھوکا نہیں دیتی تو لاہور میں بھی ایک نہایت عمدہ اور قیمتی نسخہ موجود ہے، مجی ابوالاثر حفیظ جالندھری یا حفظ الرحمٰن صاحب جامع حفظ العلوم اس کے متعلق بالیقین کہہ سکتے ہیں،

آپ نے لاہور کے "سید سلیم کے نسخۂ عمر خیام کا ذکر بھی کیا ہے، مجھے لاہور جیسے بڑے شہر میں ہر صاحب ذوق وعلم یا جامع کتب سے تعارف کا دعویٰ نہیں، لیکن ایسا نایاب نسخہ چھپا نہیں رہتا، کہیں یہ سید سلیم صاحب محترمی خواجہ سلیم۔ ایم لے، ساکن محلہ کوٹھیداراں تو نہیں؟ اُن کے پاس ایسے خزائن ہیں، اور عمر خیام بھی ہے، آپ مجی العزیز خواجہ عبدالوحید یا پروفیسر تبسم سے دریافت کریں، وہ "سید" اور "خواجہ" کا جھگڑا مٹا سکیں گے،

میرے یہ سوالات کتاب کے اصل موضوع سے دور ہیں، اور ان کی صحت یا تغلیط سے آپ کی کتاب بے نیاز ہے، مگر مجھے امید ہے کہ آپ فرصت کا وقت نکال کر ان کی طرف متوجہ ہو سکیں گے، مناسب ہو تو اس خط کو شائع فرما دیں، جواب بھی ساتھ ہی، کیونکہ یہ سوالات اوروں کے لئے خیال افروز ہونگے،

(مورخہ ۱۸ر مئی ۱۹۳۴ء)

توضیح و توجیہ

از

سید سلیمان ندوی،

[illegible] ہوں کہ میری اس حقیر تالیف کی نسبت آپ نے اس حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے، مجھے اس کا [illegible] کوشش کے باوجود اس میں کچھ نہ کچھ نقائص ضرور ہونگے کہ کوئی انسانی کام خطا و نسیان سے یکسر [illegible] امور مستفسرہ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرتا ہوں،

[illegible] کی عمر کو "مجالِ محض" کہیں نہیں کہا ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ

خیام کی ولادت کا سال پانچویں صدی ہجری کے اوائل کا سال (تا کہ نظام الملک طوسی المولود ۴۰۸ھ کی ہمسنی ثابت ہو) اس وقت تک فرض نہیں کیا جاسکتا جب تک ہم اس کی عمر غیر معمولی اور غیر طبعی تسلیم نہ کریں، جسکا اندازہ ایک سو سولہ برس تک کیا جاسکتا ہے، اور اس حالت میں لازم آئیگا کہ حسب ذیل سنین کے وقت حسب ذیل عمر کا ہو، (۱) ۴۶۷ھ میں رصدخانہ کی تعمیر کے وقت وہ انسٹھ ۵۹ برس کا ہو، (۲) ۵۰۶ھ میں جب وہ نیشاپور سے بلخ گیا تھا . . . . تو وہ اٹھانوے برس کا ہو (۳) ۵۰۷ھ جب ابوالحسن بیہقی اپنے بچپن میں اس سے ملا تھا اور خیام نے اس کا امتحان لیا تھا، اس وقت اس کی عمر ننانوے برس کی ہو، (۴) ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں جب سلطان مرو میں شکار کھیلنے نکلا تھا اور خیام اس کو خود سوار کرانے گیا تھا تو اس وقت اس کی عمر سو برس ہو،

ان (سنین) میں سے رصدخانہ کی تعمیر کے وقت کا سال گو چنداں بعید نہیں، مگر بقیہ سنین تمامتر طبعی حالات کے خلاف ہیں، اگر ایسا ہوتا تو ضرور تھا کہ بیہقی اور نظامی عروضی ان سنین کے ذکر کیوقت اوس کی حیرت انگیز غیر طبعی قوت اور عمر کا استعجاب کے ساتھ ذکر کرتے، جیسا کہ اس قسم کے مستثنیٰ عمر والوں کے حالات میں اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے"۔ (ص۵ خیام)

منشا یہ ہے کہ اُسکے ان سنینِ عمر میں اگر نظامی اور بیہقی اس سے ملے ہوتے اور اس کو اس عمر میں اس طرح سعدون اور کاموں میں مشغول پاتے تو اس کی اس طویل عمر کا ذکر استعجاب کے ساتھ ضرور کرتے، جیسا کہ اس قسم کے مستثنیٰ واقعات کا ذکر مورخین اور اہل تذکرہ طبعاً کیا کرتے ہیں،

۲ - عمارہ مروزی کا یہ قطعہ یا رباعی جو چاہے کہئے میں نے لباب الالباب عوفی (جلد دوم ص۲۵ طبع برون) سے نقل کی ہے، اس میں عوفی جیسے ماہر ادب نے اس کو رباعی ہی کہہ کر نقل کیا ہے، اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام اس عہد کے نامور ایرانی فاضل علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے کیا ہے۔ انھوں نے بھی یوں ہی رہنے دیا ہے اور اس نظم کے چاروں مصرعے یہی اسی طرح ہیں، جس طرح میں نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں، (لباب الالباب جلد دوم ص۲۵)

اتنا لکھنے سے صحتِ نقل کا بار تو میرے سر سے اتر گیا، البتہ عقل و قیاس کا سوال باقی رہ گیا، آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اس کا وزن بحر ہزج کے عام اوزانِ رباعی میں سے نہیں ہے، مگر اس کی جو تقطیع آپ نے کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بحر رمل میں مستفعلن مفاعلن مستفعلن مفاعلن میرے علم میں نہیں آیا ہے، اور نہ اس وزن کو اہل عروض نے اس بحر کے منشعبات میں شمار کرایا ہے،

یہ چاروں مصرعے غالباً بحر مضارع میں ہیں، جسکا اصلی وزن مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن فاعلاتن ہے، اور ان مصرعوں میں یہ زحافات کے بعد مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن ہو کر آیا ہے، چوتھا مصرع میں نے صحیح نقل کیا ہے، اور وہ اسی وزن پر ہے، برگِ گُ مفعولُ - لِ سپیدش فاعلاتن - تَ گوئی بَ مفاعیل، لالہ بر فاعلن - تین پہلے مصرعوں کا بھی یہی وزن ہے، آں می بِ مفعولُ، دست آں بُ فاعلات، تِ سیمین مفاعیل من نگر فاعلن،

عوفی کا اس کو رباعی کہنا، اور قزوینی وغیرہ مصححین کا اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا یا تو یہ معنی رکھتا ہے کہ مروزی کے عہد میں اوزانِ رباعی کی یہ تخصیص نہیں ہوئی تھی جو بعد میں ہوئی، یا اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ ہر چار مصرعوں کی نظم کو رباعی کہہ دیتے تھے، چنانچہ عوفی نے اسی صفحہ میں ایک اور چار مصراعی نظم کو جس کے پہلے مصرع میں قافیہ بھی نہیں رباعی کہا ہے، جس کو آپ یقیناً قطعہ کہیں گے، موجودہ مطبوعہ دیوان رودکی کے بعض رباعیات کا بھی یہی حال ہے، اس قطعہ یا رباعی کو یہاں نقل کر کے میں نے یہ کہنا چاہا ہے کہ اس عہد تک میں فارسی رباعیات کے تیسرے مصرع کا ہم قافیہ ہونا ضروری نہ تھا،

پروفیسر شیرانی صاحب نے رباعی کے متعلق اپنے مضمون تنقید شعر العجم میں جو کچھ کہا ہے، وہ محقق طوسی کی معیار الاشعار اور مفتی سعد اللہ مرحوم کے رسالہ رباعی پر مبنی ہے، آپ نے رباعی اور چار بیتی کے درمیان جو فرق دکھانا چاہا ہے وہ تمامتر غیر صحیح ہے، اہل عروض کے نزدیک رباعی اور چار بیتی متحد ہیں، معیار الاشعار میں ہے:

"وانچہ ازیں وزنہا مانند یک مصراع مثمن است متاخراں استعمال کمتر کنند و قدما براں شعر بسیار

گفتہ اند، و ایشاں ہر مصراع را قافیہ می آوردہ اند، و آنرا بیتے می شمردہ اند، مانند رجز مشطور، یا منہاے معقد از اشعار تازیاں کہ آں را منتصف معین نباشد، و بایں سبب ترانہ را قدما چہار بیت میگرفتہ اند، و آنرا چہار بیتی خواندہ اند، و بتازی رباعی، و در ہر چہار قافیہ آوردن لازم می شمردہ، اما نزدیک متاخراں چوں مربعات ایں اوزان مستعمل نیست، ایں اوزان متروک است، و ہر بیتی ازیں ابیات مصراعے می شمرند، و رباعی را دو بیتی میخوانند و مصراع سیم را خصی می خوانند و قافیہ شرط نمی فہمند"

مفتی سعد اللہ صاحب اپنے رسالہ رباعی میں رقمطراز ہیں:-

"قدماے فارس ترانہ را کہ از ہزج مربع اختراع کردہ اند چہار بیتی و رباعی می گفتند و ہر دو و چہار رکنی را قافیہ لازم می شمردند، اما متاخراں شان چوں ابیات مربع ہزج نزد ایشاں متروک است ترانہ را از مثمن قرار میدہند و ہر دو و چہار رکنی را مصراعے می شمرند و مجموع را دو بیتی، و در مصرع سوم قافیہ لازم نمی دانند و آنرا خصی نامند لیکن نہ بودن قافیہ در مصرع سوم لازم نباشد بل در بعضے از رباعیات در ہر چہار مصرع قافیہ بود"

۴۔ حکما و صوفیہ نے اپنے اظہار مطلب کے لئے زیادہ تر رباعی کو کیوں اختیار کیا؟ اس سوال کے جواب میں چند اسباب و دلائل میں نے لکھے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ وہ اسباب و دلائل منطقی نہیں، جو ہر شک و شبہہ سے پاک ہوں بلکہ محض قیاس و ذوق پر مبنی ہیں، مثنوی کسی ایک مختصر نکتہ کے ادا کرنے کے لئے کبھی استعمال نہیں کیگئی ہے، بلکہ ہمیشہ طویل و مسلسل قصص و مسائل کے بیان و تشریح کے کام میں آئی ہے، جیسا کہ عطار اور سنائی اور رومی وغیرہ کے یہاں ملتی ہے، انھیں بزرگوں کو جہاں کہیں مختصر اور علٰحدہ علٰحدہ نکات کے بیان کا اتفاق ہوا ہے، انھوں نے مثنوی کے بجائے رباعی کو استعمال کیا ہے، قطعہ البتہ ایک چیز تھی، چنانچہ ابن یمین نے اس سے کام لیا ہے، مگر قطعہ کے لئے بھی گو ضروری نہیں، مگر زیادہ تر چار پانچ چھ شعروں کا استعمال شائع تھا، جیسا کہ مشہور قطعہ گو ابن یمین کے

قطعات میں نظر آتا ہے، ایک اور بات یہ ہے کہ قطعہ میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسکا کوئی جزو باقی، ناتمام یا متروک تو نہیں ہے، کیونکہ اس میں اشعار کی تعداد مخصوص نہیں ہے، مگر رباعی میں یہ شبہہ ممکن نہیں کہ اس کے چار مصرعوں میں کمی بیشی ممکن ہی نہیں، اسلئے یہ مختصر نکات کی حفاظت کے لئے بہترین صنفِ سخن ہے،

میرے ان دلائل و اسباب میں اصل دلیل چوتھی اور پانچویں ہے یعنی یہ کہ ترانہ، قول، چہار تیتی اور رباعی جس نام سے اس کو پکارئے وہ اہلِ فن میں گانے کے کام میں آتی تھی، اور اس لئے صوفیہ کی مجلسِ سماع کے لئے وہ بہترین چیز تھی،

موسیقی سے میری مراد ساز پر گانا ہے،

اقسام البحور (اقسام البحور) رشید الدین وطواط کے جس شعر کو میں نے اس کتاب میں نقل کیا ہے اس سے صرف اس بات پر استدلال کیا ہے کہ بحر ہزج جسمیں عموماً رباعی کہی جاتی ہے، فی البدیہہ اظہارِ مطلب کے لئے استعمال میں آتی ہے، اس شعر میں یہ وہ بات تھی جس کے بیان کی طرف دوسرے کسی صاحبِ عروض نے توجہ نہیں کی ہے اور اس لئے رشید المتوفی ۵۷۳ھ جیسے ماہرِ فن اور قدیم شاعر و عروضی کے بیان سے فائدہ اٹھایا گیا، اور اس کے شعر کے اس دوسرے بیان کی طرف کہ اسمیں زحافات بہت آتے ہیں اور اس سبب سے اسمیں بہت سے اوزان پیدا ہو گئے ہیں، [illegible] کی ضرورت نہ تھی کہ یہ تو سب ہی عروضی لکھتے ہیں، پھر محض زحافات کا کثیر آنا یا اسکا کثیر الاوزان ہونا رباعی کے [illegible] نہیں بن سکتی کہ قطعات میں تو بحر کی بھی سرے سے قید نہیں، وہ ہر بحر میں ہو سکتا ہے، اس لئے [illegible] اوزان تو رباعی سے بدرجہا زیادہ ہے،

[illegible] ندوہ کی فہرست کے مطابق اس رسالہ کو رشید وطواط کی طرف منسوب کیا تھا، مگر ابھی گذشتہ [illegible] حبیب گنج (علی گڑھ) نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی) میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں یہ رسالہ [illegible] نام کے ایک قدیم تذکرہ منتخبات کے آخر میں مشہور ادیب و شاعر ادیب صابر المتوفی ۵۴۶ھ کی طرف منسوب نظر آیا، کیا عجیب بات ہے کہ یہ دو معاصر شاعر جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے اور ایک دوسرے کی ہجو کرتے

رہے، وہ اتنی صدیوں کے بعد اس طرح متحد ہو گئے کہ اب یہ فیصلہ مشکل ہو گیا ہے کہ یہ رسالہ اب ان دو میں سے کس کی ملکیت ہے،

۵۔ ندوۃ العلماء کے نسخۂ دیوان حافظ کے زمانہ کتابت کی تعیین خط و کاغذ وغیرہ کے قیاس سے میں نہیں کر سکتا، اسلئے اس حقیقت کا اظہار "دو تین سو برس" کے مجازکے سوا میرے لئے ممکن نہیں،

۶۔ مکرمی خواجہ سلیم صاحب کو سید سلیم صاحب لکھنے مین مجھ سے غلطی ہوئی ہو گی، اور آپ اسکی تصحیح کا حق رکھتے ہیں کہ مجھ سے تو خواجہ صاحب کی ایک ہی دفعہ کی ملاقات ہے، اور لاہور آپکا گویا وطن ہے، اور اھل البیت ادری بما فیہ لیکن کیوں صاحب! ایک منطقی یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ حضرت "سید" اور "خواجہ" کا جھگڑا ختم کیجئے، گو ایک لفظ عربی، اور دوسرا فارسی ہے، مگر معنی دونوں کے ایک ہی ہیں، والسلام "س"

خیّام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ، اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث، اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے،

ضخامت ۵۲۰ صفحات کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ،

قیمت :- غیر مجلد - ۵؍

مجلد - ۵؍۸

"منیجر"

(حاشیہ ص ۲۶۴) یہ مونس الاحرار اُس مونس الاحرار سے جسکو محمد بدر جاجرمی نے ۷۴۱ھ میں تالیف کیا ہے، الگ ہے، یہ ایک اور مصنف نے اس زمانہ سے پینتیس ۳۵ برس پہلے تالیف کیا ہے، اگر دونوں کا موضوع یکساں ہے، عنقریب اس تذکرہ پر ایک مضمون معارف میں شائع ہوگا، "س"

کیا معیار الاشعار طوسی کی نہیں ؟

فارسی وعربی علم عروض وقافیہ مین فارسی کا ایک مشہور قدیم رسالہ ہے جس کا نام معیار الاشعار ہے ہندوستان مین اس رسالہ کی اشاعت کا فخر مولانا مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری مرحوم المتوفی ۱۲۹۴ھ کو ہے، مرحوم نے پہلے اس رسالہ کو اپنے حواشی کے ساتھ ۱۲۶۴ھ مین مطبع علوی مین چھپوایا، اور اسکی تاریخ حسب ذیل لکھی،

ع زہے معیار اشعار محشا، ۱۲۶۴ھ

اس حاشیہ مین مرحوم نے اسکی مفصل شرح لکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا، مگر جیسا کہ میزان الافکار کے دیباچہ مین انھون نے لکھا ہے کہ اودھ کی سلطنت کی تباہی وبربادی سے جمعیت خاطر ایسی منتشر ہوئی کہ شرح مذکور کا شیرازۂ ترتیب بھی منتشر ہوگیا، بعد ازین جیسا کہ خاتمۂ کتاب مین ہے، جب شارح کو فصل نہم کے شروع کرنے کے بعد حرمین شریفین کا سفر درپیش آیا تو واپسی مین عدن مین جہاز کے انتظار مین کچھ دنون توقف کا اتفاق ہوا، اور وہین ۷ اصفر ۱۲۸۲ھ مین یہ شرح اتمام کو پہنچی اور میزان الافکار کے نام سے ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء مین مطبع نولکشور لکھنؤ مین چھپ کر شائع ہوئی،

مفتی صاحب نے اصل متن معیار الاشعار اور میزان الافکار شرح معیار الاشعار دونون مین اصل کتاب معیار الاشعار[1] کو علامہ محقق طوسی متوفی ۶۷۲ھ کی تصنیف ظاہر فرمایا، اور اسی نسبت سے یہ زبان زد خاص وعام ہوئی، مفتی صاحب نے معیار الاشعار مطبوعہ ۱۲۶۴ھ کے خاتمہ مین اس تصنیف کا سنہ تک متعین فرما دیا،

۱ چنانچہ رسالہ کامل البیان مسمی بہ معیار الاشعار در علم عروض وقوافی عربی وفارسی رنجۂ قلم جادو رقم

[1] سلطان المحققین ... تمام شد بتاریخ ... ششصد و ... یکہزار وہفتاد ویک چھپ گیا ہے، یکہزار و دوصد وہفتاد ویک چاہئے، مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء

سلطان الحکماء المتقدمین والمتاخرین محمد بن محمد بن حسن خواجہ نصیر الدین طوسی است کہ در سن ششصد و
چہل و نہ ہجری از تسویدش فارغ گردیدہ"۔

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے نزدیک ۶۴۹ھ مین محقق نے اس رسالہ کے مسودہ سے فرصت پائی معلوم نہین مفتی صاحب نے یہ تاریخ کہان پائی، عجب نہین کہ معیار الاشعار کے اس قلمی نسخہ مین جو ان کے پاس ہو یہ لکھا ہو، پھر وہ اپنی شرح کے دیباچہ مین اپنا خیال لکھتے ہین کہ محقق طوسی نے اس رسالہ کو مسودہ ہی کی حالت مین چھوڑا تھا، اسلئے وہ اس کی دوسری تصانیف کی طرح مشہور نہ ہوا،

"مگر ظاہر چنان مینماید کہ نوبت نظر ثانی خواجہ برین کتاب نہ رسیدہ و لہذا مثل دیگر تصانیفش
متداول درس نگردیدہ" (ص۵)

بہرحال یہ سب مفتی صاحب مرحوم کے قیاسات و بیانات ہین، اصل متن کتاب مین نہ تو مصنف کا نام ہی نہ یہ سال تصنیف ہے، اسلئے محققین حال کو جو ہر اُس بات مین جس کی معتبر شہادت نہ ہو، شک کی نظر سے دیکھتے ہین، اس امر مین بھی شک ہوا کہ یہ رسالہ محقق موصوف کی تصنیف بھی ہے یا نہین؟

سب سے پہلے ڈاکٹر ریو نے اپنی قابلِ قدر فہرست مخطوطات فارسی کتبخانہ برٹش میوزیم جلد دوم ص۵۲۵ مین مفتی صاحب مرحوم کے بیان کو لکھکر اس کی صداقت مین شک ظاہر کیا۔

"ہم کو یہ نہین بتایا گیا کہ یہ انتساب (یعنی معیار الاشعار کی تصنیف کی نسبت خواجہ محقق
طوسی کی طرف) کس سند پر مبنی ہو، اس پر بھی نظر رہے کہ مجالس المومنین کے مصنف نے نصیر الدین
کی تصانیف کی وسیع فہرست مین اس قسم کی کسی تصنیف کا ذکر نہین کیا ہے"۔

فاضل جلیل مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے محمد بن قیس رازی کی المعجم فی معاییر اشعار العجم کی تصحیح و تحشیہ کی تقریب سے اس پر جو دیباچہ لکھا ہے، اس مین معیار الاشعار اور اسکی شرح میزان الافکار کا بھی ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر ریو کے شک دلانے سے انھون نے بھی اس کو محقق طوسی کی تصنیف قرار دینے مین شک کیا ہی کہتے ہین

"کتاب مرغوب معیار الاشعار است در علم عروض و قوافی کہ در ۶۴۹ھ تالیف شدہ و مصنف آں معلوم نیست...... ودی ایں کتاب را بخواجہ نصیرالدین طوسی معروف متوفی در ۶۷۲ھ نسبت دادہ است و بے معلوم نیست از روے چہ ماخذے"

حاشیہ میں "رجوع کنید بفہرست نسخ فارسیہ برٹش میوزیم تالیف ریو ص ۵۲۵" لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مرزا کے اشتباہ کی بنیاد ڈاکٹر ریو کی مذکورۂ بالا تحریر ہے،

اب ہم کو غور کرنا ہے کہ واقعہ کیا ہے؟ کتاب خیام کی تصنیف کے وقت ایک ضمنی حاشیہ میں ہم نے یہاں تک ثابت کر دیا تھا کہ یہ کتاب محقق طوسی کی زندگی ہی میں لکھی جا چکی تھی، مگر اس وقت تک کوئی تحریری شہادت اس بات کی نہیں ملی تھی کہ یہ محقق کی تصنیف ہے، اس لئے شک کا پردہ پوری طرح ہم سے چاک نہ ہو سکا تھا، اور کسی قطعی فیصلہ سے احتراز کیا تھا، اور لکھدیا تھا کہ

"ان تاریخی قیاسات کی صورت میں خواجہ کی طرف اس تصنیف کی نسبت اسناد کی غیر موجودگی کی صورت میں مشکوک معلوم ہوتی ہے، اور اگر اسناد موجود ہوں تو ان کے اوائل عمر کی تصنیف ہوگی"

(خیام ص ...)

خیام کی اشاعت کے بعد بحمد اللہ کہ یہ سند ہم کو مل گئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خواجہ محقق طوسی کی تصنیف ہے، ہمارے پہلے دعویٰ کی دلیل کہ یہ کتاب خواجہ طوسی کی زندگی میں لکھی گئی ہے حسب ذیل ہے،

معیار الاشعار کے مباحث قافیہ میں ہے:-

"... قافیہ و ردیف بطریق بدعت آن است کہ کمال اصفہانی دریں روزگار در قصیدہ کہ بعضے را ... می آمد کردہ است، و بعضے را می آید آوردہ است، و مطلع قصیدہ این است"

... نسیم بہار می آمد | نگہ و کر ... م و ... یدم کہ یار می آمد

... کہ یہ قصیدہ اس کتاب کی تالیف کے وقت کہا گیا ہے، احتمال کا یہ قصیدہ ...

ابوالعلاء مسعود صاعدی اصفہانی کی مدح مین ہے، یہ صاعدی خاندان اپنے مسلسل فضل و کمال اور دنیاوی جاہ و جلال کے باعث اصفہان مین نہایت محترم تھا، اور امراء کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، سلاطین وقت اس خاندان کے افراد کا لحاظ کرتے تھے، اور شعراء اُن کی مدح مین قصیدے لکھتے تھے، اور صلہ اور انعام پاتے تھے، کمال کی تاریخ وفات میری تحقیق مین ۶۳۵ھ ہے، (دیکھو خیام ص۲۸۵) اور قاضی رکن مسعود صاعدی کے سیاسی حیات کا زمانہ ۶۱۵ھ سے یکر ۶۲۲ھ تک معلوم ہوتا ہے، ۶۱۵ھ مین اصفہان پر رکن الدولہ نے قبضہ کیا تو قاضی صاحب بھاگ کر اتابک سعد زنگی کے پاس (شیراز) چلے گئے تھے (ابن خلدون ج ۵ ص۱۱۵ مصر) سلطان جلال الدین خوارزمشاہ المقتول ۶۲۸ھ کی واپسی اصفہان کے وقت تک جو غالباً ۶۲۲ھ مین ہوئی تھی، زندہ تھے، (تاریخ گزیدہ ص۵۰۲) قاضی صاحب خود بھی اتابک کے پاس سے شاید ۶۲۲ھ سے کچھ پہلے یا پیچھے اصفہان واپس آئے تھے، چنانچہ سلطان کی طرح قاضی صاحب کی واپسی پر بھی مبارکباد کا قصیدہ کمال کے دیوان مین ہے،

اب قاضی صاحب کی مدح میں کمال نے اپنا یہ قصیدہ شاید ۶۱۵ھ سے ۶۲۵ھ تک کے کسی زمانہ میں کہا ہوگا، خواجہ نصیر طوسی کی تاریخ ولادت ۵۹۷ھ ہے، اسلئے شاید ۶۱۵ھ میں ان کی عمر اٹھارہ برس اور ۶۲۲ھ میں ۲۵ برس ہوگی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب معیار الاشعار خواجہ محقق طوسی کی زندگی مین لکھی گئی ہے،

اب آگے بڑھئے، ابھی حال مین صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی کی الوافی بالوفیات کی پہلی جلد استانبول سے ۱۹۳۱ء مین چھپکر شائع ہوئی ہے، یہ محمد بن محمد سے محمد بن ابراہیم تک کے اشخاص کے حالات پر مشتمل ہے، صلاح الدین صفدی آٹھوین صدی ہجری کا مشہور فاضل ہے، اس کی تاریخ الوافی بالوفیات فن وفیات مین سب سے مفصل اور ضخیم تالیف ہے، اور تیس جلدون پر مشتمل ہے، مصنف کی ولادت ۶۹۷ھ مین اور وفات ۷۶۴ھ مین ہوئی ہے، یعنی خواجہ نصیر طوسی کی وفات کے پچیس ۲۵ برس کے بعد پیدا ہوا ہے،

صلاح الدین صفدی نے اپنی اس تاریخ مین خواجہ طوسی کا پورا حال کہین ایک اور کہین دو واسطون سے نقل کیا ہے، اسی ضمن مین اس کی تصنیفات کی فہرست بھی دی ہے جبمین فارسی رسالۂ عروض کی بھی تصریح ہے، صفدی کا بیان ہے

ومن تصانیفه التجرید فی المنطق	اور اس کی تصنیفات میں تجرید منطق میں اور
واوصاف الاشراف وقواعد العقائد	اوصاف الاشراف اور قواعد العقائد اور تلخیص
والتلخیص فی علم الکلام والعروض	علم کلام میں اور عروض فارسی زبان
بالفارسیة	میں . . . . . .

اب یہ بات کہ یہ رسالہ معیار الاشعار ہی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ دسویں صدی کے ایک مصنف فخری بن محمد امیر الہروی نے بھی جو ارغون شاہ حاکم سندھ (۹۲۸ھ تا ۹۶۲ھ) کا معاصر تھا اپنی کتاب صنائع الحسن میں جس کا نسخہ بانکی پور لائبریری میں ہے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر طوسی کی تالیف بتایا ہے، (فہرست کتب خانہ مذکور جلد نہم ص ۶۲ ۹۵۶)

ڈاکٹر ریو کا یہ کہنا کہ قاضی شوستری نے مجالس المومنین میں اس کی فہرست تصانیف میں رسالۂ عروض کا ذکر نہیں کیا ہے، صحیح ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ مجالس المومنین کے مصنف نے خواجہ کی تصنیفات کی بڑی اور مفصل فہرست دی ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ قاضی شوستری جو جہانگیر کے عہد کے آدمی ہیں، خواجہ نصیر طوسی المتوفی ۶۷۲ھ کے باب میں کوئی سند نہیں رکھتے، قاضی صاحب نے خواجہ کی کل تصنیفات کا احاطہ نہیں کیا ہے، بلکہ تصریح کی ہے کہ بعض تصنیفات کے نام لکھتا ہوں، پھر یہ کہ قاضی صاحب نے اپنے موضوع کے لحاظ سے زیادہ تر مذہبی اثر کی کتابوں کی طرف توجہ کافی سمجھی ہے، چنانچہ خواجہ کی تصنیفات کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں،

"وتصانیف علیه حضرت خواجه درعلوم حکمیه وکلامیه وفقهیه درمذهب شیعه امامیه بسیار است، ازانجمله کتاب تجرید درکلام وکتاب تجرید درمنطق . . . . . . " (مجالس المومنین ص ۳۴۱ ایران)

اس سے ثابت ہوگا کہ قاضی شوستری کو خواجہ طوسی کی کل تصانیف کے ناموں کا احاطہ اور استقصار منظور نہ تھا،

مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم کے اس بیان کی تصدیق کے لئے کہ خواجہ نے معیار الاشعار کا مسودہ ۶۴۹ھ میں تمام کیا، کوئی تاریخی سند ہم کو نہیں معلوم، بلکہ جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے قیاس یہ ہے کہ یہ ۶۲۲ھ کے قریب کسی زمانہ میں لکھی گئی ہے، واللہ اعلم،

"س"

کیا اردو زبان ہماری قومی زبان ہو سکتی ہے؟

از

ڈاکٹر ایس۔ این۔ اے۔ جعفری، ایل ایل ڈی، بار ایٹ لا،)

اردو زبان فی الحقیقت تین زبانوں کا مجموعہ ہے، مثل شہد کی مکھی کے صدیوں کی محنت سے بھاشا، فارسی اور عربی کے پھولوں سے رس چوس چوس کر اس نے وہ شیرینی ہمارے لئے مہیا کی ہے جس پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے، اس کے ذریعہ سے جہاں ہم پپیہے کی کو کو سنتے ہیں وہیں "نالۂ بلبل شیدا" بھی گوش زد کرتے ہیں، جہاں دجلہ و فرات کی سیر کرتے ہیں وہیں سنگم کا سماں بھی دیکھتے ہیں، جس طرح کنول کے پھول ہماری آنکھوں کو لبھاتے ہیں اسی طرح نرگس ونسترن ہمارے دماغ کو طراوت بخشتے ہیں، جہاں اس کے ذریعہ سے ڈوپٹہ اور قمیص ہماری نگاہوں کو پیام شوق دیتے ہیں وہیں ساری کی دلفریب پھبن قلب کو اکساتی ہے، اگر ایک طرف مرو اور شیراز کے خرما ستان ہمارے لئے باعث کیف بنتے ہیں، تو دوسری طرف ہمالہ کا جوبن ہمیں سرمست بنا دیتا ہے، جہاں شیریں فرہاد کے قصے ہم میں عشق و محبت کے جذبات پیدا کرتے ہیں وہیں نل اور دمینتی کے افسانے ہم میں پریم کی لہریں دوڑاتے ہیں، اگر ایک طرف ہم میں اس کے ذریعہ سے وہ ہندی تخیل پیدا ہوتا ہے جس سے فلسفہ کا ادراک نشو ونما پاتا ہے تو دوسری طرف وہ عسکریت اور عملیت پیدا ہوتی ہے جو عرب کی کارواں نواز خاک کا خاصہ ہے، اگر ایک طرف ہم گلزار عدن کی سیر کرتے ہیں تو دوسری طرف ہم گنگا دیس کے شاداب سبزہ زار دیکھتے ہیں، اگر ایک طرف شملہ کی پہاڑیاں اور کشمیر کی گلکاریاں ہمیں بے چین کرتی ہیں تو دوسری طرف شام کی "زلف عنبریں" ہمیں بزم فطرت کی رنگ آرائیوں سے آشنا کرتی ہے، اگر ایک طرف اس کے ذریعہ سے ہم کوروں اور پانڈوؤں کے کرتب دیکھتے ہیں تو دوسرے طرف خالد جانباز کے کارنامے ہم میں ایثار اور بہادری کے سچے جذبات پیدا کرتے ہیں، غرض مختلف تمدنوں

کے اتحاد سے جو لطائف اور دل آویز بندشیں اُس نے پیدا کی ہیں، وہ ہماری روزمرہ زندگی میں ایک عجیب محبوب فضا پیدا کر دیتی ہیں، اور اگر ہم پوری طرح اس فضا سے لطف اندوز ہونا سیکھ لیں تو وہ انتشار انگیز صورتیں جو آج پیدا ہیں، دور ہو سکتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ آپس کے نقیض اور مختلف اقوام کی عصبیت نے اس میں ایسے عوارض پیدا کر دیئے ہیں کہ اب اردو کے لالے پڑ رہے ہیں، کوئی زبان کی خدمت اسکو سمجھ رہا ہے کہ اسے عربی فارسی کے مغلق الفاظ سے بھر دیا جائے، کوئی سنسکرت کے ایسے الفاظ سے جس کا باریہ نازک اور لچیلی زبان نہیں اٹھا سکتی اس کو بوجھل کرنا چاہتا ہے، اس کشمکش میں دونوں طرف سے جو نمونے پیش ہو رہے ہیں وہ زبان کے لطف اور اس کی شیرینی کو مٹا رہے ہیں، ذرا ملاحظہ ہو، ایک صاحب فرماتے ہیں:-

دودِ آہ دم سوزاں کا چراغاں ہونا ہے مرا صرف، تماشائے گلستاں ہونا

دوسری طرف ایک صاحب فرماتے ہیں:-

"یہ منشیہ پرانی کے لئے اسنبھو ہے اور نہ یہ برداں میں دے سکتا ہوں دوسرا کوئی بر مانگ لے"

اس طرز نگارش میں یہاں تک جولانی دکھائی گئی ہے کہ صرف بڑے بڑے الفاظ کا بھر دینا بلاغت اور فصاحت دونوں سمجھا گیا ہے، خواہ عبارت سے معنی بھی پیدا ہوں یا نہیں، چنانچہ صدہا اسی قسم کے اشعار جاری ہیں اور صدہا اسی قسم کے اشعار مشاعروں میں پڑھے جاتے ہیں جنکو اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ بالکل بے معنی اور مہمل ہوتے ہیں، بہت سے لوگ فارسی اور عربی کے الفاظ اس زمانے میں غالب کے تتبع میں اپنے اشعار میں لاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب کا صحیح تتبع کر رہے ہیں، لیکن شاید انھیں وہ واقعہ یاد نہیں کہ غالب کی ابتدائی مشق کے دنوں میں جب وہ اسد تخلص کرتے تھے، ایک ہم عصر نے اسد تخلص رکھا اور یہ مطلع کہا،

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

تو غالب نے جھنجھلا کے اپنا تخلص تبدیل کر دیا، اگر آج مرزا نوشہ زندہ ہوتے اور اپنے تتبع میں ایسے لایعنی اشعار سنتے جنکا نمونہ اوپر درج ہوا ہے، تو شاید شاعری ہی ترک کر دیتے،

اس میں شبہ نہیں کہ خود غالب کے بعض اشعار ایسے ہیں جو فارسیت کے عیب سے پاک نہیں کہے جا سکتے، لیکن اوّل تو وہ اُس دور کے ہیں جب زبان پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی، دوسرے خود مرزا غالب کبھی ان پر فخر نہیں کرتے، تیسرے گو زبان کے لحاظ سے شعروں میں مشکل گوئی کا عیب ہے تاہم تخیل یا معنی کی کوئی خامی نہیں دکھائی جا سکتی، فی الحقیقت غالب کو بھی اپنی دشوار گوئی کا احساس تھا، جیسا کہ ایک جگہ کہا ہے،

ہے بسکہ کلام میرا مشکل اے دل ‌‌‌ ‌ ‌ سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش ‌ ‌ ‌ ‌ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

بہرحال جب ہم اپنے ملک کی انتشاری حالت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری حالت وہ ہو گئی کہ جتنے منہ اتنی ہی زبانیں، علم تمدن کا مسلّم مسئلہ ہے کہ قومیت پیدا کرنے میں جو چیز سب سے زیادہ معین و مددگار رہی ہے، وہ زبان ہے اور جب تک کسی ملک کی زبان ایک نہ ہو وطنیت اور قومیت کا خیال محض خواب ہے، ہندوستان میں یہ اصول اسلئے اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ بدنصیبی سے دو اور چیزیں جو جذبۂ قومیت پیدا کرتی ہیں، ابھی تک سرے سے ناپید ہی ہیں، یعنی یکجائی خورد و نوش اور آپس کے شادی بیاہ، اس لئے ہمیں صرف زبان کی امداد پر بھروسہ کرنا ہے اور اپنی ساری کوششیں اس طرف مبذول کر دینی ہیں کہ سارا ملک "یک زبان" ہو جائے،

ہماری یہ کوششیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتیں، اگر ہم اردو سے مغائرت برتیں، ہمارے ملک میں کوئی ایسی زبان نہیں جو اس ملک کی بڑی بڑی قوموں کے تمدنوں کی آئینہ دار ہو، ملک نے جو اور زبانیں پیدا کی ہیں وہ سب مقامی حیثیت رکھتی ہیں، ہندی کے لئے یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ہندوستان کی قومی زبان بن سکتی ہے بالکل عبث ہے، اس زبان کو آج بھی بہی کھاتے کی زبان ماننا پڑیگا، اس کا تخیل محدود ہے اور اس میں متعدد تمدنوں کی لطافت اور شیرینی بھی شامل نہیں ہے، بلکہ ابھی تک اس کے اشعار وغیرہ میں اُس سادہ اور غیر ارتقائی زندگی کا اثر ہے، جو صحیح آغازِ تمدن سے پہلے تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ زبان رسیلی ہے لیکن سچ پوچھو تو

اس کے رسیلے پن سے متاثر ہونے میں یہ نکتہ ہے کہ ہمارے دماغوں پر تمدن کے تمام ارتقائی مدارج کا ابھی اثر اتنا گہرا نہیں ہوا ہے کہ تمدنی زندگی کا نقشہ اس غیر ارتقائی زندگی کے نقشہ پر غالب آجائے، دوسری بات یہ ہو کہ انسان میں یہ ایک جذبۂ عام ہے، کہ وہ قدیم چیزوں کو ہمیشہ اچھا سمجھتا ہے، اور اُن کی خوبیوں پر مبالغہ آمیز نظر ڈالتا ہے، خاصکر اہل ہند اسمیں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، یہ عیب بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ ہم ارتقاء سے ابھی ہم عنان نہیں ہوئے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جماعت کو ہندی کا روز افزوں شوق ہوتا جارہا ہے اور اس شوق سے ان کو تسکین حاصل ہوتی ہے، یہ بھی اسی جذبہ کے تحت میں ہے اس میں کچھ عصبیت کا بھی شائبہ ہی جو صرف زبان ہی میں نہیں بلکہ اور تمدنوں کو قبول نہ کرنے کے جذبہ میں بھی ظاہر ہوتا ہے،

اب رہی انگریزی زبان، یہ موجودہ حکام کے ساتھ اس ملک میں آئی ہے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ ڈیڑھ سو برس میں اسکا یہاں بہت کچھ عمل دخل ہو گیا ہے، اور ہم نے بہت کچھ اس کے ذریعہ سیکھا بھی لیکن یاد رہے کہ یہ زبان ہماری ملکی زبان نہیں ہوسکتی، ہم اس میں اپنا تخیل قائم نہیں کرسکتے، ہم اُسے اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنا سکتے، کچھ خانساماں اور منشی جو گوروں کی صحبت میں زیادہ تر رہتے ہیں اور ہر وقت اُن کے رعب داب سے متأثر رہتے ہیں، وہ شاید خواب انگریزی میں دیکھتے ہوں، لیکن بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ ابھی اپنا غیر ارادی خیال اسی زبان میں قائم کرتا ہے جس کے گہوارے میں وہ پلا ہے، یہی نہیں آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا انگریزی داں کبھی کسی خیال کو انگریزی میں ظاہر کرنا چاہتا ہے، تو وہ خیال پہلے اس کے دماغ میں انگریزی میں نہیں آتا بلکہ اسی زبان میں آتا ہے جس میں اسکے بچپن کا نشو و نما ہوا ہے،

مذکورۂ بالا سطور سے صاف ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اگر ہم تمام تعصبات سے علٰحدہ ہو کر صرف اپنے ملک اور اپنی قومیت کے ارتقا کا خیال کریں تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہمارے ملک کی واحد زبان ہوسکتی ہے، جو ہندوستانی زبان کہلانے کی مستحق ہے اور جس کے ذریعہ سے ہم اپنے ملک میں سچی یک جہتی اور جذبۂ ملکی پیدا کرسکتے ہیں، اور مختلف قوموں کو شیر و شکر بنا کر ملک کو اعلیٰ مدارج تک پہنچانے میں ہم آہنگ بنا سکتے ہیں،

معارف:۔ ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر جعفری صاحب نے اردو زبان کی جس تمدنی جامعیت اور ارتقائی

خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ حرف حرف صحیح ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ہندی کے طرفدار دلائل کے زور پر اپنے دعوی کی صحت کے قائل نہیں، بلکہ صرف قومی جذبات کی عصبیت ان کو اس راہ پر لیجارہی ہے، ان کا تصور یہ ہے، کہ ہندوستان ایک خالص ہندو ملک ہے، اسلئے یہاں کے تمدن، زبان علوم و فنون، ادبیات اور مذہب ہر چیز کو ہندو پن پر مبنی ہونا چاہئے، اس خیال میں تھوڑی سی ترمیم کرلیجائے تو یہ مسئلہ آسان ہوجاتا ہے، ہندوستان تنہا ہندوؤں کا ملک نہیں، بلکہ ہندو مسلمان دونوں کا ہے، اب یہاں جو تمدن قائم ہے، اور جو زبان رائج ہے، وہ نہ تنہا ہندو کی اور نہ تنہا مسلمان، بلکہ دونوں سے ملکر ہندوستان میں مسلمانوں کا تمدن نہ عربی ہے، نہ فارسی ہے، نہ ترکی ہے، بلکہ ہندوستانی ہے، اسی طرح جو زبان وہ بولتے ہیں، وہ بھی عربی یا فارسی یا ترکی نہیں بلکہ ہندوستانی ہے، اس زبان کو بیرونی یا بدیسی زبان سمجھنا تمامتر بے بنیاد ہے،

اردو وہ ہندی زبان ہے جس میں مسلمانوں کے مذہبی اصطلاحات، قومی خصوصیات اور تمدنی الفاظ مل گئے ہیں، اور یہ عناصر جب تک مسلمان مسلمان ہیں، اس زبان سے الگ نہیں کئے جاسکتے، مسلمان مجبور ہیں کہ وہ ایمان، کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، خدا، رسول، قیامت، دوزخ، بہشت وغیرہ جیسے مذہبی الفاظ کو بولیں، اسی طرح کرتہ، پاجامہ، عبا، صدری، چادر، قالین، تکیہ، غلاف، غسلخانہ، پائخانہ، باورچیخانہ اور سیکڑوں مصطلحات تمدنی و معاشرتی کو جنکا بدل ہندی میں نہیں استعمال کریں، اور جب یہ الفاظ ہندی میں شامل ہونگے، تو لامحالہ اردو بنجائیگی، اسلیے مسلمانوں سے اردو کو ترک کرانے کی کوشش گویا ان کو ان کے مذہب اور تمدن و معاشرت سے محروم کرنا ہے،

ہمارے نزدیک غلط فہمی کا ایک بڑا سبب لفظ اردو بھی ہے، جو انگریزوں کے زمانہ میں اسقدر پھیل گیا ہے، کہ اب وہ ایک مخصوص زبان کا نام بن گیا ہے، حالانکہ شروع شروع میں اضافی ترکیب کیساتھ یعنی زبانِ اردو یا زبان اردوے معلی، اس کو کبھی کبھی کہا گیا تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ شاہجہاں کے پایہ تخت کی زبان، پھر رفتہ رفتہ انگریزی عہد میں یہ اضافی ترکیب مٹ کر لفظ اردو، زبان کا نام بنگیا، حالانکہ اس کے

لئے صحیح نام **ہندوستانی** ہے، ہندوستان اس ملک کا نام مسلمانوں کے آنے کے بعد ہوا ہے، اس لئے لفظ ہندوستان میں ہندویت اور اسلامیت کا مشترک مفہوم شامل ہے، اور اس لئے اس زبان کا بہترین نام ہندوستانی ہے، یہ خیال بھی غلط ہے کہ لفظ ہندوستانی انگریزوں کا رکھا ہوا نام ہے، تاریخوں میں اس سے بہت پہلے شاہجہاں اور سلاطین بیجاپور کے زمانہ میں اس کو ہندوستانی کہا گیا ہے اگر ہمارے ہندو بھائی اردو کو ہندوستانی زبان سمجھیں تو ان کو اس زبان سے پھر اتنی کدورت باقی نہ رہے،

ابھی حال میں ڈاکٹر سر سپرو نے اردو، ہندی، ہندوستانی پر جو مختصر مضمون لکھا ہے، اگر ہندو مسلمان اس کی سچائی کو تسلیم کرلیں تو یہ سارا قضیہ دم کے دم میں ختم ہو جاتا ہے،

ہندوستانی زبان (اردو زبان) نے بہت سے ہندی الفاظ کو قبول کر لیا ہے، لیکن زبان کے ارتقائی اصول کی بنا پر ہر زمانہ میں الفاظ میں کانٹ چھانٹ اور تراش خراش ہوتی رہتی ہے، ہندی لفظوں میں بھی تھوڑی ترمیم کرکے اس نے ہندوستانی لفظ بنا لیا ہے، ہندو دوست یہ چاہتے ہیں، کہ ان لفظوں کو بھی خالص ہندی تلفظ کے مطابق بولا جائے، اور اس طرح زمانہ کے سیکڑوں جھکولوں کے بعد جس لفظ نے فصاحت کا موجودہ لباس پہنا ہے اس کو اتار کر پھر وہی پرانا کپڑا اس کے بدن پر ڈال دیا جائے، انگریزی زبان نے ہزاروں الفاظ لاطینی سے لئے ہیں، مگر انگریزی میں ان کی لاطینی شکل بعینہٖ باقی نہیں رہی ہے، خود ہندی میں سنسکرت کے جو الفاظ ہیں وہ بعینہٖ سنسکرت تلفظ ولب ولہجہ میں باقی نہیں ہیں، پھر یہ کیا دھاندلی ہے، کہ ہندوستانی نے ہندی کے جن لفظوں میں فصاحت کے تقاضے سے ترمیم کی ہے، انکو مٹا کر پھر انکو اصلی ہندی شکل میں لکھا اور بولا جائے، راون کو راونڑا اور برہمن کو برہمنڑ بولنا اور اُسپر اصرار کرنا زبان کی خوبی کو ستیاناس کرنا ہے، ہماری زبان میں پانی کا لفظ نہ عربی ہے نہ فارسی ہے، نہ ترکی ہے، خالص ہندی ہے، اب اس کو چھوڑ کر جل بولنے پر ضد کرنا کس مصلحت پر مبنی ہے؟ اس کو سب ہندو مسلمان بولتے ہیں، لیکن اب اس کے بجائے آشا بولنے پر مجبور کرنا کیا زبان کی خدمت ہے؟ اسی کا نام زبان کو ... بنانا ہے،

مسلمانوں کے چند مخصوص اوقاف

از مولنا عبدالسلام ندوی،

عیسائی فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے تبلیغ عیسائیت کے سلسلے میں جو عظیم الشان تمدنی کام انجام دیئے ہیں ان کی نظیر مسلمان نہیں پیش کر سکتے، عام تعلیم کے علاوہ مختلف قسم کے زرعی و صنعتی مدارس، یتیم خانے، اور جذامیوں کے شفاخانے وغیرہ جو عیسائیوں نے اس وقت دنیا میں قائم کر رکھے ہیں، دنیاے اسلام میں ان کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، لیکن یہ جو کچھ ہے، مسلمانوں کی سیاسی قوت کے ضعف کا نتیجہ ہے، ورنہ اُن کے دورِ ترقی میں جبکہ ان کی سیاسی قوت میں کسی قسم کا زوال نہیں آیا تھا، ہر مشہور شہر میں شفاخانے قائم تھے، اور جذامیوں دیوانوں اپاہجوں اور اندھوں کے رہنے سہنے کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے اور اُن سب پر اوقاف کئے گئے تھے،

دمشق شام میں پاگلوں، مجذوبوں اور جذامیوں کے مکانات کے علاوہ حیوانات کے لئے بھی وقف کئے گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ مرجہ دمشق جو آج کل اہل شہر کی سیرگاہ ہے ان گھوڑوں کے لئے وقف تھا جو جہاد میں تھک کر بے کار ہو جاتے تھے،

شفاخانوں میں بعض وظائف ایسے تھے کہ باوجود اس ترقی اور ترقی کے آج تک یورپ کا ذہن بھی انکی طرف منتقل نہ ہو سکا، چنانچہ بعض ادیبوں کا بیان ہے، کہ نورالدین زنگی نے جو شفاخانہ قائم کیا تھا، اس میں ایک وظیفہ اس غرض سے مقرر تھا کہ دو آدمی مریض کے پاس کھڑے ہو کر اس کے مرض کے متعلق باہم اس طرح سوال و جواب کریں، کہ مریض کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ قصداً ایسا کر رہے ہیں، چنانچہ ایک دوسرے سے اس مرض کے سبب کی حقیقت دریافت کرتا تھا، دوسرا اس کا جواب دیتا تھا، کہ مرض کوئی خطرناک نہیں، طبیب نے اس کے لئے فلاں فلاں دوائیں تجویز کی ہیں اور اس کا خیال ہے کہ صحت میں اتنے زمانے سے زیادہ دیر نہ لگیگی، اسی قسم کی اور

بھی بہت سی باتیں کرتے تھے، اور جب ایک پریشان خاطر مریض ان کو سنکر صحیح باور کرتا تھا، تو اس کے نشاط اور قوت قلب میں مؤثر دواؤں سے زیادہ اضافہ ہوجاتا تھا، بالخصوص عصبی مزاج کے لوگوں کے لئے اس قسم کی گفتگو اور بھی زیادہ مؤثر ہوتی تھی،

مسلمانوں کے رقیق ولطیف جذبات کا اظہار دمشق کے ایک اور وقف سے ہوتا ہے جسکا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے، یعنی ایک مکان میں بہت سے بڑے بڑے چینی کے برتن لوگوں نے اس غرض سے وقف کر رکھے تھے کہ اگر کسی غلام سے اپنے آقا کا برتن ٹوٹ جائے، اور وہ اسکا مورد عتاب ہو تو وہ وہاں جاکر ٹوٹا ہوا برتن رکھدے اور اس کے عوض صحیح برتن لائے، کیا آج یورپ کے ارباب خیر اس قسم کے لطافت جذبات کی مثال پیش کرسکتے ہیں،

گرمیوں میں ایک وقف مسافروں کے لئے تھا جس کے ذریعہ سے اُن کو برف کا شربت پلایا جاتا تھا،

حوران میں احمد پاشا کی ایک زمین جذامیوں کے لئے وقف تھی،

مکہ معظمہ میں متعدد اوقاف تھے، ایک وقف اس غرض سے کیا گیا تھا کہ اسکے منافع سے مکہ میں کتوں کا آنا بند کیا جائے،

ایک وقف شادیوں اور تقریبوں میں زیورات اور سامان آرائش کے مستعار دینے کے لئے کیا گیا تھا اور عوام فقراء بلکہ متوسط طبقہ کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، اور شادیوں اور جلسوں میں جن زیورات کی ضرورت ہوتی تھی اُن کو مستعار لیکر پھر واپس کرتے تھے، اس طرح ایک محتاج شخص اپنی شادی میں عمدہ لباس پہن سکتا تھا، متوسط درجہ کے لوگوں کو بھی ان سامانوں کے خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی جن کی وہ استطاعت نہیں رکھتے تھے،

ایک اور وقف سامان سفر اور دعوتوں اور جلسوں میں فرش وغیرہ کے مستعار دینے کیلئے کیا گیا تھا

مصر میں ایک وقف یتیموں کے رہنے، اور ایک وقف محتاجوں کے بچوں کے لباس اور ایک وقف کتوں کے کھانے کے لئے موجود تھا،

تونس خضراء میں ایک وقف ہے جسکا منافع یتیم بچوں اور غریبوں کی لڑکیوں کے نکاح پر صرف ہوتا ہے، ایک وقف بچوں کی حوصلہ افزائی اور تفریح خاطر کیلئے تھا، ایک مخصوص دن یعنی جمعرات کے روز یہ بچے جمع ہوتے ہیں اور ہفتہ بھر کا پڑھا ہوا سناتے ہیں، اس کے بعد ان کو چند درہم دیئے جاتے ہیں، تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے،

ایک وقف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ محتاج لوگ مفت حمام کر سکیں، اس کی صورت یہ ہے کہ حمام میں درہم کی چند تھیلیاں، جن میں ہر تھیلی میں اس قدر رقم ہوتی ہے جو کہ حمام کی اجرت کے لئے ضرورت ہوتی ہے، رکھدی جاتی ہیں، ایک غریب حمام میں داخل ہوتا ہے تو ایک تھیلی اٹھالیتا ہے، اور اس کو اجرت میں دیکر حمام کرلیتا ہے، ایک وقف جذامیوں اور اپاہجوں کے لئے ہے، اور پہلے وقف کے علاوہ ایک اور وقف دوشیزہ اور قابل نکاح لڑکیوں کے نکاح کے لئے ہے، ایک وقف محتاجوں کے لڑکوں کے ختنہ کے لئے ہے جس کے ذریعہ سے اسکو ختنہ کے وقت لباس اور درہم دیئے جاتے ہیں، ایک وقف ہے جسکے منافع سے رمضان میں مفت مٹھائی تقسیم ہوتی ہے، دمشق کی طرح تونس میں بھی ایک وقف اس غرض سے کیا گیا ہے، کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ سے برتن ٹوٹ جائے، تو وہ وہاں جاکر اس کے عوض دوسرا صحیح وسالم برتن لے لے، اسی قسم کا ایک وقف فاس میں بھی ہے،

سال کے بعض دنوں میں تونس کے ساحلوں پر ایک قسم کی مچھلیاں نہایت کثرت سے آتی ہیں، اس غرض سے ایک وقف کیا گیا ہے، کہ اس کے منافع سے یہ مچھلیاں خرید کر غریبوں کو تقسیم کیجائیں،

فاس میں ایک وقف اس غرض سے قائم ہے، کہ اگر کسی کے اوپر تیل گرجائے یا اس کے کپڑے میں کوئی چیز لگ جائے تو وہ اس وقف سے دوسرا کپڑا خرید سکے، فاس میں سیدی ابی العباس سبتی نے اندھوں اور اپاہجوں کے لئے ایک وقف کیا ہے، جس کے منافع سے ان کو روزانہ کھانے پینے کا سامان مل جاتا ہے،

ایک وقف کا نام وقف سیدی علی ابی طالب ہے، جسکا منافع مصیبت زدہ لوگوں پر صرف کیا جاتا ہے، فاس میں ایک اور وقف راستوں سے کنکر، پتھر کے ہٹانے کے لیے ہے،

ایک وقف ان موذنوں کے لیے ہے جو رات کو باری باری جاگتے ہیں، اور نرم آواز میں ایک گھنٹہ

تک تسبیح پڑھتے ہیں، ان مؤذنوں کو مونس الغربا، یا مونس المرضیٰ کہتے ہیں، کیونکہ مریض کو نیند نہیں آتی اور ہر وقت کوئی شخص اس کے لئے بیدار نہیں رہ سکتا، اسلئے اس مؤذن سے بہتر اسکا کوئی رفیق نہیں، دمشق کی طرح مراکش میں بھی گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈا پانی پلانے کے لئے ایک وقف ہے،

ایک عمارت کا نام دارالدقہ ہے، جس پر بہت سے اوقاف ہیں، یہ عمارت اس غرض سے قائم کی گئی ہے، کہ جن عورتوں کو اپنے شوہر سے ناراضی پیدا ہو جائے وہ وہاں جاکر قیام کریں، کھائیں پئیں، یہاں تک کہ اس ناراضی کا خاتمہ ہو جائے،

مراکش میں ایک مکان ہے جسکا نام سیدی فرج ہے، اس پر بہت سے اوقاف ہیں، یہ مجذوبوں اور اپاہجوں کا ٹھکانا ہے، ان سے غریبوں کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا جاتا ہے، اور غریبوں کو جاڑے کی ابتدا میں ان اوقاف کے منافع سے کپڑا تقسیم کیا جاتا ہے،

دو فرنچ سیاحوں کا جنھوں نے مراکش کا سفر کیا ہے، بیان ہے، کہ مراکش میں ایک عمارت ہے جو اس قدر بڑی ہے کہ اسکو ایک شہر کہا جا سکتا ہے، اور تمام دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں، اس میں چھ ہزار اندھے رہتے ہیں اور سوتے، کھاتے پیتے اور پڑھتے ہیں اور اُن کے لئے خاص نظام و قوانین موجود ہیں،

مسلمانوں کے کارخیر کی یہ مثالیں ہیں، اور یورپ نے اگرچہ انتہائی تمدنی ترقیاں کرلی ہیں، اور انسانی مصائب کے دور کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا ہے، تاہم وہ بھی اس قسم کی مثالیں قائم نہ کرسکا، ان میں بہت سے اوقاف مٹ گئے ہیں یا اُن کے متولی خود اُن کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام کی ترقی کے زمانے میں اس قسم کے آثار خیر موجود نہ ہوں[1]،

---

[1] حاضر العالم الاسلامی جلد ۲ صفحہ ۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲، امیر شکیب ارسلان نے اس کتاب پر جو حواشی لکھے ہیں، یہ مضمون انہی سے ماخوذ ہے،

ابن الہیثم اور علم مناظر

از

جناب محمد ذکی الدین ایم۔ ایس۔ سی (علیگ) علیگڈھ یونیورسٹی اکیس فزکس ریسرچ اسکالر الگزنڈر

فون ہمبولڈت اسٹفٹنگ اسکالر برلن (جرمنی)

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو،

در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

ابو علی الحسن ابن الحسن ابن الہیثم ۹۶۵ء میں بصرہ میں پیدا ہوا، عمر کا زیادہ حصہ مصر میں خلیفہ الحاکم کیساتھ بسر کیا اور قاہرہ میں ۱۰۳۹ء میں وفات پائی،

موجودہ سائنس اور علم مناظر اس کے احسانات کو آجتک نہیں بھولا، اوسکی کتابیں آج تک وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہین، اور انھیں کا اثر یورپ کے مشہور سائنس داں بیکن اور کیپلر پر پڑا، یورپ کی قدردانی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ گرچہ حکیم موصوف کی کتابیں عربی زبان کے سوا مشرق کی دوسری زبانون مین ترجمہ نہیں کیگئیں لیکن فرانسیسی، جرمن اور دوسری مغربی زبانون مین اُس کی تصانیف کا ذکر بکثرت آتا ہے اور کئی مستند ترجمے بھی موجود ہیں،

ابن الہیثم کو مختلف علوم و فنون میں کمال تھا، علم ہیئت، طب، ریاضی پر عبور رکھتا تھا، اور ارسطو اور جالینوس کی کتابون کی شرحین لکھتا تھا، مختلف مسائل پر اہم مضامین لکھے جو آج تک موجودہ سائنسدانوں اور ریاضی دانون کو انگشت بدنداں کئے ہوئے ہیں، اس کی زندگی کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے علمی تبحر کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر عالم جذب اور وارفتگی کا بہانہ کرکے متمدن دنیا سے کنارہ کش ہو کر علوم و فنون کی

ترقی میں اپنا بیش بہا وقت صرف کیا کرتا تھا، مختلف اہم رسائل کے علاوہ اُس نے وقتاً فوقتاً دوسرے مسائل پر وقت صرف کیا، جنمیں قابل الذکر مسئلہ دریائے نیل پر بند باندھنے کا کام تھا،

اس کی تصانیف کی فہرست سارٹن نے اپنی کتاب ہسٹری آف سائنس حصۂ اول میں صفحہ ۷۲۱ پر دی ہے اور بروکلمین نے بھی HANDBUCH DER ARABISCHEN LITERATUR میں ان رسائل کا ذکر کیا ہے، جو ابن الہیثم نے اپنے بعد ہم لوگوں کے لئے بطور یادگار چھوڑے، ان رسائل میں قابل الذکر ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب المناظر ہے، کتاب المناظر کی شرحیں وقتاً فوقتاً لکھی گئی ہیں جنمیں کمال الدین کی تنقیح المناظر خاص اہمیت رکھتی ہے، اس کتاب کو عربی زبان میں جناب عنایت احمد نقوی صاحب نے پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد علی گڑھ میں مرتب کیا، اس کے نسخے گرچہ مختلف کتبخانوں میں موجود ہیں مگر ان میں کوئی بھی قابلِ وثوق و صحیح نہیں، اس کتاب کے مرتب کرنے کے بعد اس کو جرمنی روانہ کیا گیا، اور وہاں سے مشہور مستشرق پروفیسر ڈاکٹر کرانکو کے ایک دیباچہ کے اضافہ کے ساتھ ہندوستان واپس آئی، اور دار الترجمہ، حیدرآباد دکن، سے شائع ہوئی،

اس کتاب میں مختلف مضامین و مسائل کے متعلق بحث کیگئی ہے، مثلاً روشنی کا انعکاس کس طرح ہوتا ہے؟ آنکھ کی ساخت کیا ہے؟ سورج و چاند افق پر بڑے کیوں نظر آتے ہیں؟ تارے کیوں جھلملاتے ہیں؟ انسان کو ایک آنکھ کے بجائے دو آنکھیں کیوں عطا کی گئی ہیں؟ یہ اور اسی طرح دیگر سوالات کے جوابات اس کتاب میں موجود ہیں،

ابن الہیثم کی کتاب المناظر کا ترجمہ بسیل میں ۱۵۷۲ء میں شائع ہوا تھا، اس کے ساتھ وٹیلو کی کتاب المناظر کا ترجمہ بھی شامل ہے، اس کی دو تصاویر پیش کر رہا ہوں، ان تصاویر میں سے ایک میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نور کی شعاعیں کس طرح منعکس ہوکر آفتاب سے ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہیں، اس سے یہ بھی واضح ہے کہ نور کی شعاعیں خط مستقیم میں سفر کرتی ہیں اور ہماری آنکھوں میں داخل ہوکر ہمیں ضیا کا احساس دیتی ہیں، اس میں یہ بھی دکھایا ہے کہ آئینہ میں عکس کس طرح نظر آتا ہے، اور پانی کے اندر کی چیزیں بڑی کیوں معلوم ہوتی ہیں، دوسری تصویر آنکھ کی مختلف

کے متعلق ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آج بھی ہمارا علم اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ابن الہیثم کے مشاہدے اور نظریے قابل قدر اور اہم ہیں، چونکہ یہ دونوں تصاویر معدوم ہو گئی ہیں، اسلئے ان کی اشاعت ضروری سمجھکر پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہون، سارٹن نے تقریباً سو مضامین کا حوالہ دیا ہے جو مختلف زبانون میں شائع ہوئے ہیں، ان کی فہرست ہسٹری آف سائنس حصۂ اول میں موجود ہے، جن صاحبان کو ابن الہیثم کی تحقیقات سے دلچسپی ہو اس کتاب کو ملاحظہ فرمائین،

اس کتاب کے متعلق ذکر کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ان دیگر مسائل کا بھی ذکر کر دیا جائے جنکے متعلق اس نے رائے زنی کی ہے، ان سب سے اہم اور دلچسپ اس کا عملی طریقہ ہے جس کی مدد سے نور کے متعلق اس نے تحقیقات کیں، وہ اپنے علم کو مشاہدے پر قائم کرتا تھا، کسی مسئلہ کے متعلق جو نور سے تعلق رکھتا تھا پہلے عملی طریقہ اختیار کرتا اور بعدۂ جو نتائج یا مشاہدے ہوتے ان کو من وعن بیان کرتا، مثلاً آئینوں کے متعلق جو تحقیقات اُس نے کین انکی بنا مشاہدہ ہی تھی،

اگر آپ کسی اندھیرے کمرہ میں ایک سوراخ کرین جس سے روشنی کا گذر ہو تو وہاں دیوار پر اس کا عکس پڑیگا اور اس عکس میں آپ کو بیرونی اشیا کی تصاویر الٹی نظر آئیں گی، اس کو "کمرہ البسکیورا" کہتے ہیں، اسی مشاہدہ کا نتیجہ وہ فوٹو کمرہ ہے جس سے آج لوگ عکس کشی کرتے ہیں، ابن الہیثم نے اسکا مشاہدہ پہلے پہل کیا اور اس کا استعمال اوس نے سب سے اول کیا،

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اردگرد ہوا موجود ہے، اگر اوپر کی طرف کسی طیارے میں بیٹھکر سفر کرین تو ایک ایسے مقام پر پہنچ جائین گے جہاں کہ ہوا مفقود ہو گی، ابن الہیثم نے ہوا کی اونچائی معلوم کرنے کی پہلی کوشش کی، ابن الہیثم کا نظریۂ نور جس کے متعلق اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ تھا کہ شعاعین آنکھ تک پہنچکر ہمیں نور کے متعلق خبر دیتی ہین، یہ نظریہ اس زمانے میں بالکل انوکھا نظریہ نظر آتا تھا اس لئے کہ بطلیموس اور دیگر حکماے یونان کے نظریون کے رو سے روشنی کی ماہیت بالکل جداگانہ خیال کیجاتی تھی،

ان مسائل کے علاوہ جنکا مختصر ذکر مندرجۂ بالا سطور میں کیا گیا ہے، اور جنکے تحقیقات سے علم مناظر آج اس

درجۂ کمال پر پہنچا ہے، ابن الہیثم نے ریاضی کے متعدد اہم مسائل حل کئے، اور اپنے فہم وادراک کا ثبوت دیا،

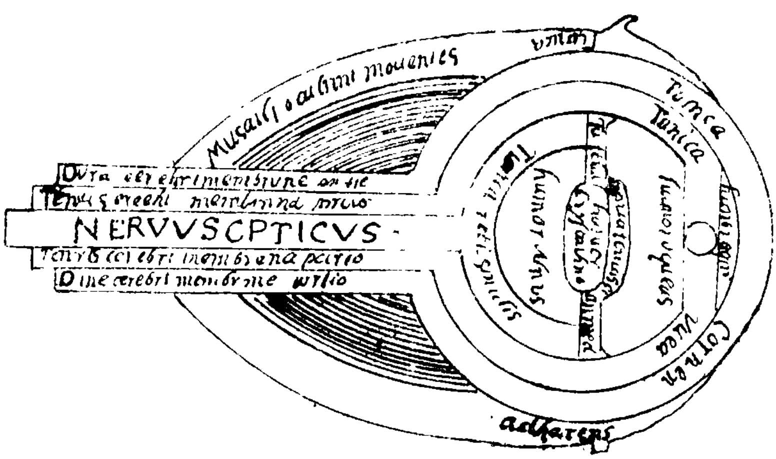
اس سلسلہ میں قابلِ ذکر امر یہ بھی ہے کہ حکماے یونان اور ابن الہیثم کے درمیان علم المناظر کے متعلق معلومات کی کڑی گم ہوگئی تھی، مگر چند ماہ کا ذکر ہے کہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں الکندی کا ایک رسالہ جس میں رنگ کے متعلق بحث کی گئی ہے، دستیاب ہوا، اس کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اور عنقریب شائع ہونے والا ہے، اس کے بعد پھر یہ خبر ملی کہ قسطنطنیہ میں کندی کے پندرہ رسائل ملے ہیں، ان میں سے بعض علم مناظر کے متعلق ہیں، چنانچہ قسطنطنیہ سے بھی اس رسالے کی نقل منگوائی گئی ہے، اور اسکو بھی ترجمہ کرتے وقت استعمال کیا گیا ہے،

ان رسائل کے دریافت ہونے کی وجہ سے امید کیجاتی ہے کہ حکماے یونان اور ابن الہیثم کے درمیان جو گمشدہ کڑیاں ہیں وہ مکمل ہو جائینگی اور ایک مکمل تاریخ علم مناظر شائع کیجا سکے گی انشاء اللہ المستعان،

شعاعوں کا انعکاس کسطرح ہوتا ہے،



آنکھ کا نقشہ



تلخیص و تبصرہ

تغیّر پذیر جاپان،

جاپان کے ممتاز مصنف یوسوک زوررومی (Yusuke Tsurumi) کا ایک مضمون عنوانِ بالا سے حال میں برطانوی روزنامہ "ڈیلی ٹیلی گراف" میں شائع ہوا تھا، جو سنڈے اسٹیٹسمین" مورخہ ۱۶ر ستمبر ۴۴ئ؁ میں نقل ہوکر آیا ہے، صاحب مقالہ نے اہل جاپان کے قومی خصائل وخصائص جدت کیساتھ بیان کئے ہیں، اور پھر ان تغیرات کو دکھایا ہے جو مغرب کے تعلقات سے قومی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رونما ہورہے ہیں، ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے ہم اس مضمون کا ملخص ترجمہ سطورِ ذیل میں اس غرض سے پیش کرتے ہیں، تاکہ ہم کو معلوم ہو کہ اپنے قومی خصوصیات کو باقی رکھنے کیساتھ بھی مشرقی قومیں، مغربی اقوام کی برابری کرسکتی ہیں،

جو لوگ جاپان کے کسی مشہور باغ کی سیر کرینگے انھیں اہل جاپان کے قومی خصائل کا نشان مل جائے گا، باغ کے درختوں اور مصنوعی پہاڑیوں کے درمیان سیر کرتے ہوئے انھیں سب سے پہلے وہاں کی فضا میں سکون و قناعت کا ایک عجیب احساس ہوگا، باغ کے حد درجہ خوبصورت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن درختوں اور پتھروں کی خوبصورتی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے جو اس احساس کی محرک ہوتی ہے، سکون و خاموشی کی جو فضا وہاں پھیلی ہوئی ہے، وہ حقیقۃً اُس کامل آہنگی کی پیدا کردہ ہے جس سے باغ کا چپہ چپہ معمور ہے، پھر یہ ہم آہنگی محض باغ ہی تک محدود نہیں، بلکہ اس کی وسعت میں گرد و پیش کے مناظر بھی شامل ہیں، باغ کے تمام درخت، پہاڑیاں اور چبوترے اس طرح ترتیب دیئے گئے ہیں کہ قریب کے جنگلوں اور دور کی پہاڑیوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا

ہو جائے، ہم آہنگی ہی میں حسن پایا جاتا ہے اور حسن ہی میں امن و سکون ملتا ہے، ہر شے کل کا ایک جزو ہے اور جزو کا فرض یہ ہے کہ اپنے کو اس طرح ترتیب دے کہ کل میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے،

ہم آہنگی کا یہ احساس اہل جاپان کی فطرت میں راسخ ہے، یہ چیز ہماری فطرت کا ایک جزو ہو گئی ہے، کسی بات کو کہتے یا کرتے وقت ہمارے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا اثر خاندان کے بقیہ افراد یا جمہور پر کیا پڑیگا، یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ ایثار و قربانی کو انسان کا سب سے بڑا وصف شمار کرتے ہیں،

ہم آہنگی کے اس شغف سے دو خصوصیتیں اور پیدا ہوئیں، سادگی اور اعتدال، ہم آہنگی کے حصول کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ رنگ و وضع کے علاوہ خیال میں بھی سادگی پیدا کیجائے، یہ چیز کسی جاپانی گھر میں داخل ہوکر خوب سمجھ میں آجاتی ہے، جہاں حسن مذاق کا معیار یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جس قدر کم چیزیں سامنے رکھی جائیں اتنا ہی بہتر ہے، بادی النظر میں کمرہ تقریبًا خالی معلوم ہوگا، لیکن غور سے دیکھنے والا اس کاوش کو معلوم کرے گا، جو گھر کی مالکہ نے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے چیزوں کے رنگ و وضع کی ترتیب میں برتی ہے، سادگی کا یہ ذوق جاپانی خیالات میں بھی خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے، چنانچہ ہندوستان اور چین کے پیچیدہ فلسفے جب جاپان میں لائے گئے تو انھیں بہت نمایاں طور پر سادہ بنالیا گیا،

ہم آہنگی کے حصول کا بہترین ذریعہ اعتدال ہے، لیکن اہل جاپان نے جب اس اعتدال کو گفتگو میں ظاہر کیا تو حد سے متجاوز ہو گئے، اور یہیں سے ایک دوسری قومی خصوصیت پیدا ہو گئی، یعنی کم گوئی، ہم لوگ کم بولنے والے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بعض اوقات کم گوئی کے اس وصف نے بین الاقوامی مجموعوں میں عجیب دشواریاں پیدا کر دیں،

اہل جاپان فطرۃً بہت زیادہ جذباتی اور ذکی الحس ہوتے ہیں، لیکن صدیوں کی فوجی تعلیم نے ان میں احتیاط اور ضبط نفس کی شدید عادت پیدا کر دی ہے، جس طرح مجمع عام میں کپڑے اتارنا معیوب خیال کیا جاتا ہے اسی طرح ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے ہم لوگ اسے بھی نازیبا سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے عریاں جذبات دوسروں پر ظاہر کرے

ذکی الحس ہونے کی وجہ سے ہم لوگ خارجی تبدیلیوں کو جلد قبول کرتے ہیں، اس سے ہم میں زمانہ کا ساتھ دینے کی قوت پیدا ہوگئی ہے جس کے باعث ہم پر اکثر نقالی کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن یہ نقالی یا تتبع میرے خیال میں اُس احترام کا اظہار ہے، جو اہل جاپان غیر ملکی تمدنوں کا کرتے ہیں، ہم غیر ملکی تمدنوں کی بہتر خوبیوں کا اعتراف کرنے اور انھیں اپنے ہاں رائج کرنے میں کبھی نہیں شرمائے،

ہماری جذباتی اور ذکی الحس فطرت فلسفۂ مابعد الطبیعیات کے نشو ونما میں معین نہ ہو سکی، جیسیں ہمارے ہمسایہ اہل چین اور ہند ممتاز تھے، ہم اہل جاپان ایک عملی قوم ہیں اور فکر و تخیل میں ہماری دستگاہ کچھ زیادہ نہیں ہے، فکر اور عمل کی وحدت کا خیال ہماری فطرت میں اتنی گہرائی کے ساتھ داخل ہے کہ ہم کسی شے کو علم سمجھتے ہی نہیں، جب تک اُسے عمل میں بھی نہ لائیں، اسی چیز نے خیالی فلسفہ میں ہماری ترقی محدود کر دی،

جاپانی قوم کی ایک دوسری نمایاں خصوصیت مناظرِ قدرت سے شیفتگی ہے، اگر آپ کسی ابتدائی مدرسہ کے بچوں سے کوئی مضمون لکھنے کو کہیں اور موضوع کا انتخاب خود انھی کی پسند پر چھوڑ دیں تو سو میں پچانوے بچے مناظرِ قدرت پر مضمون لکھینگے، آپ غریب سے غریب کاشتکار یا مزدور کے گھر میں بھی ایک گلدستہ یا مناظرِ قدرت کی کوئی تصویر پائیں گے،

اسی جذباتی فطرت کی بنا پر ہم دولت سے زیادہ عزت کی قدر کرتے ہیں، ہم لوگوں میں سلطنت کا تخیل ملک کے تخیل کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے، بلکہ اسکا ارتقاء خاندان کے تخیل کے ساتھ ہوا ہے، سلطنت خاندان ہی کی ایک وسیع شکل ہے، اس معنی میں اس کے تمام باشندے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں جسکا مرکز خاندان شاہی تھا، اسی سبب سے ہمارے دلوں میں خاندان شاہی کا احترام غیر محدود ہے، شہنشاہ اور سلطنت کیساتھ وفاداری میں استوار رہنا قوم کا سب سے بڑا وصف خیال کیا جاتا ہے،

حال کی جڑیں ماضی کی گہرائیوں میں نصب ہیں، اس تاریخی واقعہ نے کہ جاپان پر کبھی کسی غیر قوم نے حملہ نہیں کیا، اور گذشتہ صدی کے وسط سے پہلے وہ صدیوں دوسرے ملکوں سے الگ تھلگ رہا، ہم میں

اس بات کا بہت زیادہ احساس پیدا کر دیا کہ ہماری نسل اور ہماری سلطنت دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، یہ چیز بہتیرے جاپانیوں کے لئے ایک ذہنی روک ثابت ہوئی، لیکن ساتھ ہی ساتھ قومی طاقت کا ایک سبب بھی بنگئی،

اہل جاپان فطرۃً مذہبی ہیں، تہذیب جدید اپنی نصف صدی کی اثر اندازی سے بھی ایک سپاہی یا کاشتکار کی سادہ اور پرعقیدت فطرت کو یکسر بدل نہ سکی، قوم کی اکثریت اپنے معاشرتی نظام میں اب بھی قدیم جاپان کے روایتی تمدن پر بدستور قائم ہے،

تاہم ہر جگہ صنعت و حرفت اور مغربیت کا اثر محسوس کیا جا رہا ہے، آبادی کی کثرت سے اقتصادی حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ قوم کی نفسیات میں بھی تغیر واقع ہو رہا ہے، صحافت، سینما، لاسلکی، مغربی کھیلوں اور عہد جدید کی دوسری ایجادوں کے اثر سے اس تغیر کی رفتار اور زیادہ تیز ہو رہی ہے، اور اسمیں کوئی شبہہ نہیں کہ قومی سیرت میں ایک خاموش مگر مستقل تبدیلی پیدا ہو رہی ہے،

صنعت و حرفت اور بیرونی تجارت کی ترقی سے قوم کے مطمح نظر کا ایک عالمگیر وسعت اختیار کر لینا ناگزیر ہے، ایک ایسی قوم کے خصائل جس کے ننانوے فی صدی بچے مدرسوں میں تعلیم پا رہے ہیں، اسی مقام پر قائم نہیں رہ سکتے جہاں وہ اس وقت تھے، جب کہ اس قوم کی صنعت زراعت تھی اور اس کی حکومت ایک جاگیرداری حکومت تھی، جس طرح سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے یہ وقت جاپان کے لئے ایک اہم بالشان فیصلہ کا وقت ہے اسی طرح نفسیاتی حیثیت سے بھی یہ وقت اس کے لئے ایسا ہی اہم ہے، "ع ز"

منطق پر ایک قدیم عربی تصنیف

منطق پر ناقص عربی تصنیفات میں سے ایک تصنیف جو قرون وسطیٰ میں بہت مقبول تھی آج صرف لاطینی ترجمہ میں محفوظ ہے، اسکا لاطینی عنوان Liber Introductorium in Artem Logicae Demonstrationis

ہے، (جسکا اردو ترجمہ یہ ہوگا:۔ کتابیں ہمیں استدلال اور تشریح کا فن سکھاتی ہیں) اس پر مصنف کا نام محمد درج ہے، جو الکندی کا شاگرد تھا، یہ سوال کئی بار اُٹھ چکا ہے کہ یہ محمد کون تھا، دو مشہور فاضل جو الکندی (متوفی ۸۷۳ء) کے حقیقی شاگرد تھے، السرخی (متوفی ۸۹۹ء) اور منصور بن طلحہ بن طاہر تھے، لیکن ان میں سے کسی کا نام محمد نہ تھا، پہلے کا نام احمد بن محمد تھا، اس پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ لاطینی مترجم نے ترجمہ کرتے وقت نام کا پہلا ٹکڑا غلطی سے چھوڑ دیا یا بعد میں کسی کاتب کی غلطی سے پہلا ٹکڑا چھوٹ گیا، بہرحال اس عہد میں متعدد فلاسفہ ایسے تھے جنکا نام محمد تھا اور جو حقیقۃً الکندی کے شاگرد ہو سکتے تھے، ان میں سے ایک محمد بن موسیٰ بن شاکر اور دوسرا اسکا ہم عصر محمد بن الجہم تھا اور یہ دونوں منطقی تھے،

ڈاکٹر البینو ناگی (ALBINO NAGY) جنھوں نے "LIBER INTRODUCTORIUS" کا لاطینی نسخہ اڈٹ کیا ہے یہ رائے رکھتے تھے کہ یہ محمد حقیقۃً الفارابی (متوفی ۹۵۰ء) تھا، جہانتک دونوں کے زمانوں کا تعلق ہے، "معلم ثانی" کا الکندی کا شاگرد ہونا ممکن نہیں ہے، تاہم جس زمانہ میں الفارابی بغداد میں یوحنا بن خیلان سے منطق پڑھتا تھا وہ الکندی کی مصنفات بھی مطالعہ میں رکھتا تھا، اس بنا پر ایک وسیع معنی میں اسے الکندی کا شاگرد کہہ سکتے ہیں، ابن رشد بھی بظاہر اسی کتاب کا ذکر کرتا ہے اور اُسے الفارابی کی طرف منسوب کرتا ہے، علاوہ بریں "LIBER INTRODUCTORIUS" کے مصنف نے جن متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے، اُن سب کے عنوانات وہی ہیں جو الفارابی کی مصنفہ یا منسوبہ کتابوں کے ہیں، الفارابی کی تصنیفات منطق میں سے کئی ایک کے عربی عنوانات بظاہر LIBER INTRODUCTORIUS سے ملتے جلتے ہیں، مثلاً کتاب التوطیہ فی المنطق، فصول یحتاج الیہا فی صناعۃ المنطق، اور کتاب المدخل الی المنطق، ان میں سے پہلی کتاب عبرانی ترجمہ میں محفوظ ہے، دوسری عربی زبان (عبرانی رسم خط) میں، لیکن تیسری مفقود ہے، پہلی دونوں کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی "LEBER INTRODUCTORIUS" نہیں ہو سکتی، لہذا اگر یہ کتاب دراصل فارابی ہی کی تصنیف ہے، تو پھر یہ اس کی گمشدہ کتاب، کتاب المدخل ہی ہے،

برخلاف اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ اسکا مصنف کوئی اور ہو، اس کتاب کا متن تقریباً بلفظہ اخوان الصفا کے مشہور رسائل میں ملتا ہے، پس کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تصنیف محمد بن معشر البستی کی طرف جسے کبھی کبھی مقدسی بھی کہتے ہیں منسوب نہ کیجائے، محمد بن معشر ان مشہور و معروف رسائل کے مصنفوں میں سے تھا، یہ رسائل ہسپانیہ میں بہت مشہور تھے، جہاں ان کی ترویج ابو القاسم سلمہ المجریطی (متوفی ۱۰۰۷ء) کی طرف منسوب کیجاتی ہے۔ بوڈلین لائبریری، اکسفرڈ میں رسائل کے دو قلمی نسخے موجود ہیں، جنپر اسکا نام ہے،

اصلی عربی عبارت تیرہویں رسالہ میں پائی جاتی ہے، جسکا عنوان یہ ہے:-

"فی انولوطیقا الثانیۃ فی المنطق" ۔ اسکا ایک ٹکڑا جسمیں موسیقی کا ذکر ہے حسب ذیل ہے:-

"ومثال ذلک من الروحانی والنفسانی وھو قولنا الغناء اشارۃ الی الحان مؤلفۃ واللحن مؤلف من نغمات متناسبۃ وابیات موزونۃ والابیات مؤلفات من المفاعیل والمفاعیل من الاوتاد والاسباب وکل واحد ایضا مؤلف من حروف متحرکات وسواکن وانما یعرف ھذہ الاشیاء صاحب العروض ومن ینظر فی النسب الموسیقیۃ"

اسی ٹکڑے کا خلاصہ پندرہویں رسالہ موسومہ فی الموسیقی کی فصل بعنوان فی اصول الالحان و قوانینھا میں بھی ہے۔

منطق کی اس تصنیف کا مصنف علاوہ اُن کتابون کے جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جو الفارابی کی تصنیف ہیں اپنے دیگر اسناد کا حوالہ نہیں دیتا اور محض اہل یونان سے استفادہ کا ایک اجمالی اعتراف کرتا ہے، ڈی بوئر (T. J. DE BOER) کی رائے ہے کہ اگرچہ اخوان الصفا سے فلسفۂ ارسطو کی خالص اور کامل تر شکل کا سراغ نہیں ملتا جو الکندی سے شروع ہوتی ہے، تاہم یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ لوگ الکندی اور اس کے سکول سے علمی تعلقات رکھتے تھے، اس سلسلہ میں ایک امر قابل توجہ یہ ہے کہ اخوان الصفا اپنے رسالہ فی المنطق

میں انسان کے مزاج و سرشت پر فلکی اثرات سے متعلق ٹھیک وہی غلطی کرتے ہیں جو الکندی اپنے رسالہ فی اجزا خبریۃ الموسیقی میں کرتا ہے، پس اخوان نے یا تو الکندی سے نقل کیا ہے یا پھر اُن سب سے کسی ایک ہی ماخذ سے لیا ہے، (جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لندن) "ع ز"

امن کی ایک جدید تحریک،

گذشتہ جنگ عظیم کی تباہ کاریاں یورپ کی پشت نخوت کے لئے ایک نہایت ہی سخت تازیانہ تھیں جس کے بعد ہی امن کی پکار سے پورا برِ اعظم گونج اٹھا، تقریباً ہر ملک میں امن کی تحریک باقاعدہ طور پر شروع کر دی گئی اور اس مقصد کیلئے مختلف انجمنیں قائم ہو گئیں لیکن طاقت کا نشہ وہ نشہ ہے جس کا خمار کبھی پوری طرح نہیں اترتا، چنانچہ وہی آثار و علامات جو گذشتہ جنگ سے پیشتر نظر آرہے تھے اب پھر بعض دور بیں نگاہوں کی تشویش کا باعث ہو رہے ہیں، ان خطرات کا اندازہ کرتے ہوئے رسالہ لٹریری ڈائجسٹ (امریکہ) کے ایک مقالہ نگار نے ایک جدید تحریک امن شروع کرنی چاہی ہے، موصوف کا خیال ہے کہ موجودہ نسل کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انجیل کے اصول از سر نو تمام دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں، صلح و امن کی اُمید صرف اُسی وقت کیجا سکتی ہے جب اسکی خواہش دل کی گہرائی سے پیدا ہو، اس مقصد کے حصول کیلئے اُسنے حسب ذیل پانچ دفعات کا ایک پروگرام مرتب کیا ہے:-

(۱) سب سے پہلے ہمیں اپنے ذہن میں امن کا تخیل راسخ کر لینا چاہئے، پھر ہمیں چاہئے کہ امن کا لٹریچر کثرت سے تقسیم کریں، بین الاقوامی صلح کے قیام کیلئے ضرورت ہے کہ جنگ کے اسباب سے واقفیت حاصل کیجائے اور اُن قوموں کے منصوبے معلوم کئے جائیں جنکی سرحدوں پر جنگ کے خطرات خفیہ طور پر اپنا کام کر رہے ہیں،

(۲) ہمیں متحد ہو کر اس بین الاقوامی مقابلہ کا انسداد کرنا چاہئے جو جنگی بیڑوں اور فوجوں کی تیاری میں ہو رہا ہے،

(۳) ہمیں اس بات کیلئے بھی متحد ہو جانا چاہئے کہ جو اسلحہ غیر سرکاری طور پر مالی منفعت کی غرض سے تیار کئے جاتے ہیں اُن کی روک تھام کیجائے،

(۴) ہمیں چاہئے کہ اپنی اپنی حکومتوں پر زور ڈال کر اسلحہ کی درآمد و برآمد بالکل روک دیں، ریاستہائے متحدہ امریکہ

سے معارف بہ کتاب

کے سینیٹ نے یہ تجویز منظور کرلی ہو اور صدر امریکہ کو یہ اختیار دیدیا گیا ہو کہ جو قومیں جنگ پر تلی ہوئی ہیں اُنکے لئے امریکہ سے اسلحہ کا بھیجا جانا بند کردے، ہمیں متحد ہوکر اس اصول کو اس حد تک وسعت دینی چاہئے کہ جو قومیں جنگ کیلئے پیش قدمی کریں انھیں سرکاری یا غیر سرکاری قرضے بھی نہ دیئے جائیں،

(۵) آخر میں ہمیں پریزیڈنٹ روزولٹ (صدر امریکہ) کی اس تائید کیلئے بھی متحد ہوجانا چاہئے کہ تمام قومیں متفقہ طور پر ایک عہدنامہ پر دستخط کریں کہ جنگ میں پیش قدمی نہ کرینگی، اس قسم کے معاہدے مخالف تنقیدوں کے علی الرغم اپنا اثر ضرور رکھتے ہیں، تحریکِ امن ابھی اپنے ابتدائی مدارج میں ہو، ہر دستخط شدہ معاہدہ قوم کے ارادہ امن کو تقویت بخشتا ہو، یہ تدبیر اسوقت تک جاری رہنی چاہئے جبتک امن قائم کرنے کا عزم جنگ برپا کرنے کی خواہش سے زیادہ مضبوط نہ ہوجائے،

مقالہ نگار کا خیال ہو کہ پانچ دفعات کا یہ پروگرام ایک ایسا پروگرام ہو جسپر ہر خیال کے لوگ بلاکسی دشواری کے متفق ہوسکتے ہیں اور جس پر عمل کرنے سے وہ عہد پورا ہوسکیگا جو اب سے بیس سال قبل جنگِ عظیم کی ابتدا میں کیا گیا تھا، یعنی جنگ کو ہمیشہ کیلئے ختم کردینے کا عہد،

کسی خاص پروگرام سے بڑھکر اہم اور بنیادی چیز یہ ہو کہ اخوتِ انسانی کیلئے ایک متحدہ کوشش کیجائے چنانچہ اس مقصد سے امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء کو "یوم اخوت" منایا گیا اور پوری قوم کو مندرجہ ذیل اقرار و اعلان کی دعوت دیگئی،

(۱) میں دوسروں کیساتھ خواہ وہ کسی نسل یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں وہی برتاؤ کرنا چاہتا ہوں جو میں انکی طرف سے اپنے لئے پسند کرتا ہوں،

(۲) میرا عزم یہ ہو کہ حقوقِ انسانی کا احترام کروں اور ہر انسان کی نسبت اسکی ذاتی اہلیت کے مطابق رائے قائم کروں،

(۳) میں ہر اس منظم کوشش کی مخالفت کرونگا جسکا مقصد کسی مذہبی یا معاشرتی جماعت کے خلاف خوف یا نفرت کا جذبہ پیدا کرنا ہو،

مذکورۂ بالا اعلانات کی بابت صاحبِ مقالہ کی رائے ہے کہ یہ ایک ایسا فلسفۂ حیات ہو، جو باعتبار اپنی اصل کے ایک زریں اصولِ زندگی ہے، یہ ایک ایسا فلسفۂ حیات ہے جو تمام حقوقِ انسانی کو محیط ہے، اور جو فکر و عمل کی آزادی قائم کرنے کے لئے نسل، رنگ، اور فرقہ کی تمام حدبندیوں کو پامال کردیتا ہے،

"ع ز"

اخبار علمیہ

نازی جرمنی کا "آرین مغالطہ"

کچھ عرصہ سے یورپ کے علمی حلقون مین اُس برتاؤ کے خلاف جو قومی تعصب کی بنا پر جرمنی مین یہود کے ساتھ کیا جارہا ہے، نیز اون "سائنٹفک" خیالات کی نسبت جو نازیون نے اپنی جگہ قائم کرلئے ہین، ایک طرح کی برہمی پیدا ہورہی ہے، چنانچہ حال مین لندن مین ماہرین انسانیات ونسلیات کی جو انجمن منعقد ہوئی تھی، جسمین تمام دنیا کے مشہور سائنس دان شریک تھے، اسمین جرمنی کے اس تخیل وعمل کی مخالفت نہایت صاف الفاظ مین کی گئی، جرمنی کے بعض سیاسی لیڈرون نے نسلی عصبیت کی بنا پر "آرین" اور "غیر یہودی" کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھ رکھا ہے، لندن کی اس انجمن مین اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی گئی، اور سر گریفٹن اسمتھ (SIR GRAFTON SMITH) نے جن کا شمار برطانیہ کے اکابر علماے انسانیات مین ہے، جرمنی کے "آرین مغالطہ" کا خاصہ مضحکہ اڑایا، نازیون کے اس خیال پر اظہار رائے کرتے ہوئے، کہ "آرین" نسل ہر طرح کی خوبی اور بہتری کی جامع ہے، موصوف نے فرمایا:- یہ مسلمات تک مختلف فیہ ہے، کہ تہذیب کی ابتدا کس مقام پر ہوئی، لیکن ہم اس امر کی شہادت رکھتے ہین، کہ خواہ اسکی ابتدا مصر، سومیریا، (سومری قوم ساکن بابل کی سرزمین،) ہندوستان، یا کسی اور ملک مین ہوئی ہو، لیکن تہذیب کا کام شروع بحر روم ہی کی ساحلی نسل نے کیا، اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ اُس نسل مین تہذیب و تمدن کو جاری کرنے کا کوئی خلقی ملکہ تھا، بلکہ یہ محض اون تاریخی حالات کا نتیجہ تھا جنھون نے سواحل نیل کے باشندون کو ایسے مشاغل مین لگادیا، جن سے تہذیب وتمدن کی تعمیر لابدی طور پر ہونے لگی،

اس وقت جب کہ دماغ واخلاق کی اعلیٰ خوبیان شالی یورپ کی جرمن قومون اور نام نہاد آرین نسل کے لوگون کی طرف منسوب کیجاتی ہین، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آرین نسل کے موجد تہذیب ہونے کا نظریہ شبہہ سے بھی زیادہ کمزور بنیادون پر قائم ہے اور اگر آرین نسل کے لوگ قدیم کلچر کے بانی تھے، تو صرف اسی شکل مین کہ انھون نے اپنی تہذیب بابل سے اخذ کی تھی" اسکے بعد پروفیسر ہالڈین (HALDANE) (لندن یونیورسٹی) نے فرمایا کہ کسی شخص کے اسلاف کی واقفیت سے خود اسکی استعداد و قابلیت پر بہت کم روشنی پڑتی ہے، جہان تک جسمانی حالات کا تعلق ہے، یورپ کے نسلی سلسلے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، اور ظاہری شکل وصورت اب موروثی نسلی خصوصیات کی علامت نہین رہ گئی،

کامیابی کا معیار

کسی شخص کی زندگی کے ناکام یا کامیاب ہونے کے متعلق اس وقت تک فیصلہ نہین کیا جا سکتا جب تک اوسکے تمام کارنامے پیش نظر نہ ہون، ابتدائی کامیابی یا ناکامیابی معیار نہین ہو سکتی، اکثر اشخاص جو اپنی طالب علمی کے زمانہ مین بہت ذہین اور تیز سمجھے جاتے تھے، فارغ ہونے کے بعد کوئی خاص امتیاز حاصل نہ کر سکے، برخلاف اس کے بہترے لوگ جو مشہور بلید ذہن بھدے اور غبی تھے، آگے چل کر نہایت ممتاز ثابت ہوئے، چارلس ڈارون جس کا نظریۂ ارتقار تمام دنیا مین مشہور ہوا، اور جو اکثر حیثیتون سے ایک بڑا آدمی تھا، اپنی تعلیم کے زمانہ مین ایک نہایت معمولی طالب علم تھا اور کسی غیر ملکی زبان پر عبور حاصل نہ کر سکا، نپولین اپنی قابلیت کے لحاظ سے ہم سبق لڑکون مین بیالیسوین نمبر پر تھا، لیکن اسکے اکتالیس ساتھیون مین سے کسی ایک کا نام بھی مدرسہ کی چہار دیواری سے نکلکر شہرت کے میدان تک نہ پہنچ سکا، اسی طرح سر آئزک نیوٹن بھی اپنے درجہ مین تقریباً سب سے آخری نمبر پر تھا، اور ریاضی کا یہ شہرۂ آفاق فاضل جیومٹری مین ہمیشہ فیل ہوتا رہا، الکزانڈر فان ہمبولٹ مشہور جرمن سائنس دان بچپن مین اتنا غبی تھا، کہ اوس کے اساتذہ کو اوس کی معمولی سمجھداری مین بھی شبہہ تھا" جارج الیٹ" جس کے ناول عام مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہین، اوس نے پڑھنا لکھنا بہت مشکل سے سیکھا تھا، اور اس کے متعلق یہ پیشین گوئی کی جاتی تھی، کہ وہ نہ صرف ایک بہت غبی عورت ہوگی، بلکہ

گھر میں بھی صرف موٹے موٹے کام کرنے کے قابل ہوسکیگی، سروالٹر اسکاٹ، برطانیہ کا ایک ناول نگار محنت کافی کرتا تھا، مگر ذہین بالکل نہ تھا، گولڈ اسمتھ اٹھارہوین صدی کا ممتاز انگریز ادیب و تمثیل نگار اپنے ہم سبقوں میں آخری نمبر پر تھا، اناطول فرانس جس کا شمار عہد جدید کے ممتاز ترین مصنفین میں ہے کبھی امتحانات میں کامیاب نہ ہوسکا، برنرڈ شا تیس سال سے زائد مدت تک ناکامی کی زندگی بسر کرتا رہا، ابراہیم لنکن متعدد ناکامیوں کے بعد ترقی کرتا ہوا، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سب سے زیادہ معزز مقام یعنی صدارت تک پہنچ سکا لیکن اب اپنی لیاقت اور کارناموں کے لحاظ سے وہاں کے بہترین صدروں میں شمار کیا جاتا ہی،

ایک جدید سائنس

ہارورڈ یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر ہارلن اسٹٹ سن (HARLAN I. STETSON) کا خیال ہے کہ جلد ایک نئی سائنس مرتب ہو جائے گی جس کا نام کوسمیکالوجی (COSMECOLOGY) ہوگا، اس کا مقصد اُن اثرات کا مطالعہ و تفحص ہوگا جو زندگی پر مظاہر فلکی (COSMIC. PHENOMENA) سے پڑتے ہیں، مثلاً سطح زمین کی پپڑیوں میں تبدیلیاں، مدّوجزر، انوار شمالی و جنوبی، فلکی اور دیگر اشعاع، نیز وہ مختلف اثرات جو فضائے آسمانی سے روئے زمین پر مترتب ہوتے ہیں،

بائبل کی کثیر اشاعت

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوا ہے، کہ گذشتہ سال بائبل کی ۱۰۹۳۳۰۳ جلدیں نکلیں، جو ۱۹۳۳ء کی تعداد کے مقابلہ میں بقدر ۲۱۵۰۲۴ زیادہ ہیں، گذشتہ سال اس کے ترجمہ میں گیارہ نئی زبانوں کا اضافہ کیا گیا، چنانچہ اب تک جتنی زبانوں میں بائبل شائع کی جاچکی ہے، اُن کی مجموعی تعداد ۶۶۶ ہے،

کیمیائی تحقیقات مین اضافہ

پروفیسر کرین (E. J. CRANE) امریکہ کا بیان ہے کہ تمام دنیا مین کیمیائی تحقیقات پر روز بروز زیادہ زور دیا جارہا ہے ۱۹۳۲ء کی پہلی ششماہی مین ۱۶۴۴۸ اور مجمل مقالات کیمیائی تحقیقات پر شائع ہوے تھے لیکن ۱۹۳۴ء کی پہلی ششماہی مین ۱۰۶۶۴ اور مجمل مقالات دو ہزار ممتاز سائنٹفک اور ٹکنکل رسالون مین نکل چکے ہین،

ریڈیم کا نیا ذخیرہ

امریکن کیمیکل سوسائٹی کے رسالہ مین یہ اطلاع شائع ہوئی ہے، کہ بلغاریہ مین ریڈیم کا ایک نیا ذخیرہ دریافت ہوا ہے، جس کا ترا سی فی صدی ریڈیم اس قابل ہے، کہ نکالا جا سکے، اس وقت ریڈیم کی قیمت تقریبًا پچاس ہزار ڈالر فی گرام ہے، لیکن چند سال پیشتر اوس کی قیمت ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر فی گرام تھی، تمام دنیا کے نفیس ریڈیم کی مجموعی مقدار تقریبًا سات سو گرام ہے،

برنرڈ شا کا تازہ حملہ

حال مین برنرڈ شا کا نیا ڈرامہ "پہاڑون پر" ("ON. THE ROCKS") ڈبلن مین اسٹیج کیا گیا تھا، جس سے حاضرین بہت زیادہ متاثر ہوئے، اس ڈرامہ مین شا نے اپنے مخصوص طنزیہ لب ولہجہ مین سوسائٹی کے موجودہ نظام پر نہایت سخت حملے کئے ہین، اور دکھایا ہے، کہ یورپ کے نظام معاشرت کی بنیادین کس قدر کمزور اور کھوکھلی ہین،

"ع ز"

اوراقِ پارینہ

علامہ شبلی نعمانی کی دو غیر مطبوعہ تحریریں

کتبخانۂ رام پور سے متعلق

از

جناب مولوی امتیاز علیخانصاحب عرشی، ناظم کتب خانۂ رامپور،

"یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے، کہ کتب خانۂ ریاست رامپور کی بنیاد ریاست کی بنیاد کے ساتھ پڑی، لیکن نواب سید محمد یوسف علی خان بہادر کے عہد تک اس کی حیثیت پیلس لائبریری سے زیادہ نہ تھی، نواب خلد آشیان طاب ثراہ نے خصوصیت کے ساتھ اس طرف توجہ مبذول کی، اور اپنی قدردانی، فیاضی کے طفیل تقریبًا ۹ ہزار کتابون کا ذخیرہ اپنے بعد چھوڑا، یہ مارچ ۱۸۶۵ء کا واقعہ ہے، ان کے بعد نواب سید مشتاق علی خان بہادر کے عہدِ حکومت مین ریاست کے کل نظم ونسق کا تعلق مدارالمہام جنرل عظیم الدین خان بہادر سے ہوگیا، جنرل صاحب موصوف نہایت روشنخیال اور اصلاح پسند طبیعت رکھتے تھے، ریاست کے دوسرے محکمون کے ساتھ ساتھ آپ نے کتبخانہ کی تنظیم وترتیب کی طرف بھی توجہ کی، اور اس سلسلہ مین علامہ شبلی مرحوم سے خواہش کیگئی کہ وہ اس بارہ مین اپنی تجاویز پیش کرین، حسنِ اتفاق سے، کتب خانہ کے ردی گھر (گودام) کا جائزہ لیتے وقت علامۂ مرحوم کی پیش کردہ تجاویز کا مسودہ جو مولنا کے اپنے قلم کا تحریر کیا ہوا ہے، دستیاب ہوا، چونکہ اس مین تنظیم وترتیبِ کتب کے متعلق اہم تجاویز پائی جاتی ہین، بنا برین اس کا مطالعہ نہ صرف اس لئے کہ وہ اردو زبان کے ایک بلند پایہ ادیب ومورخ کی تحریر ہے، بلکہ علمی وفنی حیثیت سے بھی مفید ہوگا"

رپورٹ متعلق کتب خانہ ریاست عالیہ مصطفیٰ آباد رامپور

مین نے کتب خانہ سرکاری کو جو درحقیقت ریاست کی علمی فیاضیون کی ایک حیرت انگیز یادگار ہے، دو تین دن مین جس قدر تحقیق وکاوش کی نگاہ سے دیکھنا ممکن تھا، دیکھا، ایک شخص گو اس کی نظر کتنی ہی وسیع ہو، کتب خانہ کے احاطہ مین جا کر جب اُن عزیز الوجود اور بیش بہا کتابون کو دیکھیگا جن کو جستجو اور قدر دانی اور فیاضیون نے، دنیا کے مختلف حصّون سے لاکر وہان جمع کر دیا ہے، تو دفعۃً وہ حیرت زدہ ہو جائیگا، لیکن اسی کے ساتھ جب وہ کتب خانہ کی بے ترتیبی اور فہرست کی ناموزونی پر نظر ڈالیگا تو سخت افسوس کریگا،

اصلاح طلب امور کو مین دفعہ وار عرض کرتا ہون، اور امید ہے کہ وہ قبول کی نگاہ سے دیکھے جائین،

دفعہ ۱- سب سے بڑی بے ترتیبی یہ ہے کہ کتابین الماریون مین حروفِ تہجی کی ترتیب سے رکھی گئی ہین، جسکا یہ نتیجہ ہے کہ کتاب الخراج قاضی امام ابو یوسفؒ کو جو نہایت عالی رتبہ تصنیف ہے کلیات رند کے پہلو مین جگہ دیجا سکتی ہے، کتب خانہ مین ہر موقع پر یہ ناموزونی موجود ہے، اور نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، مین نے بہت بڑے بڑے کتب خانے دیکھے ہین، مگر مجھکو کسی کتب خانہ مین یہ ناموزون ترتیب نہین ملی ہے، سب سے مقدم یہ ہے کہ فن اور علم کے لحاظ سے فہرست مرتب کیجائے اور پھر اُس مین حروفِ تہجی کا لحاظ ہو، فہرست کا نمونہ جو منشی امیر احمد صاحب[۱] نے پیش کیا ہے نہایت عمدہ ہے، لیکن جو خانہ "مختصر خلاصہ" کا رکھا ہے اور اس مین مثال کے طور پر ایک کتاب کے تمام مضامین کا خلاصہ کیا ہے، یہ طریقہ چندان ضروری نہین ہے اور نہایت مشکل ہے کہ ہر کتاب کے متعلق ایسا خلاصہ طیار ہو سکے، مین کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ اگر ایسا کرنا ضروری خیال کیا جائے تو ریاست کو مولوی عبد الحق صاحب[۲] اور مولوی ارشاد حسین صاحب[۳] کو مجبورانہ تکلیف دینی پڑے گی، اس خانہ مین تصنیف کے متعلق کسی قدر حالات لکھے جائین مثلاً اگر وہ کتاب تاریخ وغیرہ کی ہو تو یہ

---

[۱] منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مراد ہین، موصوف اس کمیٹی کے ممبر تھے، جو تنظیم کتب خانہ کے لئے مرتب کی گئی تھی، عرشی

[۲] مولنا عبد الحق بن مولنا فضل حق خیرآبادی مراد ہین، [۳] مولانا ارشاد حسین مجددی رامپوری مراد ہین، جو خود مولنا شبلی مرحوم کے استاد تھے، (عرشی)

لکھا جائے کہ کس عہد سے کس عہد تک کی تاریخ ہے، کس قسم کے حالات ہین، اگر ادر فن کے متعلق ہو تو مصنف یا کتاب کی نسبت کوئی تاریخی امر لکھنا کافی ہوگا، لیکن یہ التزام ضروری نہین، اوراس پر خاص توجہ کی حاجت نہین، اور التزام مین بے انتہا دقت ہوگی،

دفعہ ۲ ۔ فن کی ترتیب سے جو فہرست ہوگی اُس کے ذریعہ سے کتابون کا نکالنا مشکل ہوگا، اسلیے حروف تہجی کی ترتیب سے بھی ایک فہرست موجود رہے، جیسا کہ عموماً کتب خانون مین ایسی ایک فہرست مرتب ہوتی ہے، لیکن کتابون کے رکھنے مین اس فہرست کا مطلق لحاظ نہ ہو،

دفعہ ۳ ۔ ہر کتاب پر دو قسم کے نمبر قائم کئے جائین، ایک باعتبار فن کے، اور ایک باعتبار حرف تہجی کے لیکن فن کا نمبر اول قرار دیا جائے، مثال یہ ہے،

کتاب الخراج نمبر فن ۔ ۳۰ نمبر حرف تہجی ۲ ۱۴ ،

اس طریقہ سے ہر فہرست مین دونون نمبرون کا حوالہ دیا جائے، تاکہ جو کتاب سرکار کو مطلوب ہو فوراً مل سکے اور جستجو کی زحمت نہ ہو،

دفعہ ۴ ۔ اکثر کتابون کے دو تین نام ہوتے ہین، ایسی صورت مین جو نام مشہور اور معروف ہے اس کو اصل قرار دینا چاہئے اور دوسرا نام بھی اس کے ساتھ لکھدیا جائے،

دفعہ ۵ ۔ مجموعون مین نہایت بے ترتیبی ہے، ان کی جلدین توڑ کر، یا تو ایک فن کے لحاظ سے یا مصنف کے لحاظ سے رسالے ایک مین مجلد کئے جائین، موجودہ مجموعے ایسے ہین، جو نہ ایک خاص فن مین ہین، نہ ایک مصنف کی تصنیف ہین، اس بے ترتیبی سے کتب خانہ نہایت ناموزون معلوم ہوتا ہے،

دفعہ ۶ ۔ جو کتابین محفوظ اور زر دو قرار دیگئی ہین، اُن مین صرف خوشخطی اور حیثیت ظاہری کا (لحاظ کیا) گیا ہے، حالانکہ وہ کتابین در اصل زر و قرار دیجا سکتی ہین جو عمدگی مضمون اور قدامت مصنف اور کمیابی کے لحاظ سے قابل قدر ہون، مین نے نہایت نادر الوجود کتابون کو دیکھا ہے کہ وہ عام کتابون کیساتھ

رکھی ہوئی ہیں، ایسی تمام کتابیں چھانٹ کر الگ کیجائیں، اوران کے لئے ایک خاص الماری ہو، مدرستہ العلوم[1] میں اس قسم کی کتابیں ایک نہایت مضبوط آہنی صندوق میں رکھی گئی ہیں، لندن میں فولادی الماریاں مخصوص ہوتی ہیں، لیکن اس قسم کی کتابوں کا انتخاب کرنا ایک مستعد اور وسیع النظر عالم کا کام ہے، اور میں علانیہ کہتا ہوں کہ کتب خانہ کا موجودہ اسٹاف اس کام کے بالکل لائق نہیں ہے،

دفعہ ۷۔ جو فہرست سردست مرتب ہے یا ہورہی ہے، اس میں تفصیل فن کے متعلق سخت غلطیاں ہیں، اس سے زیادہ کیا تعجب انگیز بات ہوگی، کہ "قصہ" کو ایک فن قرار دیا گیا ہے، اور "مخزن اسرار نظامی" جو تصوف و اخلاق کی نہایت عمدہ تصنیف ہے، اس کو "قصہ" کے ذیل میں لکھا ہے، یہ ایک خاص مثال ہے، ایسی بہت سی مثالیں ملسکتی ہیں، اس پر خاص لحاظ ہونا چاہئے،

دفعہ ۸۔ کتابیں صرف ایک لائن میں رکھی جائیں، موجودہ صورت میں نہایت تکلیف ہوتی ہے اور دوسری لاین کی کتابیں جو بالکل اوٹ میں ہیں، اُن کا دیکھنا متعذر ہے،

دفعہ ۹۔ الماریاں عموماً شیشے کی ہونی چاہئیں،

دفعہ ۱۰۔ کتب خانہ کی ایک رپورٹ مرتب کیجائے جس میں یہ مراتب ہوں،

کتب خانہ اوّلاً کس وقت قائم ہوا، ہر عہد ریاست کی مخصوص ترقیاں، کل کتابیں کس قدر ہیں، قلمی کس قدر، مطبوعہ کس قدر، عمدہ کتابیں باعتبار حیثیت ظاہری کے کس قدر، عمدہ کتابیں باعتبار عمدگی مضمون اور کمیابی کے کس قدر، ملازمین کتب خانہ کا شمار اوران کی تنخواہیں، سالانہ صرف کتب خانہ، اس قسم کے اور حالات البعض حالات شاید تحقیق معلوم نہ ہوسکیں، ان میں تخمینہ پر اعتماد کرنا ہوگا، یہ رپورٹ عمدہ مطلا جلد بندھکر کتب خانہ میں رکھی جاوے،

دفعہ ۱۱۔ پرانی جلدوں کا ایک بار نیا ہوجانا ضرور ہے تاکہ سابق نقصانات کی ترقی کا رستہ بند

[1] علی گڑھ کالج مراد ہے۔ (عرشی)

ہو جائے اس لئے کہ گو موجودہ احتیاط اور حفاظت آیندہ نقصان پہنچنے سے مانع ہے، لیکن جن کتابون کے پشتے اور شیرازے مین کیڑا اثر کر چکا ہے ان کا بندوبست ضرور ہے، ورق گردانی سے (جسکو مین نے خود دیکھا) اس نقصان سابقہ کی ترقی کا انسداد نہین ہو سکتا، اسلئے کہ پشتہ کے اندر کا کیڑا بغیر شیرازہ کھلنے اور جلد بندھنے کے جا ہی نہین سکتا، تدریجاً جو جلدین بندھا کرتی ہین اور جنکی کیفیت مجھکو دریافت ہوئی، اگر اسی پر اکتفا ہو گی تو بہت سی کتابین جبتک ان کی جلد بندھنے کی نوبت آئے ناقص تر ہو جائینگی، اس لئے جلد تر ایسی کتابون کی جلدین نئی بندھ جانا ضرور ہے اور نہایت ضرور ہے،

دفعہ ۱۲ - جو کتابین خلاف تہذیب ہون، یا چھپی ہوئی کتاب کے متعدد نسخے ہون خارج کردیجائین، لیکن قلمی کتابین اس وجہ سے ہرگز نہ خارج کیجائین کہ وہ ناقص اور ناتمام ہین، ممکن ہے کہ وہ نہایت عمدہ کتابین ہون اور اسی قدر حصہ کا موجود ہونا غنیمت سمجھا جاوے، ایسی کتابین اکثر کتب خانہ مین اس وقت موجود ہین، اور موجود رہنا چاہئے، ہان جو کتابین عام اور معمولی ہین، وہ ناقص ہون تو خارج کردیجائین،

دفعہ ۱۳ - اس قسم کی فہرست اور ترتیب کے لئے جو ضروری ہے اور جسکی طرف خدام والا کا خیال بھی مائل ہے، ضرور ہے کہ چند مدت کے لئے کوئی لائق اور مستعد عالم شخص مقرر کیا جائے، اور موجودہ اسٹاف اس کی نگرانی مین کام کرے، ایسے بڑے کتب خانہ کے لئے، تھوڑا سا صرف اور بھی کرنا غالباً ضرور ہے، اور نہایت ضرور ہے،

یہ مراتب مین نے کسی قدر عجلت کی حالت مین عرض کئے ہین، اگر ان امور کی نسبت مجھ سے کوئی زائد آگاہی مقصود ہو گی تو مین نہایت دلی رغبت کے ساتھ، بذریعہ تحریر کے عرض کر سکونگا،

محمد شبلی۔ نعمانی، عربک پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڑھ،

محررہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۸۸ء

علامۂ مرحوم کی اکثر تجاویز اصلاحات پر عمل کیا گیا، کتابین زبان، اور فن پر منقسم ہوئین، متعدد مجموعے بھی از سرِ نو مرتب کئے گئے اور سرکار مرحوم نے کتاب خانہ کے لئے نئی عمارت تیار کرائی، چنانچہ ربع صدی کے

بعد مولنا آخری بار رامپور تشریف لائے، اور کتب خانہ دیکھا، تو مندرجہ تحت کیفیت معائنہ بک پر اپنے قلم سے تحریر فرمائی۔

(۲)

"مین اس کتب خانہ سے بارہا متمتع ہوا ہون، ہندوستان کے کتب خانون مین اس سے بہتر کیا اس کے برابر بھی کوئی کتب خانہ نہین، مین نے روم ومصر کے کتب خانے بھی دیکھے ہین، لیکن کسی کتب خانہ کو مجموعی حیثیت سے مین نے اس سے افضل تر نہین دیکھا، اہل کاران کتب خانہ کی محنت اور وسعت اطلاع کی داد دینی چاہئے، خصوصاً مہدی علیخان صاحب[1] تو خود ایک زندہ کتب خانہ ہین"

شبلی نعمانی ۶ راپریل ۱۹۱۴ء

مکاتیب شبلی

مولانا شبلی مرحوم کے دوستون عزیزون، شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ جس مین مولانا کے قومی خیالات اور علمی تعلیمی، اور ادبی نکات ہین، یہ درحقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم قیمت جلد اول ۱۲؎ جلد دوم ۱۲؎ ضخامت حصہ اول ۳۴۹ صفحے، دوم ۲۶۱ صفحے،

منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

[1] مولوی مہدی علیخان مرحوم کتب خانہ کے تحویلدار تھے، فارسی کی تعلیم باضابطہ پائی تھی، اردو مین شعر بھی کہتے تھے، اور حضرت امیر مینائی سے تلمذ تھا، موصوف کو مین نے خود دیکھا تھا، آخر عمر مین ضعف کے باعث سواری مین کتب خانہ آتے جاتے تھے، لیکن حافظہ کا یہ عالم تھا کہ کتاب کا حلیہ سنکر الماری مین سے نکال لاتے تھے، ان کی متعدد تصنیفات کتبخانہ مین موجود ہین، عرشی

ادبیات

تیری آنکھین

از پروفیسر محمد اکبر منیرؔ ملتان ۔

تری آنکھون کی رعنائی مین کیا شانِ الٰہی ہی   قیامت کی سفیدی ہی قیامت کی سیاہی ہی
شبِ دیجور کی ظلمت ہی نورِ صبحگاہی ہے   غضب ہے ایک جارد م دحبش کی پادشاہی ہی

فرشتے برف کی چادر مین بادل رکھ کے لاتے ہین
تری پلکون کے نیچے بجلیون کو یون چھپاتے ہین

تری آنکھین شبِ تاریک کے روشن ستارے ہین   فضاے عالمِ قدسی کے بے پردہ اشارے ہین
تری زلفین تو ہین کالی گھٹا یہ برق پارے ہین   نہین، یہ آفتابِ حسن کی کرنون کے آرے ہین

اتر کر دل مین پہلو کو جگر تک چیر جاتے ہین،
محبت کے لئے اک آتشی مندر بناتے ہین،

تری آنکھین بلوری جام ہین جو حکمِ داور سے   بھرے جبرئیل نے جنت مین جا کر حوضِ کوثر سے
لگائی ان مین آگ آئینہ گردون کے جوہر سے   ہوئے یہ "مست شعلے" اڑ کے ہم آغوشِ محشر سے

قیامت بھر رہی ہی تیری مستانہ نگاہون مین
پڑی ہے ایک ہلچل سی جہان کی بزمگاہون مین

تری آنکھین کنول کے پھول ہین جو باغِ جنت مین		کبھی مانندِ کشتی تیرتے تھے آبِ رحمت مین،
تبسم بن کے حورین کھیلتی تھین انکی خلوت مین		فرشتے ڈوب جاتے دیکھکر نورِ مسرت مین
بہشتی کشتیان اب حسن کے پانی مین بہتی ہین،
تمنا بن کے روحین عاشقون کی ان مین رہتی ہین
تری آنکھین ہین دو چشمے شرابِ آسمانی کے		ہین رقصان حسن کے آئینے مین جوہر دلستانی کے
شرر افشان ہین جلوے ایمین حسنِ جاودانی کے		جہانِ پیر کو نغمے سناتے ہین جوانی کے
یہ چشمے حسن کے گلزار کو سیراب کرتے ہین،
محبت کے چمن کو خرم و شاداب کرتے ہین
تری آنکھین شرارِ برق ہین گم کردہ راہونکو		گرا کر برقِ عصمت پھونکدے میرے گناہونکو
نگاہون مین مری ڈال اپنی نورانی نگاہونکو		کہ دیکھون تیرے آئینون مین قدسی بارگاہونکو
مری ہستی محیطِ حسن مین مستور ہو جائے،
لگا کر نور مین غوطہ سراپا نور ہو جائے،

سخنِ ماہرؔ

از مولوی منظور حسین ماہر القادری حیدرآبادؔ دکن

ہر نفس پیغام بربادی ہو انسان کے لئے		نبض کی ہر موج ہے نشتر رگِ جان کے لئے
زندگی دی ہی گئی تھی، کشمکش کے واسطے		دل بنایا ہی گیا تھا، سوزِ پنہان کے لئے
اپنے اندازِ کرم کی، مجھ سے تاویلین نہ کر		یہ بھی اک تقریب تھی جورِ فراوان کے لئے
اے مرے حسنِ عقیدت! اے مرے نورِ یقین		کفر کی بھی اک جھلک تکمیلِ ایمان کے لئے

کچھ نہ پاکر بھی سمجھتا ہے کہ سب کچھ پا لیا، زندگی سب سے بڑا دھوکا ہوا انسان کے لئے

پھول، ذرے، کہکشان، تارے، شفق، قوس قزح نذر لائے ہین ترے حسنِ فراوان کے لئے

رہ گئی ہے دولتِ ایمان و دین آہر کے پاس

یہ بھی حاضر ہے نگاہِ کفر سامان کے لئے

حسنِ بیان

از شیخ عبد اللطیف صاحب تپش، ایم، اے، لکچرار ایمرسن کالج، ملتان،

مستِ نگہِ نرگس مستانہ بنا دے لبریزِ مئے شوق ہون پیمانہ بنا دے،

بکھرے ہوئے یہ بال تو دیکھے نہین جاتے لیتا ہون بلائین تری دیوانہ بنا دے،

دنیا مین پھر آغاز ہے کافر نشی کا، اچھا ہے کہ پھر کعبہ کو بتخانہ بنا دے،

محفل کا تری رنگ خدا جانے کہ کیا ہو تقدیر اگر شمع کو پروانہ بنا دے،

ہونے کو تو سو بار ہو ہنگامۂ محشر جذباتِ تحیر کو تماشا نہ بنا دے،

اک حرفِ تمنا ہی سنا دون تجھے قاصد ایسا تو نہین بات کو افسانہ بنا دے،

لطف آئے جو یہ رنگ کی پرواز کسی دن آئینہ کو تصویر سے بیگانہ بنا دے،

پھر توبہ کے ٹکڑون پہ گزر ہو مری ساقی پھر مجھ کو گدائے درمیخانہ بنا دے،

اشکِ سرِ مژگان کو تپش پونچھتے کیون ہو

ممکن ہے کہ قسمت اسے دردانہ بنا دے

باب التقریظ والانتقاد

حیات حافظ رحمت خان

از

سید ریاست علی ندوی،

مؤلفہ جناب سید الطاف علی بی اے علیگ بریلوی، ۳۶۰ صفحات، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ جلد خوبصورت، قیمت ۲۔ سے نظامی پریس بک ڈپو، بدایون،

ہندوستان کی تاریخ میں اٹھارہوین صدی مین تقریبًا ایک ہی قسم کے ماحول مین دو شخصیتین دو مخالف سمتون شمال وجنوب مین پیدا ہوئین، ایک حافظ الملک حافظ رحمت خان کی، اور دوسری ٹیپو سلطان کے باپ نواب حیدر علی کی، مؤخر الذکر باپ بیٹون کو انگریزی و فرانسیسی حکومتون سے بیشتر سابقہ رہا، اس لئے ان کے سوانح حیات کے خط وخال خواہ کسی آب ورنگ مین سہی، انگریزی تاریخون مین پھر ان کے توسط سے اردو کی تاریخی ریڈرون مین بہت کچھ نظر آتے ہین، لیکن حافظ رحمت خان کا تعلق زیادہ تر دیسی ریاستون سے رہا، انگریزون سے واسطہ پڑا تو دراصل اس فیصلہ کن جنگ مین جسمین انھون نے شہادت پائی، اس لئے یہ انگریز مورخین کا مستقل موضوع نہ بن سکے، حالانکہ ان کے کارنامے اس لائق تھے کہ انگریز مورخین بھی ان سے کافی اعتنا کرتے کہ انہی کا وجود جب تک قائم رہا، انگریزون کو شمالی ہند مین اودھ سے آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوسکی، حیات "حافظ رحمت خان" کے مصنف شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اس تالیف کے ذریعہ نہ صرف حافظ رحمت خان کے مکمل سوانح حیات

جنگی وعمرانی خدمات، بلکہ گویا روہیلکھنڈ کی مکمل تاریخ اختصار، جامعیت، اور اچھی ترتیب، تبویب اور تحشیہ کے ساتھ پیش کی ہے،

حافظ رحمت خان کے حالات دو قسم کے ماخذون مین ملتے ہین، ایک تو اُن فارسی تاریخون مین جو اُن کی مخالف حکومتون کے متوسل یا موافق مصنفین نے لکھی ہین، دوسری وہ کتابین ہین، جو حافظ رحمت خان کے پوتون یا پڑپوتون نے لکھی ہین، اب تک انگریز مصنفین یا بعد کے دوسرے مورخین مؤخر الذکر کتابون کو اس لئے نظرانداز کر دیتے تھے کہ وہ ان کے اہل خاندان کی صرف مفاخر ہین، اس لئے ان کے حالات مین تنہا ماخذ اونہی مخالف مصنفین کی کتابین تھین، لیکن ہمارے نوجوان مؤلف نے اس نظریہ کو قبول نہین کیا، اور اپنے ماخذون مین اہل خاندان کی یہ کتابین بھی داخل کین، بلکہ انہی کو بڑی حد تک بنیاد و اساس قرار دیا، اور اصول درایت اور واقعات کا ماحول سامنے رکھ کر اُن الزامون کو دور کرنا چاہا، جو مخالف مورخین نے حافظ رحمت خان پر لگائے تھے،

اہل خاندان کی کتابون مین سے دو کتابین مبسوط و مفصل تھین، اور انہی دونون کو مؤلف نے خصوصیت سے اپنا ماخذ بنایا ہے، ایک نواب مستجاب خان کی گلستان رحمت، اور دوسری سعادت یار خان کی گل رحمت، مؤخر الذکر کتاب کا ایک نسخہ ہمارے کتبخانۂ دار المصنفین مین بھی موجود ہے، ہم نے بطور آزمایش اس کتاب کی اُس فصل کو سامنے رکھا، جو مرہٹون سے فیصلہ کن جنگ پانی پت کے حالات مین ہے، اور دوسری طرف سلاطین درّانیہ کی مشہور تاریخ "تاریخ احمد" مین جنگ پانی پت کے حالات نکالے، تاریخ احمد، مؤلف حیات حافظ رحمت خان کے پیش نظر نہین رہی ہے، لیکن کشمیر کے روہیلون سے اس غیر متعلق کتاب سے بھی ان واقعات کی تصدیق ہوتی ہے جن کا تذکرہ جنگ پانی پت کے بیان مین "گل رحمت" مین آیا ہے، اور جس کا اعتراف حافظ رحمت خان کے دوسرے مخالف مورخین مشکل سے کرتے ہین، مثلاً، نواب عنایت خان (پسر حافظ رحمت خان) کی جنگ مین نمایان خدمات اور قدردانی کی یہ مبارک باد" این فتح بتو مبارک باد و رحمت خدا برتو و برپدر تو

پھر انھیں خطاب وغیرہ سے سرفراز کرنا، یا اسی طرح نواب شجاع الدولہ کے متعلق یہ کہنا کہ "یہی سردار تم مین غیر مانوس رہ جاتا ہے، مین اسے ساتھ لیجاتا ہون، وہان اس کی مملکت سے وسیع مملکت اسے دیدونگا" شاہ درانی کے اس جواب مین "تاریخ احمد" مین ہے:-

"ہمہ سرداران خاموش ماندہ حق برضاد ادند و حافظ الملک عرض کرد کہ در میان ما و نواب ہیچ تغایر نیست ایشان اکثر بکمک ما می رسند اگرچہ قبلۂ عالم نواب راہمراہ رکاب بردہ زیادہ ازین سرفراز خواہند فرمود، اما مردم ہندوستان خواہند گفت کہ آخر قوم افاغنہ اتفاق نمودہ یک سردار ما کہ باقی ماندہ بود از ہندوستان بدر کردند، بہر کیف رفتن ایشان درحق ما خوب نخواہد شد"

درانی نے جواب دیا:-

(ص ۱۵، ۱۶)
"..... برائے خاطر شما می فرمودیم، قبول نکردید، گر یاد دارید کہ نتیجۂ این روزی بشما عائد خواہد شد"

شاہ درانی کی پیشینگوئی حرف بحرف پوری اتری، لیکن ان واقعات کا تذکرہ سیر المتاخرین وغیرہ مین موجود نہین، بلکہ سیر المتاخرین مین تو غریب عنایت خان کا نام تک نظر نہ آیا، بلکہ نواب نجیب الدولہ کے پہلو بہ پہلو شجاع الدولہ کے خدمات اور پھر منصبِ وزارتِ عظمیٰ کا ذکر آیا ہے،

اس لئے اگر ان واقعات کی تصدیق "تاریخ احمد" سے نہ ہوتی تو گل رحمت وغیرہ کے بیانات کو خاندانی ترفع کی نمود و نمایش پر قدرۃً محمول کیا جاسکتا تھا، اور اس موقع پر یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ تاریخ احمد کی تصنیف کا زمانہ ۱۲۱۳ھ جو گلِ رحمت کے زمانۂ تصنیف ۱۲۴۹ھ سے پہلے ہے، اس لئے اس کا بھی امکان نہین کہ مؤلف تاریخ احمد نے گلِ رحمت سے واقعات نقل کر دیئے ہون،

تاہم اس کا یہ مقصد نہین کہ گلِ رحمت وغیرہ کی تمام روایتین لائقِ استناد ہین، ایک غیر جانبدار مورخ کو ان کے مطالعہ کے وقت وہ واقعات و روایات علٰحدہ کر دینے پڑین گے جنھین اہلِ خاندان نے حافظ الملک سے والہانہ عقیدت کے باعث محض خوش عقیدگی سے اُن کی جانب منسوب کر دیئے ہین، کہ ان کتابون کے

مؤلفین تو ان روایات کے اخذ و قبول کرنے پر اس لئے مجبور تھے کہ وہ خاندانی روایتیں بار بار اس کثرت سے انکے کانون تک پہنچی تھین، کہ اُن کے نزدیک اُن کا ناقابل اعتماد ٹھہرنا دشوار تھا، لیکن ہمارے زمانہ کے مصنف "حیات حافظ رحمت خان" کو خوش اعتقادی کی ان مشہور عام خاندانی روایتون کو تاریخی استناد کے ساتھ قبول نہ کرنا تھا، وہ ان دونون قسم کی روایتون مین بآسانی تمیز کر سکتے تھے،

اسی طرح اگرچہ ہمارے مصنف نے ایک "غیر جانبدار نقاد مورخ" کے بار بار دعاوی کے ساتھ اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے، لیکن نقد و جرح مین مصنف کے دلائل کی کمزوریان اس طرح آشکارا ہوتی ہین کہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ عمداً اس الزام کو دور کرنے کی کوشش مین ہین، لیکن ایسے مواقع ساری کتاب مین دو تین سے زیادہ نہین،

اسی طرح حافظ الملک کی شاعری کی بحث تشنہ اور محل نظر ہے، اور نہ ان کے لئے شاعری ذریعۂ عزت ہے،

مصنف نے اسی رد و جرح مین حافظ رحمت خان کے مخالف مورخین مین سے سیر المتاخرین کے مؤلف میر غلام حسین کو ان کی کتاب کی ایک عبارت اقتباس کرکے دکھانا چاہا ہے کہ وہ جنگ پٹنہ و بکسر مین انگریزون سے ملے ہوئے تھے، اور شاہ عالم کو انگریزی کیمپ مین پہنچانا چاہتے تھے، حالانکہ مصنف سیر المتاخرین کی اس مقتبس عبارت مین جو کچھ تذکرہ آیا ہے، اس کا تعلق جنگ پٹنہ و بکسر کے بعد کے واقعات سے ہے جب اونکو واپسی مین شجاع الدولہ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی ہے اور اپنے اور اپنے والد کو اس نے شجاع الدولہ کے آیندہ کسی ارادۂ بد سے بچانا چاہا ہے،

ان نظری پہلوؤن سے علٰحدہ ہو کر اگر کتاب مین لغزشین تلاش کیجائین، تو اپنے ماخذون مین بعض کتابون کے مصنفین کے غلط نام لکھ دینے، اور اردو کے عامی الفاظ "قریب المرگ" "یگانگت" "دسہ کرز" وغیرہ کے استعمال کی شکل مین نظر آسکتی ہین، لیکن ایسی خردہ گیریان، کتاب کے ظاہری و معنوی دونون قسم کے محاسن کے لحاظ سے کسی طرح مناسب نہین، البتہ مصنف کو اُس عہد کی بعض مشہور تاریخی شخصیتون پر اظہار خیال کرتے ہوئے لب و لہجہ کو نرم اور ملائم رکھنا تھا، کہ وہ شخصیتین گذر گئین، ان کے نیک و بد اعمال اُن کے ساتھ گئے، ہمارا فرض صرف یہ ہے کہ ان کے نیک و بد کردار کو تمیز کے ساتھ دکھا دین،

بہرحال یہ کتاب کافی محنت، جانفشانی، اور تلاش و تحقیق سے مرتب کیگئی ہے، اور ہم مصنف ہی کے الفاظ میں جو اُس نے "گلستانِ رحمت" کے مصنف کے حق میں استعمال کئے ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ...... یہ کتاب لکھکر نہ صرف روہیلون کے نامور سردار بلکہ ایک پوری کی پوری قوم کو زندۂ جاوید کردیا" کہ اردو زبان میں یہ روہیلون کی غالبًا سب سے پہلی مکمل تاریخ ہے، جس میں روہیلون کی آمد سے دورِ حاضر تک کے مکمل حالات اس طرح مرتب کر دیئے ہیں کہ کہین تشنگی باقی نہین رہتی، اور بلکہ نہ صرف روہیلکھنڈ بلکہ اس عہد کے شمالی ہند کا پورا نقشہ آنکھون مین گھوم جاتا ہے،

کتاب میں حافظ رحمت خان اور اُن سے متعلق متعدد رنگین تصویرین بھی ہین، اور یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ حافظ الملک کے موجودہ اہلِ خاندان نے مصنف کی جانفشانی کی قدر کی، اور کتاب کو نفیس طباعت کے ساتھ شائع کرایا،

کلّیات حسن دہلوی،

مرتبہ مولوی مسعود علی محوی بی اے (علیگ) سابق سشن جج سرکار آصفیہ ضخامت مجموعی ۲۰۰۳ صفحہ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدرآباد دکن، قیمت درج نہین،

امیر حسن دہلوی، اور حضرت امیر خسرو باہم معاصر اور تصوف کے ایک ہی سلسلے مین منسلک ہین، لیکن دونون یکسان طور پر خوش قسمت نہین ہین، ریاست حیدرآباد کی فیاضی، اور نواب اسحاق خان مرحوم کے ذوق تصوف سے حضرت امیر خسرو کی متعدد مثنویان نہایت آب و تاب سے شائع ہو چکی ہین، لیکن امیر حسن کے دیوان کے قلمی نسخون سے کیرّدن کے سوا اور کسی نے اب تک فائدہ نہین اٹھایا، لیکن مقام مسرت ہے کہ سرزمین حیدرآباد ہی سے اس دیوان کی اشاعت کے سروسامان بھی بہم پہنچے، اور ہز اکسلنی سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر نے معارف کا بار اپنے ذمہ لیکر اس دیوان کی طباعت و اشاعت کی خدمت مولوی مسعود علی بی اے (علیگ) سابق سشن جج سرکار آصفیہ کے متعلق کی اور ان کی دو ڈھائی سال کی کاوش و محنت سے اس دیوان کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن جس کا نام شاد

ایڈیشن سے شائع ہوگیا،

حق یہ ہے کہ حضرت حسن دہلوی کا حق بھی اہل دکن ہی پر تھا، انھون نے سرزمین دکن مین وفات پائی، اور وہین اورنگ آباد کے قریب خلد آباد مین وہ خلد نشین مدفون ہین، کتاب کے آغاز مین انکے مزار کا فوٹو بھی دیا گیا ہے، اوران کے دیوان کی اشاعت کی طرف سر مہاراجہ کشن پرشاد کی توجہ جن اسباب کی بنا پر مبذول ہوئی ہے، ان مین اس مزار کو بھی دخل ہے، فوٹو کے بعد دو تین صفحون مین سر مہاراجہ کشن پرشاد بالقابہ کی تمہید ہے، جس مین انھون نے اس دیوان کی اشاعت کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے کے اسباب بتائے ہین، پھر ۶۰ صفحات مین مولوی مسعود علی محوی کا ایک پرمغز دیباچہ ہے جس مین امیر حسن کے سوانح وشاعری وغیرہ سے بحث کیگئی ہے، اس کے بعد ۸ صفحون مین اس دیباچہ کا ضمیمہ ہے، جس مین اس دیوان کی ترتیب تصحیح وطباعت وغیرہ کا حال درج ہے، ترتیب کی شکل یہ ہے کہ ایک نسخہ کو اصل قرار دیا گیا ہے، اور جو غزلین یا نظمین اصل مین نہ تھین وہ دوسرے دیوانون سے نقل کرکے اس مین داخل کی گئی ہین، لیکن ان دیوانون کی کل تعداد پانچ سے زیادہ نہین، اور سب کے سب حیدرآباد کے کتب خانون سے تعلق رکھتے ہین، اگر فاضل مرتب نے حدود حیدرآباد سے قدم آگے بڑھایا ہوتا تو اور بھی بہت سے نسخے مل سکتے تھے، ایک قلمی نسخہ تو خود دار المصنفین کے کتبخانے مین موجود ہے، اور ایک نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کی لائبریری مین ہے، ان کے علاوہ اگر تلاش کیجاتی تو اور نسخے مل سکتے تھے، ان سب کے بعد اصل دیوان شروع ہو کر ۶۲۳ صفحات مین ختم ہوتا ہے، جس کا بیشتر حصہ تو غزلیات پر مشتمل ہے، ان کے علاوہ اخیر مین قصائد، رباعیات اور مثنویان وغیرہ ہین،

اس دیوان کا دیباچہ فاضل مرتب نے نہایت کاوش اور محنت سے لکھا ہے، سب سے پہلے امیر حسن کے حالات کے متعلق حسب ذیل تاریخون اور تذکرون کی اصل عبارتین نقل کی ہین،

(۱) تاریخ فیروزشاہی،

(۲) سیر الاولیا مولفہ محمد مبارک العلوی الکرمانی المدعو بامیر خورد،

(۳) سیر العارفین حامد بن فضل اللہ المخاطب بہ جلال،

(۴) تاریخ فرشتہ،

(۵) اخبار الاخیار مولٰنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی،

(۶) تذکرۂ بہارستان شاہ نواز خان،

اس کے بعد ان کے حالات لکھے ہیں، اور جو باتین ان مین قابل تنقید تھین، اور اونہی نے عام طور پر شہرت حاصل کر لی تھی، ان کی تنقید کی ہے، اور اس سے حسب ذیل نتائج نکالے ہین،

(۱) ان کا مولد دلی نہیں بلکہ بدایون ہے،

(۲) یہ واقعہ غلط ہے کہ امیر خسرو ایک نان بائی کی دوکان پر حسن کو دیکھ کر فریفتہ ہوگئے،

اسی قسم کی اور بھی بعض تنقیدی باتین ہین، اور اسی کے ساتھ جن بادشاہون اور سلطنتون سے امیر حسن کو تعلق رہا ہے ان کے متعلق بھی دلچسپ اور مفصل معلومات اس سوانح کا جزو ہین، حالات کے بعد امیر حسن کی شاعری پر مفصل ریویو لکھا ہے، پہلے تو وہ رائین نقل کی ہین جو امیر حسن کے کلام کے متعلق ان کے معاصرین و متاخرین نے قائم کی ہین، اور اسی سلسلے مین وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں جو حسن نے اپنے اشعار کے متعلق تعلی و تفاخر کے طور پر کہے ہین، کیونکہ ان سے اپنے کلام کے متعلق خود حسن کی رائے معلوم ہوتی ہے،

اس کے بعد خود اپنی رائے ظاہر کی ہے، اور ان کے کلام کی ۱۴ خصوصیات بتائی ہیں، ان کے منتخب اشعار نقل کئے ہیں، اور سعدی اور امیر خسرو کی ہم طرح غزلون سے ان کا موازنہ کیا ہے، اس طرح ایک علمی چیز علمی قالب مین اہل نظر کے سامنے آگئی ہے، یقین ہے کہ عام طور پر اسکی قدردانی کیجائے گی،

"ع"

مطبوعات جدیدہ

التصریح فی شرح التشریح مع حاشیۃ الجلیلۃ الفخیمۃ، از مولانا محمد عبدالاحد الہ آبادی مرحوم ۲۳ صفحے بڑی تقطیع کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۴ر، پتہ جناب شیخ عبدالحق وکیل عدالت دیوانی، الہ آباد،

کتاب التصریح، علم ہیئت کی مشہور و متداول کتاب ہے، مولانا عبدالاحد صاحب الہ آبادی نے اس پر حواشی لکھے تھے، جو ابھی تک طبع نہین ہوئے تھے، موصوف کے خلف الرشید جناب شیخ عبدالحق صاحب وکیل نے اوسے مدارس کے علما رو طلبہ کیلئے طبع کرایا ہے، متن مین جلی قلم سے التصریح، اور خفی خط مین قدیم عربی کتابون کے طرز پر حواشی ثبت ہین، چونکہ عربی خوان کے درس مین یہ کتاب داخل ہے، اور اون کو محشّی کتابون کی تلاش رہتی ہے، اسلئے امید ہے کہ وہ اس نسخہ کی قدر کرین گے،

رسالۃ المعراج، از مولانا سید اشرف صاحب شمسی، ناشر جناب سید جلال یداللّٰہی تاجر کتب چھتہ بازار حیدرآباد دکن، ۵۲ صفحے، قیمت ۱۲ر

یہ رسالہ معراج نبوی کے تذکرہ مین ہے، معراج کی تفصیل کرکے بتایا ہے، کہ معراج جسمانی بذریعہ براق ہوئی، اور اسی کو مذہب حق لکھا ہے، اور آخر مین محالات عقلی کو رد کیا ہے،

خواجۂ ہندوستان، از جناب سید حامد حسین اثر بی اے، وکیل ۳۲ صفحے، قیمت ۲ر، پتہ:- نعمت اللہ جنرل مرچنٹ، مدار گیٹ، اجمیر،

اس مین حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے سوانح حیات و مناقب، مساعی تبلیغ اسلام نظم مین بیان کیے گئے ہین

نعرۂ اتحاد، اس رسالہ مین جناب میر ولایت علی صاحب نے قرآن مجید کی تعلیمات پیش فرماکر دعوت دی ہی کہ صرف ایمان و عمل صالح پر استوار ہوکر اسلام کے تمام فرقے متحد ہو جائین، رسالہ مؤلف سے محلہ اعظم پورہ حیدر آباد دکے پتہ سے مفت مل سکتا ہی،

مساواتِ اسلامیہ، از جناب شیر محمد صاحب قادری کاکوروی نظیر آباد لکھنؤ، ۲۰ صفحے، قیمت ۲ر

اس رسالہ مین اسلامی مساوات کی تعلیمات پیش کی ہین، اور بتایا ہی کہ اسلام مین نسلی امتیازات کا اعتبار نہین،

القول الجامع فی تحقیق جواز تعدد الجمع والجوامع (عربی) از مولانا عبد الحق صاحب مدنی، مدرس مدرسہ اسلامیہ، مراد آباد، ۶۵ صفحے،

اس رسالہ مین دکھایا گیا ہے، کہ جمعہ کی نماز شہر کی مسجد جامع ہی مین صرف ہونی چاہئے، مسجد کی تنگی یا بُعدِ مسافت کے لحاظ سے ایک سے زیادہ مسجدون مین جمعہ کی نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن محلہ محلہ مسجدون مین جمعہ قائم کرنا جائز نہین، رسالہ پر مولانا حسین احمد صاحب و دیگر علماے دیوبند کی تصدیق و تقریظ درج ہین،

خمخانۂ امید، از جناب سید بشارت علی صاحب بشارت، دہلوی، ۱۴۴ صفحے قیمت ۱؍-۸ ر، پتہ جناب ماسٹر سلامت علی صاحب مضطر، بیت البشارت، قرول باغ، دہلی،

یہ جناب بشارت دہلوی کی قومی نظمون کا مجموعہ ہے، اسمین بعض نظمین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر ہین، اور اکثر نظمون مین نوجوانانِ اسلام کو اصلاحِ حال کی دعوت دی گئی ہے،

ریاض عبقری، از جناب حاجی محمد فاضل صاحب عبقری، بریلوی مرحوم، ناشر منشی محمد کامل صاحب کامل پتہ نظامی پریس، قیمت: ۔عہ، ۲۴۴ صفحے، لکھائی، چھپائی کاغذ عمدہ،

جناب حاجی محمد فاضل صاحب عبقری بریلی مین اردو کے کہنہ مشق قادر الکلام شاعر تھے، اور آج سے ربع صدی پیشتر کے رسائل مین اونکی غزلین اہتمام کے ساتھ چھپتی تھین، موصوف کا کلام ریاض عبقری کے نام سے چھپا ہے، یہ مجموعہ دو حصون پر مشتمل ہے، پہلے حصہ مین غزلیات ہین، اور اس پر جناب آسی چاندپوری کا مقدمہ ہی، دوسرے مین مذہبی، قومی اور سیاسی

دارالمصنفین کی ادبی کتابین

شعر الہند حصہ اوّل، جس مین قدماء کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات وانقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ ومقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۵۴۴ صفحے قیمت للعہ، از مولنا عبدالسلام ندوی۔

حصۂ دوم - جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پرتاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی واکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت:- صہ، از مولنا سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ - مولنا شبلی مرحوم کے دوستون عزیزون، شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ، جس مین مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی تحقیقات ہین، یہ درحقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ ہے طبع دوم،

حصہ اوّل، ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- عہ

حصہ دوم، ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت:- عہ

موازنۂ انیس و دبیر (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میرانیس کی شاعری پر ریویو، اردو مین فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میرانیس کے بہترین مرثیون کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو مین اپنے فن مین یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت:- سے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمین، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے بیس سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ وضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سے، حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس مین ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز مین بیان کی گئی ہے ۔/ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کرین، از مولنا ریاست علی ندوی

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸   نومبر ۹۳۲

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

تصانیف مولنا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم۔ منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۸۰۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ للعہ، للعہ ۔ تقطیع کلان۔

خیام، خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چند عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ ۱۰۰ اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے۔ خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے ضخامت ۴۰۰ صفحات کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ قیمت غیر مجلد سے مجلد للعہ

ارض القرآن حصۂ اول عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اسطرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے طبع دوم ضخامت ۴۲۴ صفحے قیمت عہ

ارض القرآن حصہ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے انمیں سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان، اور مذہب پر تفصیلی مباحث ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ طبع دوم،

عرب و ہند کے تعلقات، عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی

خطبات مدراس پر وہ پانچ خطبے جو مولنا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد میں دیئے تھے خوبصورت اردو ٹائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۰ صفحے

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور انکے مناقب، فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکے احسانات اسلام کے متعلق نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت ۱۔ ہے،

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانحعمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک پر تبصرہ طبع دوم ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۔ عہ

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنت والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیحہ کی تشریح طبع دوم قیمت ۳ حجم ۵۰ صفحے،

لغات جدیدہ عربی زبان کے اندر آج رسائل تصنیفات اور بول چال میں ہزاروں نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہیں جن کے بغیر آجکل کی عربی زبان کا سمجھنا دشوار ہے مصنف نے اس کتاب میں اس قسم کے چار ہزار عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے طبع دوم قیمت عہ ضخامت ۱۶۱ صفحے

دروس الادب ۱ و ۲۔ عربی کی پہلی اور دوسری ریڈرین جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اسطرح لکھا ہے کہ طالبعلم کو ادب اور نحو کیساتھ تعلیم و مشق ہوسکے اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے طبع سوم مع ترمیم قیمت ۳ حصہ دوم زیر طبع سوم قیمت

جلد ۳۴ | ماہ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۴ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

ہندوستان کی ایک مکمل اسلامی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی تحریک معارف کے صفحات مین بار بار پیش کیگئی ہے، آج اسی سلسلہ مین خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی اکونٹنٹ گورنمنٹ آف انڈیا (مصنف تزک عبدالرحمانی وغیرہ) کی ایک تحریر شائع کیجا رہی ہے، موصوف ہماری زبان کے پرانے صاحب قلم ہین، اور اس ضرورت کے احساس کرنے کا موقع بھی ان کو اچھا خاصہ ملا ہے، دوسرے اکابر کی تحریرین بھی اس باب مین وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہتی ہین، اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کام کے ضروری ہونے مین کسی شک وشبہہ کی گنجایش نہین،

سنہ ۱۹۲۸ء کے معارف (بابت ماہ نومبر و دسمبر) مین پروفیسر شیخ عبدالقادر (پونہ) کی تحریر اسی مسئلہ کے متعلق جب شائع ہوئی تھی تو ہم نے اس مجوزہ تاریخ کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کردیا تھا کہ اس کام کو شروع کرنے کے لیے کم از کم پانچہزار روپیے کی ضرورت ہے، ہم کو اس بات کے ظاہر کرنے مین خوشی ہے کہ جناب مولوی محمد حسین خان صاحب نے نہ صرف اس کام کی زبانی تحریک فرمائی ہے، بلکہ وہ اس کام کی مالی امداد مین بھی حصہ لینے کو تیار ہین چنانچہ سردست پانچسو روپیے اس کام کے لئے عنایت فرمائین گے،

تاریخ ہند کے سلسلہ مین ہندوستان کے اسلامی تمدن کی تاریخ کا کام تقریباً دو سال سے یہان جاری ہے اور اسکے لئے تمام ضروری معلومات فراہم کئے جارہے ہین، ہماری مجلس کے صدرنشین نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمان خان شیروانی نے ایک سال تک پچاس روپیے ماہوار کی امداد اسکے لئے منظور فرمائی ہے، ہم اپنے ان دونون قومی محسنون کے شکرگذار ہین، اور اب ہماری نگاہ مین دوسرے دردمند و علم دوست ارباب ہمم کی طرف اٹھی ہوئی ہین، اور اُن کے حوصلہ افزا

جواب کا انتظار ہے،

خیال ہے کہ یہ کتاب چوؔدہ جلدون مین لکھی جائے، پہلی جلد آغازِ اسلام سے غزنوی خاندان کے ظہور تک کے واقعات پر مشتمل ہوگی، مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی جو دس پندرہ برس سے تاریخ ہند کا عموماً اور اس دور اوّل کی تاریخ کا خصوصاً محققانہ مطالعہ کر رہے ہین، اس جلد کی ترتیب و تالیف کا کام انجام دینگے۔

اس سال ابھی تک **دار المصنفین** کی طرف سے کوئی نئی کتاب شائع نہ ہو سکی، انکا رِعصر یہ بالکل چھپکر تیار ہے صرف فہرست و لوح اور بعض ضمیمے باقی ہین، مقالاتِ شبلی کا حصۂ چہارم جس مین مولنا شبلی مرحوم کے قلم سے مطبوعہ اور قلمی کتابون پر تبصرے یکجا کئے گئے ہین، نصف سے زیادہ چھپ گیا ہے، ایک اور کتاب "موجودہ فرمانروایانِ عرب" کی چھپائی بھی ختم کے قریب ہے، اور تاریخ صقلیہ جلد دوم کی کتابت ہو رہی ہے، غالباً یہ آیندہ سال شائع ہو،

آجکل ہندوستان، مصر، عراق اور کابل کے اسلامی اخبارون اور رسالون مین جاپان مین اشاعتِ اسلام کی خبرین بڑے زور شور سے گشت لگا رہی ہین، بدگمانی کا برا ہو، اگر یہ خبرین جاپان کی اس کوشش کا نتیجہ نہین کہ مسلمانون کی ہمدردی حاصل کرکے اسلامی ملکون کے بازار ہاتھ مین لائے جائین، توہم کو ان افواہون سے کم از کم فالِ نیک کی بھنک تو معلوم ہوتی ہے، جاپان مین ہندوستان کے مسلمان تاجرون کا اچھا خاصہ گروہ پہلے سے موجود تھا، پھر بالشویک روس سے بھاگ کر بعض ترکی و تاتاری مسلمان وہان آباد ہوگئے ہین، تازہ واقعہ یہ ہے کہ منچوریا جہان مسلمان رعایا کی خاصی تعداد ہے جاپان کے زیر اقتدار باقاعدہ آگیا ہے اور ادھر جاپانی تاجرون نے اسلامی ملکون کے بازارون کی تلاش مین براہِ راست آمد و رفت شروع کردی ہے، غرض ان گوناگون تعلقات نے جاپان مین اسلام کی اشاعت کے امکان کو بہت کچھ وسعت دیدی ہے،

ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ دوستون مین مولوی محمد شاکر صاحب ندوی (بڑودہ) جاپان مین تجارت کرتے ہین، ۱۹۳۳ء مین اُن سے بڑودہ مین ملاقات ہوئی تھی، وہ کہتے تھے کہ اس راہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ اسلامی فرقون کے مختلف افراد جو وہان جمع ہین وہ باہم مل جل کر کام کرین چنانچہ ایک دو سال انکی کوشش سے یہ ہوا کہ عیدین کی نمازین سب مسلمانون نے ایک جگہ مل کر ادا کین،

ابھی پچھلے ستمبر مین ہم کو جاپان سے ایک مسلمان ہندوستانی فاضل پروفیسر نور الحسن برلاس صاحب کا خط موصول ہوا ہے موصوف جاپان کے پایہ تخت ٹوکیو کے مدرسۂ السنہ خارجہ (اسکول آف فارن لنگویجز) مین تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہین، وہ لکھتے ہین کہ اُنکے مدرسہ کے کتبخانہ مین اردو کی معتدبہ کتابین ہین مولنا شبلی مرحوم کی تمام تصنیفات ہین لیکن ضرورت یہ ہے کہ انگریزی زبان مین اسلامی لٹریچر وہان فراہم کیا جائے، موصوف لکھتے ہین کہ مسلمانون کو موجودہ موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس ملک کو اپنی تبلیغی کوششون کا مرکز بنا لینا چاہئے،

پروفیسر برلاس صاحب تبلیغ اسلام کا ولولہ رکھتے ہین، اور کبھی کبھی اسلامی مسائل پر وہان انگریزی مین تقریرین کیا کرتے ہین، چنانچہ انھون نے اسلام مین عورتون کی حیثیت پر اورنٹیل کلچرسٹ کالج، کاروایزوا (KAYVIZ AWA) مین بتاریخ ۴ اگست ۱۹۳۴ء جو انگریزی تقریر کی تھی، اس کا ایک نسخہ ہمارے پاس بھیجا ہے،

آسٹریا کے نومسلم محمد اسد صاحب جنکی کتاب "اسلام راہ عبور پر" کا تذکرہ پچھلے معارف مین آچکا ہے، اپنے ایک تازہ خط مین یہ خوشخبری سناتے ہین کہ انھون نے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے، بخاری کے تیس پارون کو مع عربی متن تیس جزون مین ماہوار شائع کرینگے، پہلا جزو وہ غالباً آیندہ دسمبر یا جنوری مین شائع کر دینگے، اُن کا خیال ہے کہ مسلمان نوجوانون کے سامنے "سنت محمدی" کی اصلی تصویر پیش کرنی چاہئے، تاکہ ان مین اسکی پیروی کا صحیح جذبہ پیدا ہو سکے، عرفات کلڈ پو، قرولباغ دہلی کے پتہ سے اس کی خریداری کی درخواستین بھیجی جائین،

مقالات

کیا علم حدیث پر سلطنت کا اثر پڑا ہی؟

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

مستشرقین یورپ اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے ہر تنکے کا سہارا ڈھونڈتے ہین، اس لئے صرف اتنے تعلق سے کہ علم حدیث کی تدوین واشاعت خلفائے بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ کے زمانے مین ہوئی، اور بعض ائمہ حدیث مثلاً مثلاً امام زہری خلفاے بنو امیہ کے ہان آمد و رفت رکھتے تھے، اور ہشام بن عبد الملک کے بچون کے معلم و مودب تھے، اور خلفاے عباسیہ امام مالک کے قدر دان تھے، اونھون نے فن حدیث کی بے اعتباری ظاہر کرنے کیلئے یہ خیال قائم کرلیا ہے، کہ روایت حدیث پر ان خلفار کا سیاسی اثر پڑا ہے، اور ان کے ملکی مقاصد کے کامیاب بنانے کے لئے بہت سی حدیثون کی روایت کی گئی ہو، اور ان کو سیاسی قالب مین ڈھالا گیا ہو،

لیکن اگر یہ بدگمانی صحیح ہے، تو ہم کو احادیث کے تمام دفتر کا جائزہ لینا چاہئے، کہ حدیثون سے ان خلفار کے سیاسی مقاصد کی تائید ہو سکتی ہے، یا نہین، ؟ سیاسی حیثیت سے خلفاے بنو امیہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، اور خلفاے عباسیہ کو حضرت امیر معاویہ سے بغض و عناد تھا، اسلئے اگر محدثین نے، روایت حدیث مین ان کے سیاسی اغراض کا لحاظ رکھا ہوتا تو حدیث کی کتابین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ کے مناقب و مثالب سے مملو نظر آتین اور خلفاے بنو امیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مثالب اور حضرت امیر معاویہ کے مناقب مین محدثین سے بکثرت روایتیں کرواتے، اسیطرح خلفاے عباسیہ امیر معاویہ کے مثالب اور حضرت عباسؓ کے مناقب مین حدیثوں کا انبار لگوا دیتے، لیکن

کیا حدیثوں کے تمام ذخیرے مین اس قسم کی روایتین موجود ہین، ؟ اگر شاذ و نادر کہین ایسا ہے بھی تو محدثین نے اون کو موضوعات مین داخل کرکے پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا ہو،

اسی طرح سادات، فاطمیین، اور علویین بھی خلافت کے دعویدار تھے، اس لئے اگر محدثین نے سیاسی اغراض کی تکمیل کو اپنا شعار بنایا ہوتا، تو ان کے استحقاق و مناقب مین بھی احادیث کا کافی ذخیرہ نظر آتا، لیکن کیا اس قسم کی حدیثین حدیث کی کتابون مین نظر آتی ہین، ؟ بلکہ اس کے برعکس خود حدیث کی کتابون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کبھی خلفاء نے در پردہ اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا ہو، تو خود ائمۂ حدیث نے نہایت دلیری سے اون کی تردید کر دی ہو، اس سلسلہ مین ہم کو سب سے پہلے امام زہری کا نام نظر آتا ہے جنھون نے دربار بنو امیہ مین اس جرأت و آزادی سے کام لیا ہو، چنانچہ صحیح بخاری مین خود امام زہری سے روایت ہے، کہ مجھ سے ولید بن عبد الملک نے کہا، "کیا تم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ جن لوگون نے حضرت عائشہ پر تہام لگایا، اون مین علی بھی داخل تھے؟ مین نے کہا نہین" البتہ تمھاری قوم کے دو آدمی یعنی ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن حارث نے مجھ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اون سے کہا کہ علی اس الزام سے بری تھے، (مسلّما فی شانھا) خلفاے بنو امیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سب سے بڑے مخالف تھے، اور وہ چاہتے تھے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی واقعۂ افک مین شریک کیا جائے، تاکہ نعوذ باللہ وہ قرآن پاک کے عتاب کے مورد قرار پائین، اس بنا پر اگر امام زہری کچھ بھی مداہنت سے کام لیتے، تو نہایت آسانی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر یہ الزام قائم کر سکتے تھے لیکن اونھون نے ولید کے اس خیال کی صاف تردید کی،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین حدیث کی دوسری کتابون سے اس سے بھی زیادہ صاف اور مصرح روایتین نقل کی ہین، حلیۃ الاولیاء ابو نعیم مین زہری کے حال مین ہے، کہ امام زہری کہتے ہین کہ "مین ولید بن عبد الملک کے پاس تھا، اوس نے یہ آیت پڑھی، :-

وَالَّذِی تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ جس نے ان مین سے اس الزام مین بڑا حصہ لیا اسکے لئے بڑا عذاب ہو،

اور کہا کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان مین نازل ہوئی ہو، مین نے کہا کہ "خدا امیر کی اصلاح کرے، واقعہ یہ نہین ہی مجھ سے عروہ نے خود حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے" اوس نے کہا کیا روایت کی ہو؟ مین نے کہا کہ "مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت کی ہے، کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی شان مین نازل ہوئی ہی"

دوسری روایت مین امام زہری کہتے ہین، کہ مین ایک رات ولید بن عبد الملک کے پاس تھا، اور وہ چت لیٹا ہوا سورۂ نور کی تلاوت کر رہا تھا، جب یہ آیت پڑھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ جن لوگون نے (حضرت عائشہؓ) پر تہمت لگائی وہ تم مین سے ایک گروہ تھا،

یہان تک کہ جب "وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ" تک پہنچا تو اوٹھ بیٹھا، اور کہا کہ "اے ابو بکر کیا یہ علی بن ابی طالب نہین ہین، مین نے دل مین سوچا کہ اب کیا کہون، اگر کہتا ہون کہ نہین تو ڈر ہے کہ وہ میرے ساتھ بُرائی سے پیش آئے اور اگر کہتا ہون کہ ہان تو یہ ایک بہت بڑی بات ہی مین نے کہا کہ خدا نے مجھ کو سچائی پر بھلائی کا خوگر کیا ہے، مین نے کہا کہ "نہین" ولید نے اپنی چھڑی کو تخت پر مار کر کہا تو پھر کون؟ پھر کون؟ اور اوس کو بار بار دہراتا رہا، مین نے کہا کہ "عبد اللہ بن ابی"

صرف اسی قدر نہین بلکہ بعض ناصبیون کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ بنو امیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف ہین، اس لئے اس جھوٹ کے ذریعہ سے ان کے مقرب بارگاہ بننا چاہتے تھے لیکن امام زہری نے ولید پر ظاہر کر دیا، کہ حق اس کے خلاف ہی،

ایک روایت مین ہے کہ ہشام بن عبد الملک کا بھی یہی خیال تھا چنانچہ ایک بار سلیمان بن یسار اوسکے پاس آئے تو اوس نے کہا کہ "اے سلیمان

اَلَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ جس نے اس الزام کا بڑا حصہ لادکیا،

کون ہے، ؟ اونھون نے کہا کہ "عبد اللہ بن ابی" بولا جھوٹ کہتے ہو، وہ علی ہین" اونھون نے کہا کہ امیر المومنین

جو کچھ کہتے ہیں وہی اس کو خوب جانتے ہیں، پھر زہری آئے، تو اُن سے بھی یہی سوال کیا، اور اونھوں نے بھی وہی جواب دیا، جو سلیمان بن یسار نے دیا تھا، اوس نے کہا کہ "تم جھوٹ کہتے ہو، وہ علی ہیں" اونھوں نے کہا کہ "میں جھوٹ کہوں گا؟ تمھارے باپ نہ ہو، اگر آسمان سے ایک منادی پکارے، کہ خدا نے جھوٹ کو حلال کر دیا ہے، تب بھی میں جھوٹ نہ بولوں گا، مجھ سے عروہ، سعید، عبید اللہ اور علقمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ عبد اللہ بن ابی تھا، اس واقعہ کے اخیر میں ہے کہ ہشام نے کہا کہ "ہم نے اس بڈھے کو غصہ دلا دیا"[۱]

اب غور کرو کہ تاریخ اسلام میں واقعہ افک سے بڑا کوئی واقعہ نہیں، خلفائے بنو امیہ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شامل کرنا اور اوس کے متعلق محدثین کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اگر اس قسم کی حدیثوں کے ذریعہ سے امام زہری بھی اون کے تقرب کے خواستگار ہوتے، تو وہ نہایت آسانی سے اون کی تائید کر سکتے تھے، لیکن اونھوں نے خلفائے بنو امیہ کے غیظ و غضب کی کچھ پروا نہ کی، اور حق کو ظاہر کر دیا، بلکہ ہشام کے سامنے اس سختی کے ساتھ تردید کی کہ وہ کہہ اوٹھا کہ "ہم نے اس بڈھے کو غصہ دلا دیا" کیا ایسے بزرگ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اوس نے تقرب حاصل کرنے کیلئے خلفائے بنو امیہ کے سیاسی مقاصد اور ذاتی عقائد کی تائید موضوع یا ضعیف حدیثوں سے کی ہوگی؟

اگر روایت حدیث سے اون کا یہ مقصد ہوتا کہ بنو امیہ کا تقرب اور اون کی خوشنودی حاصل کریں، تو اُن کے مخالفین یعنی اہل بیت سے ہرگز روایت نہ کرتے، حالانکہ سلسلۂ اسناد میں نسائی کے نزدیک جو چار سلسلے سب سے بہترین ہیں اون میں ایک سلسلہ یہ ہے، الزہری عن علی بن الحسین عن ابیہ عن جدہ[۲]، اور اس پورے سلسلے میں اہل بیت کے سوا اور کسی دوسرے راوی کا نام نظر نہیں آتا،

اس سے بھی زیادہ صاف واقعہ حضرت اعمش کوفی کا ہے، جو حجاز میں امام زہری کے ہمسر تسلیم کئے جاتے تھے، ایک بار ہشام بن عبد الملک نے ان کے پاس خط بھیجا کہ حضرت عثمان رضؓ کے مناقب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ

---

[۱] فتح الباری جلد ۷، ص ۳۳۶، ۳۲۷ [۲] تہذیب التہذیب ترجمہ زہری۔

کے معائب لکھدین، اونھون نے خط کو بکری کے منہ مین ڈالدیا، اور وہ اوسکو چبا گئی، تو قاصد سے کہا کہ جا کر کہدو کہ یہی تمھارا جواب ہے" قاصد نے کہا کہ اوس نے قسم کھائی ہے، کہ اگر مین جواب نہ لایا، تو وہ مجھے قتل کردیگا اسلئے بہزار اصرار انھون نے یہ جواب لکھا کہ "اے امیر المومنین اگر حضرت عثمان رضؓ مین تمام دنیا کی خوبیان ہون تو وہ تیرے لئے مفید نہین، اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ مین تمام دنیا کی برائیان ہون تو وہ تیرے لئے مضر نہین، صرف اپنی ہی ذات کا خیال رکھ"[1] لیکن اگر وہ موضوع یا ضعیف حدیثون سے اوسکی فرمایش کی تعمیل کرنا چاہتے، تو کیا اون کو اس کا سرمایہ نہ مل سکتا،

امرائے بنوامیہ مین حجاج کی سفاکی مشہور ہے، ایک بار اوس کے سامنے حضرت حسین علیہ السلام کا ذکر آیا، تو اوس نے کہا کہ "وہ رسول اللہ صلعم کی ذریات مین داخل نہ تھے" اس موقع پر یحییٰ بن لیعمر بھی موجود تھے اونھون نے کہا کہ "اے امیر تو جھوٹ کہتا ہے" حجاج نے کہا کہ "اس پر قرآن سے دلیل لاؤ ورنہ مین تمکو قتل کرونگا" انھون نے یہ آیت پڑھکر

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ وَ	انھی کی نسل مین سے داؤد اور سلیمان اور ایوب
اَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ	اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (سب) کو ہم نے
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَزَكَرِيَّا	نے راہ راست دکھائی،) اور خلوص دل سے
وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ.	نیک کام کرنے والون کو ہم ایسے ہی صلے عطا
(انعام - ۰)	فرمایا کرتے ہین، اور (اعلیٰ ہذا القیاس) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس

کہا کہ ارشاد الٰہی کے بموجب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے ذریعہ آدم کی نسل مین داخل ہین، اسی طرح حضرت حسین علیہ السلام بھی ماں کے توسط سے رسول اللہ صلعم کی ذریات مین داخل تھے، حجاج نے کہا کہ "سچ کہتے ہو، لیکن میری مجلس مین تم نے مجھکو کیون جھٹلایا"، بولے اس خداوندی معاہدے کی وجہ سے،

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۱۳-۲۱۴

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔

(آل عمران - ۱۹)

اور (اے پیغمبر اہل کتاب کو وہ وقت کیون نہین یاد دلاتے) جب خدا نے اہل کتاب سے قول قرار لیا کہ (یہ کتاب جو تمکو دی گئی ہے) لوگون سے اوس کا مطلب صاف صاف بیان کر دینا، اور اس کی (کسی بات) کو چھپانا مت، مگر اونھون نے (اس قول کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور) اسکو اپنے پس پشت پھینک دیا، اور اس کے عوض مین تھوڑے سے دام (یعنی دنیاوی فائدے) حاصل کئے

اس دلیری اور حق گوئی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس نے ان کو خراسان کی طرف جلا وطن کر دیا[۱]، کیا اسی قسم کے راست باز اور حقگو لوگ، خلفا، و امرا کیلئے حدیثین بنایا کرتے تھے، ؟

خلفائے بنو امیہ کی طرح امرائے عباسیہ بھی محدثین سے اپنی بعض سیاسی کارروائیون کی تائید کرانا چاہتے تھے، اور اس غرض سے اون کی رائے معلوم کرتے تھے، لیکن اس موقع پر بھی محدثین نے اپنی جان پر کھیل کر حق کا اظہار کیا، اور کسی قسم کی مداہنت سے کام نہین لیا، چنانچہ امام اوزاعی جو شام کے امام تھے، خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہین، کہ جب سفاح کا چچا عبد اللہ بن علی شام مین آیا، تو بنو امیہ کو خاک و خون مین ملا کر تخت پر بیٹھا، اور ایک دربار کیا، جسمین انتہائی جاہ و جلال کا اظہار کیا گیا تھا، اس دربار مین مجھکو بلایا، اور جب مین دروازے پر پہنچا، تو مجھکو سواری سے اوتار لیا گیا، اور دو آدمیون نے میرے بازو پکڑ کر ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا، جہان سے وہ میرے کلام کو سُن سکے، اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا کہ عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی تمھارا ہی نام ہے، ؟ مین نے کہا ہان خدا امیر کی اصلاح کرے،، اوس نے کہا کہ "بنو امیہ کی خونریزی کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے"، ؟ مین نے کہا کہ "تمھارے اور اون کے درمیان چونکہ معاہدہ تھا، اسلئے تمھارے لئے زیبا تھا، کہ اوس کو پورا کرتے"، اوس نے کہا

[۱] سُنن کبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۶۶،

"تم کو اور اون کو چھوڑ دو، ہمارے اور اون کے درمیان کوئی معاہدہ نہ تھا" اس وقت میرا دل مضطرب ہوگیا، اور مین نے جان دینا پسند نہین کیا لیکن قیامت کے دن خدا کے خوف سے یہ خوف جاتا رہا، اسلئے مین نے صاف صاف کہدیا، کہ اون کا خون تمپر حرام تھا، وہ اس پر اسقدر برہم ہوا کہ آنکھین نکل آئین، اور گردن کی رگین پھول گئین، اور کہا کہ "خدا تمپر رحم کرے تم نے ایسا کیونکر کہا" مین نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہی کہ کسی مسلمان کا خون اسوقت تک جائز نہین جب تک تین حالتون مین سے ایک حالت نہ پیش آئے، یا تو وہ اس حالت مین زنا کرے کہ اوسکی شادی ہوچکی ہو، یا قاتل ہو، یا مرتد ہوجائے، اوس نے کہا "کیا ہماری حکومت دینی نہین"؟ مین نے کہا کیونکر بولا "کیا رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے وصیت نہین کی تھی"؟ مین نے کہا کہ "اگر وصیت کی ہوتی، تو دونون حکم فیصلہ نہ کرتے" اس پر وہ چپ تو ہوگیا، لیکن غصے مین بھرا ہوا تھا، اب مجھے یقین ہوگیا کہ میرا سر میرے قدمون پر گرا چاہتا ہے، لیکن اوس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو نکال دو، مین وہان سے نکل کر تھوڑی دور آیا، تو میرے پاس ایک سوار آیا، مین نے خیال کیا کہ وہ میرا سر کاٹنے کیلئے آیا ہی اسلئے مین سواری سے اوترا کہ دو رکعت نماز پڑھلون، اوس نے سلام کیا اور کہا کہ امیر نے تمھارے پاس اسقدر دینار بھیجے ہین، لیکن گھر پہنچنے سے پہلے ہی انکو مستحقین پر تقسیم کردیا،[1] کیا جنلوگون نے ایسے خطرناک موقع پر استقامت سے کام لیا، وہ خلفا کی خواہش کے مطابق حدیثین وضع کرسکتے تھے،؟

امام مالک اگر خلفائے عباسیہ کی خواہش کے مطابق مسائل کی تشریح و تاویل کرتے، تو طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتوی نہ دیتے، جس سے منصور کی جبری بیعت ناجائز ثابت ہوتی تھی، منصور نے ان سے اس قسم کی خواہش بھی کی لیکن وہ اس سے باز نہ آئے، اور اس پر اون کو تعزیر دیگئی، تو کیا جو شخص اظہار حق کیلئے اس قسم کی تکلیف برداشت کرسکتا ہے، اوس نے خلفا کی خواہش کے مطابق مسائل کی توضیح و تشریح کی ہوگی،

خود ان خلفا اور سلاطین نے اگر کچھ چاہا بھی تو یہی کہ اون کے خاندان کی حکومت کا حق مرجح سمجھا جائے، یا انکی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶۳،۱۶۲

مظالم پر پردہ پڑجائے، حاشا وکلا خود ا ونھون نے بھی اسکی ہمت نہ کی، اور نہ کر سکتے تھے، کہ سیرۃ نبوی کے واقعات یا احکام اسلامی مین ان کے لئے تغیر وتبدل کر دیا جائے،

لیکن اگر فقہار و محدثین پر خلفار کا کچھ بھی مذہبی و سیاسی اثر ہوتا، تو کم از کم اپنے زمانے کی ان شورشون اور تحریکون مین نہ شریک ہوتے، جو سادات کرام اور دوسرے حضرات نے اون کے ساتھ کین، لیکن متعدد خلفاء ومحدثین نے خود خلفار کے مقابل مین اون لوگون کا ساتھ دیا اور اس جرم مین سخت سزائین برداشت کین، چنانچہ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث بن قیس نے جب عبدالملک بن مروان کے خلاف بغاوت کی، تو حضرت سعید بن جبیر نے جو اس زمانہ کے مشہور تابعی اور محدث تھے، اون کا ساتھ دیا، اور اس جرم مین اس آزادی کے ساتھ جان دی کہ اونکے قتل کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک مشہور اور مؤثر واقعہ بن گیا،

۱۴۵ھ مین سادات مین سے محمد نفس ذکیہ نے مدینہ منورہ مین منصور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، تو بڑے بڑے پیشوایان مذہبی یہان تک کہ امام مالک نے اون کی تائید کی، اور فتوی دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی، خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے، اون کے قتل کے بعد اون کے بھائی ابراہیم نے علم بلند کیا تو علماء وفقہا نے عموماً اون کا ساتھ دیا، امام ابوحنیفہ علانیہ اون کے طرفدار تھے، اور شرکت جنگ کے سوا ہر طریقے سے اون کی مدد کی، اور اسی سلسلے مین قید کی سزا برداشت کی،

بعض کم درجہ کے لوگون نے دنیوی اغراض سے خلفا، کی خوشنودی کے لئے بے شبہہ دو ایک حدیثین بنائین، لیکن اسی وقت ان کی تردید کر دی گئی، بلکہ خود خلفائے ان کی تکذیب کی اور ایسے لوگ ہمیشہ کیلئے بے اعتبار اور متروک الحدیث قرار دئے گئے،

مثلاً ہارون رشید جب مدینہ مین آیا تو یہ ہمت نہین پڑی کہ قبا و کمر بند پہنکر رسول اللہ صلعم کے منبر پر چڑھجائے اس پر ابو البختری نے جو اس عہد مین قاضی تھا حضرت جعفر بن محمد صادق کی سند سے یہ روایت کی کہ حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین قبا و کمر بند اور خنجر لگائے ہوئے آئے، ایک شاعر نے جس کا نام معافی تیمی تھا، چند

اشعار مین اس روایت کی تکذیب کی، اور یحییٰ بن معین نے جبکہ وہ اس سند سے اپنے حلقۂ درس مین اس حدیث کی روایت کر رہا تھا، علی الاعلان کہا کہ "اے خدا کے دشمن تو رسول اللہ کی طرف بالکل جھوٹ اس حدیث کو منسوب کرتا ہے"، اس پر پولیس نے اون کو پکڑا، تو اونھون نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ "خدا کے رسول یعنی جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلعم کی خدمت مین قبا پہنے ہوے حاضر ہوئے" اون لوگون نے کہا، کہ "یہ جھوٹا قاضی ہے" اور اون کو چھوڑ دیا۔[۵۱]

ہارون رشید کو کبوتر بازی کا بڑا شوق تھا کسی نے اوسکی خدمت مین کچھ کبوتر ہدیۃً بھیجے، اس موقع پر ابو البختری بھی موجود تھا، اوس نے حضرت ابوہریرہ رض کی سند سے یہ روایت کی،

لا سبق الا فی خف او حافر او جناح	اونٹون، گھوڑون، اور چڑیون کے اوڑانے کیلئے بازی لگانا ناجائز نہین،

اصل روایت مین جناح کا لفظ نہین ہے لیکن اوس نے ہارون رشید کی خوشنودی کیلئے اس لفظ کو بڑھا دیا، اور ہارون رشید نے اس پر اوس کو ایک بڑا صلہ بھی دیا لیکن جب وہ چلا گیا، تو اوس نے خود کہا، کہ "خدا کی قسم مجھکو معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلعم پر جھوٹ بولا گیا ہے"، اور کبوترون کو ذبح کر دیا، اس پر لوگون نے کہا کہ "کبوترون کا کیا گناہ تھا"؟ بولا کہ "انھی کی وجہ سے رسول اللہ صلعم پر جھوٹ بولا گیا ہی"[۵۲] اب علما نے ابو البختری کی اس موضوع حدیث اور دوسری موضوع حدیثون کی بنا پر اوسکو بے اعتبار اور متروک الحدیث قرار دیا،

ایک روایت مین ہے کہ خلیفہ مہدی کبوتر اوڑا رہا تھا، اور اس موقع پر غیاث بن میمون نے اس حدیث کی روایت کی[۵۳]، لیکن امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ "آپ کے علم مین اور بھی کسی نے اس حدیث کی روایت کی ہے"؟ بولے "صرف اس جھوٹے ابو البختری نے اوسکو روایت کیا ہی"۔[۵۴]

اسی بنا پر محدثین نے تقرب سلطانی کو ہمیشہ ناپسند کیا اور اوسکو وضع حدیث کا ایک سبب قرار دیا،

---

[۵۱] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۸۲، [۵۲] المحطہ صفحہ ۵۱، [۵۳] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۸۲،
[۵۴] تذکرۃ الموضوعات، ص ۷،

اصل یہ ہے کہ خلفار وسلاطین کی خوشنودی مزاج کیلئے اگر حدیثین وضع کی جائین، تو اون کا مقصد حب جاہ وحب مال کے سوا اور کچھ نہین ہوسکتا تھا، اور محدثین چونکہ نہایت فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اسلئے اگر وہ اس قسم کی مداہنت سے مالی فائدہ اوٹھانا چاہتے، تو نہایت آسانی سے اوٹھا سکتے تھے، لیکن محدثین کے استغنا وقناعت نے کبھی اون کو خلفار وسلاطین کے سامنے دامن پھیلانے نہین دیا بلکہ خود خلفار وامرار نے اون کے سامنے عطیے پیش کئے، لیکن اونھون نے اون کے قبول کرنے سے انکار کر دیا،

چنانچہ ایک بار سفاح نے امام مالک کے استاد ربیعۃ الرائے کو کچھ مال دینا چاہا، لیکن اونھون نے اوسکے قبول کرنے سے انکار کر دیا[۱]،

جعفر بن یحییٰ برمکی کی فیاضیون نے تمام دنیا کو اپنا غلام بنا لیا تھا، لیکن صرف محدثین نے اوسکی فیاضی سے فائدہ اوٹھانا پسند نہین کیا، چنانچہ ایک بار اوس نے عیسیٰ بن یونس کو ایک لاکھ درہم دینا چاہے لیکن اونھون نے یہ کہکر واپس کر دیا کہ کہین اہل علم یہ نہ کہین کہ مین نے حدیث کی قیمت لی، مامون نے بھی اون کو دو ہزار کی رقم دینا چاہی لیکن اونھون نے انکار کر دیا[۲]،

ایک بار خلیفہ مکتفی باللہ نے امام محمد بن جریر طبری سے ایک کتاب لکھوائی، اور اس پر انکو صلہ دلوانا چاہا لیکن اونھون نے اوس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس پر لوگون نے کہا کہ ضروریات کیلئے کچھ تو چاہیے بولے مین امیرالمومنین سے درخواست کرون گا، کہ جمعہ کے دن سوال کرنے کی ممانعت کر دین" اسی طرح اون سے ایک وزیر نے بھی فقہ مین ایک کتاب لکھوائی، اور اوس کے صلہ مین ایک ہزار دینار دئے، لیکن انھون نے اون کو واپس کر دیا[۳]،

ایک بار ابوسعید بغدادی نے ابوالفتح محمد بن علی البطیری سے دس دینار قرض لئے اتفاق سے وہ سلطان مسعود بن محمد کے پاس گئے، اور اس کا ذکر کیا، اوس نے اون کے ذریعہ سے پانچسو دینار ان کی خدمت

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۲، [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶، [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۷۸،

مین بھیجے، وہ نہایت مسرت کے ساتھ اون کے پاس لائے لیکن اونھون نے اون کے لینے سے انکار کر دیا،[1]

ایک بار امیر مصر نے طاؤس بن کیسان کی خدمت مین پانچسو دینار بھیجے لیکن اونھون نے قبول نہین کیا،[2]

ایک بار خلیفہ معتضد نے حافظ حربی کی خدمت مین دس ہزار کی رقم بھیجی، اونھون نے واپس کر دی، پھر بھیجی، پھر واپس کر دی،[3]

حضرت ابوہریرہؓ کے داماد حضرت سعید بن مسیب دور بنوامیہ کے سب سے بڑے محدث ہین، وہ بادشاہون کے عطیے کو قبول نہین کرتے تھے، بلکہ اون کے پاس صرف چار سو دینار تھے جن سے تجارت کرتے تھے، ایک بار بنوامیہ کی طرف سے ان کی خدمت مین، ۳۰ ہزار درہم پیش کئے گئے، لیکن اونھون نے کہا کہ مجھکو بنوامیہ کی ضرورت ہے، نہ مال وزر کی، مین خدا کے سامنے جاؤن گا، تو وہ میرا اور اون کا انصاف کرے گا،[4]

اس بے نیازی نے اون کو اس قدر دلیر بنا دیا تھا کہ ایک بار بنوامیہ کا قاصد جا رہا تھا، اونھون نے اوس سے پوچھا کہ "تم بنو مروان کے قاصد ہو"؟ اوس نے کہا "ہان" بولے "اون کو کس حال مین چھوڑا ہے" اوس نے کہا "اچھی حالت مین" بولے تم نے ان کو اس حالت مین چھوڑا ہے، کہ وہ آدمیون کو بھوکا رکھتے ہین، اور کتون کا پیٹ بھرتے ہین، مطلب بن سائب جو اس واقعہ کے راوی ہین، وہ اس موقع پر موجود تھے، اس واقعہ کو سُن کر قاصد ناراض ہوا، تو اونھون نے اوسکو منایا، جب وہ چلا گیا، تو حضرت سعید بن مسیب کہا "خدا آپ کی مغفرت کرے اپنی جان دینا چاہتے ہین" بگڑ کر بولے، چپ رہو خدا کی قسم جب تک مین خدا کے حقوق ادا کرتا ہونگا، وہ میرا ساتھ نہ چھوڑے گا،[5] کیا اس قسم کے بے نیاز و بے باک لوگون سے یہ توقع کی جا سکتی ہے، کہ انھون نے بنوامیہ کے تقرب یا خوف سے اون کے سیاسی مقاصد کی تائید احادیث سے کی ہوگی،

امام ابوحنیفہ بھی تجارت پر زندگی بسر کرتے تھے، اور سلاطین کے عطیے نہین قبول کرتے تھے،[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۱، [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۸، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی ص ۱۶۲، [4] ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۰۰، [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۷، ۴۸، [6] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۱،

اسلام مین معن بن زائدہ ایک مشہور فیاض گذرا ہے حضرت سفیان بن عیینہ اوس کے پاس آئے اور اوسکو نصیحت کی، اور یہ نصیحت صرف اون کی بے نیازی کا نتیجہ تھی، کیونکہ

لم یکن سفیان تلطخ بعد　　اب تک سفیان نے اون کے عطیون سے اپنے

بجوائزھم[۱]　　آپ کو آلودہ نہین کیا تھا،

حافظ تیمی اگرچہ نہایت تنگدست تھے، لیکن سلاطین کے دربار مین نہین جاتے تھے، جسکی وجہ یہ تھی کہ اونھون نے حرص وطمع سے اپنے دل کو خالی کر دیا تھا، اگر کوئی شخص اون کو کل دنیا دیدیتا تب بھی اون کے نزدیک اوسکی کچھ قیمت نہ ہوتی،[۲]

محدث ابو العلار ہمدانی نہ ظالمون کا مال لینا پسند کرتے تھے، نہ اون کے مدرسے یا خانقاہ مین درس دیتے تھے بلکہ اپنے گھر مین پڑھاتے تھے، سلاطین کے دربار مین جانے سے اجتناب کرتے تھے، اور اظہار حق مین نہایت بے باک تھے،[۳]

حضرت سالم بن عبد اللہ ثقات تابعین مین تھے، ایک بار سلیمان بن عبد الملک نے اون کو خانۂ کعبہ مین دیکھا اور کہا کہ "مجھ سے اپنی ضروریات طلب کیجئے"، بولے "خدا کے گھر مین خدا کے سوا کسی اور سے نہین مانگتا"[۴]

حضرت عمر بن عبد العزیز اون خلفاء مین تھے جن کے دربار مین جانا علماء و محدثین کے نزدیک ناجائز نہ تھا، علم حدیث کی تدوین بھی اونہی کے حکم سے ہوئی، اور اونھون نے علم حدیث کے طلبہ کیلئے وظائف بھی مقرر کئے تھے، تاکہ وہ علم حدیث کے درس و تدریس مین فراغت واطمینان کے ساتھ مشغول رہ سکین، محدثین اونکے عطیہ کے قبول کرنے سے انکار بھی نہ تھا، لیکن وہ اسکو روایت حدیث کی قیمت نہین سمجھتے تھے، اور نہ روایت حدیث پر اس کا کوئی اثر پڑنے دیتے تھے، چنانچہ ایک بار قاسم بن مخیمرہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت مین حاضر ہوئے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۹ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۴۷، [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۲۰، [۴] ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۹۸،

اون پر ستر دینار کا قرض تھا انھون نے اون کی جانب سے ادا کر دیا، سواری کیلئے ایک خچر دیا، اور ۵۰ (دینار یا درہم) وظیفہ مقرر کر دیا، اونھون نے کہا کہ آپنے مجھکو تجارت سے بے نیاز کر دیا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز نے اون سے ایک حدیث پوچھی، تو بولے کہ "اے امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے" راوی کا بیان ہو کہ انھون نے اس طریقہ سے حدیث کا روایت کرنا پسند نہین کیا[۱]،

ایک بار امیر طاہر نے محمد بن رافع کی خدمت مین پانچ ہزار کی رقم بھیجی، لیکن اونھون نے واپس کر دی[۲]،

محدثین کے اس تورع و بے نیازی نے

۱۔ علم حدیث کو کسی قسم کے دنیوی اثر سے متاثر نہ ہونے دیا، حافظ ابراہیم بن طہمان کو بیت المال سے ماہوار وظیفہ ملتا تھا، ایک بار ان سے خلیفہ (غالباً مہدی) کی مجلس مین کوئی مسئلہ پوچھا گیا، اونھون نے کہا کہ "مین نہین جانتا" لوگون نے کہا کہ "آپ ہر مہینہ مین اسقدر وظیفہ لیتے ہین، اور ایسے مسئلہ کا بھی صحیح جواب نہین دے سکتے" بولے "مین وظیفہ صرف اس غرض سے لیتا ہون کہ صحیح مسئلہ بتا سکون، اگر غیر صحیح مسئلہ پر وظیفہ لیتا تو ابتک بیت المال کا کل سرمایہ فنا ہو چکا ہوتا[۳]"،

ایک بار قاضی معاذ بن معاذ نے حافظ عفان بن مسلم کو دس ہزار اشرفیان اس غرض سے دینا چاہین کہ وہ ایک شخص پر جرح و تعدیل نہ کرین، اونھون نے یہ کہکر اون کے لینے سے انکار کر دیا کہ مین کسی حق کو باطل نہین کر سکتا[۴]،

یہی وجہ ہے کہ محدثین امراء و سلاطین کے سامنے حدیث بیان کرنا پسند نہین کرتے تھے،

ایک بار دلف بن الامیر ابی دلف خدم و حشم کے ساتھ قبیصہ بن عقبہ کے یہان آیا، اور دروازہ پر ٹھہر گیا، انھون نے گھر سے نکلنے مین دیر کی تو ان خدام نے کہا کہ ملک الجبل کا بیٹا دروازہ پر کھڑا ہے، اور آپ نہین نکلتے، اونھون

---

[۱] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۹، [۲] تذکرة الحفاظ جلد ۲ ص ۹۳، [۳] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۲ [۴] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۳۴۴

نے اس دنیوی اثر کو قبول نہیں کیا، اور تہبند کے ایک کونے مین روٹی کا ایک ٹکڑا لیکر نکلے اور کہا کہ "جو شخص اس پر قانع ہے، اوسکو ملک الجبل کے بیٹے سے کیا غرض؟ خدا کی قسم مین اوس کے سامنے حدیث نہ بیان کرون گا[۱]"

ایک بار ایک ہاشمی ابن مبارک کے پاس حدیث سُننے کیلئے آیا، اونھون نے انکار کیا، وہ واپس چلا تو اُٹھے اور رکاب تھام کر اوسکو سوار کرایا، ہاشمی نے کہا کہ "آپ میرے سامنے حدیث بیان کرنا تو پسند نہین کرتے، اور میرا رکاب تھامتے ہین"، بولے "مین آپ کے سامنے خود تو ذلیل ہوسکتا ہون، لیکن آپ کیلئے حدیث کو ذلیل نہین کرسکتا[۲]"

اگر محدثین خلفا، وسلاطین کے دربار مین کوئی حدیث بیان بھی کرتے تو خوشنودی کے بجائے اوس سے درپردہ خود اُنکی اصلاح وموعظت مقصود ہوتی، ایک بار ابوجعفر منصور نے عبد اللہ بن طاؤس اور امام مالک کو بلایا، جب دونون بزرگ دربار مین پہنچے تو اوس نے طاؤس سے کہا کہ "اپنے والد سے کوئی حدیث روایت کرو"، اون کو خلیفہ کی بے اعتدالیون پر تنبیہ کا موقع ملا، اور یہ حدیث انتخاب کرکے سنائی،

حدثنا ان اشد الناس عذابا	میرے باپ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہو
یوم القیامة رجل اشرکه الله	کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب
تعالی فی سلطانه فادخل	اوس شخص پر ہوگا، جسکو خدا نے اپنی حکومت مین
علیه الجور	شریک کیا، پھر اوس نے ظالمانہ حکومت کی،

امام مالک اس مقصد کو سمجھ گئے، اور اون کو طاؤس کے قتل کا پورا یقین ہوگیا، یہانتک کہ اونھون نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ مبادا اون کے خون کی چھینٹین اون کے کپڑون پر نہ پڑجائین، پھر منصور نے طاؤس سے تین بار کہا کہ "مجھکو یہ دوات دیدو"، لیکن اونھون نے اس حکم کی تعمیل نہین کی، منصور نے وجہ پوچھی تو بولے

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۴۲، [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۵۲،

مجھے ڈر ہے، کہ تم کوئی گناہ کی بات نہ لکھو، اور مین اوسمین شریک ہوجاؤن" منصور نے یہ سنکر کہا کہ "میرے پاس سے دونون اوٹھ جاؤ" طاؤس نے کہا کہ ہم یہی چاہتے تھے،[۱]

۲ - اس بے نیازی سے محدثین مین حق گوئی کا مادہ پیدا ہوا، اور انھون نے نہایت جرأت و بیباکی سے خلفاء کے ظلم و جور کا پردہ فاش کیا، اور خلاف شریعت باتون پر روک ٹوک کی،

چنانچہ ایک بار محدث ابن ابی ذئب خلیفہ منصور کے پاس آئے، اور کہا کہ "تمھارے دروازے پر علانیہ ظلم ہو رہا ہے" امام احمد ابن حنبل کہتے ہین، کہ وہ امام مالک سے زیادہ متورع اور حق گو تھے، کہ انھون نے ابوجعفر منصور کے سامنے بیباکانہ یہ کلمات کہے حالانکہ ابوجعفر ابوجعفر تھا،[۲]

ایک بار امین نے ایک ایسا فقرہ کہدیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا، کہ وہ مسئلہ خلق قرآن کا قائل ہے، حافظ اسمٰعیل بن علیہ نے اس پر اوسکو برا بھلا کہا اور اوس پر حملہ کرنا چاہا،[۳]

خلیفہ مامون الرشید مسئلہ خلق قرآن کا قائل تھا، لیکن یزید بن ہارون کا خوف اوس کو اسکے اظہار کی اجازت نہین دیتا تھا، وہ خود کہتا تھا، کہ "اگر یزید بن ہارون نہ ہوتے، تو مین اس مسئلہ کا علانیہ اظہار کرتا" لوگون نے کہا کہ "یزید کون شخص ہے جس کا خوف ہے" بولا "اگر مین اس کا اعلان کرون تو وہ اسکی تردید کرین گے اور ایک فتنہ اوٹھ کھڑا ہوگا"،[۴]

یہ حق گوئی محدثین کی عام اخلاقی خصوصیت تھی، اور اس مقدس گروہ مین اگر کوئی شخص اس اخلاقی روش سے ہٹ جاتا تھا تو یہ اوس کے لئے ننگ و عار کا موجب ہوتا تھا، علامہ ذہبی حافظ ابوبکر محمد اشبیلی کے تذکرے مین لکھتے ہین،:-

تعلق باذیال الملک ولم یجر جری	اونھون نے بادشاہ کا دامن پکڑا، اور تمام
العلماء فی مجاهرة السلاطين	علماء کی طرح علانیہ بادشاہون کے سامنے نہا

[۱] ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۳۳، [۲] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۳، [۳] طبقات الحفاظ جلد ۱ ص ۲۹۵، [۴] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۲۹۲

وَحَرِيصٌ بَلْ دَاهَن[1] حق نہین کیا بلکہ اس مین مداہنت کی،

۳۔ اس بے نیازی کی وجہ سے سلاطین کے دربارون مین جانا، اور روایتِ حدیث کو ذریعۂ معاش بنانا معیوب قرار پایا، چنانچہ ایک بار امام ابو اسحاق فزاری دمشق مین آئے، اور لوگ اون سے حدیث سننے کے لئے جمع ہوئے، تو اونھون نے کہلا بھیجا کہ جو شخص قدری ہے، جو شخص فلان کی رائے کو مانتا ہے، اور جو شخص بادشاہ کے دربار مین جاتا ہو، وہ ہماری مجلس مین نہ آئے،[2] عمر بن حاجب نے محدث بکری کی تضعیف جن وجوہ کی بنا پر کی ہے اون مین ایک یہ ہے کہ وہ امراء کے یہان آتے جاتے تھے[3]،

علی بن عبد العزیز چونکہ محتاج تھے، اسلئے وہ شاگردون سے مالی فائدہ اوٹھاتے تھے، اور لوگون کی لعنت ملامت سہتے تھے، نسائی نے اسی عیب کی بنا پر اون کو ناپسند کیا ہے[4]،

ابو یعلیٰ اور حسن بن سفیان دونون بڑے پایہ کے محدث تھے، لیکن ابو عمرو الحیری نے ابو یعلیٰ کو حسن بن سفیان پر ترجیح دی، تو لوگون نے کہا کہ ترجیح کی کیا وجہ ہے، ؟ حالانکہ حسن کا مسند بڑا اور اون کے شیوخ اعلیٰ درجہ کے ہین، اونھون نے کہا ابو یعلیٰ خالِصَةً لِوجه الله حدیث بیان کرتے تھے، اور حسن نے اوسکو کسب معاش کا ذریعہ بنالیا تھا[5]،

حارث بن محمد چونکہ نہایت تنگدست اور کثیر العیال تھے، اسلئے اون کو مجبوراً روایتِ حدیث پر مالی معاوضہ لینا پڑتا تھا، اسلئے دارقطنی نے اون کی توثیق کی تو ان الفاظ مین ان کی مجبوری کا اظہار کیا،

اما اخذ الدراهم على الرواية لیکن روایت پر وہ اسلئے درہم لیتے تھے، کہ وہ

فكان فقيرا كثير البنات[6] محتاج تھے، اور ان کے بہت سی لڑکیاں تھین،

غرض علم حدیث پر جو دنیوی اثرات پڑ سکتے تھے، محدثین کی قناعت، بے نیازی اور حق گوئی نے اون کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۱، [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۲۴۲، ۲۴۹، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۲۳۶، [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۹۵، [5] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۷۵، [6] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۹۴،

تمام دروازے بند کر دیے تھے، یہ سچ ہے کہ بعض محدثین سلاطین و امرار سے تعلقات رکھتے تھے، چنانچہ امام مطرب بن عبداللہ عمدہ کپڑے پہنتے تھے، گھوڑے پر سوار ہوتے تھے، اور بادشاہ کے دربار میں آتے جاتے تھے[1] حضرت ابراہیم نخعی امرا کے یہاں جاتے تھے، اور اون سے صلے کے خواستگار ہوتے تھے، اوران کے پاس ہدیہ بھیجتے تھے[2] امام زہری کا تعلق عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک کے دربار سے تھا، اور دونون نے اون کا قرض ادا کیا تھا[3] لیکن اسکی وجہ یہ تھی کہ بعض محدثین کے نزدیک بادشاہون سے تعلقات کا قائم رکھنا اسلئے مستحسن تھا کہ وہ اون کی رہبری کر سکین، حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم مین لکھتے ہین:۔

> عادل وفاضل بادشاہون کے دربار و نہیں جانا، اون کا دیکھنا، اور نیک کامون مین ان کو مدد دینا سب بڑا نیکی کا کام ہی، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی صحبت مین بڑے بڑے علما مثلاً عروہ بن زبیر اور اون کے طبقے کے لوگ، اور ابن شہاب اور اون کے طبقے کے لوگ رہتے تھے، ابن شہاب (زہری) عبدالملک سے اور اس کے بعد اوس کے بیٹون سے تعلقات رکھتے تھے، اور شعبی، قبیصہ بن ذویب، رجار بن حیوۃ الکندی مالک بن انس اوزاعی، شافعی، اور علما کی ایک جماعت جن کے ذکر مین طوالت ہی، بادشاہون سے تعلقات رکھتی تھی، اگر عالم کبھی کبھی ضرورت کیلئے بادشاہ کے پاس جائے اور اچھی بات کہے، اور علمی گفتگو کرے، تو یہ اچھا ہے، اور اس مین اس کے لئے موت کے بعد خدا کی خوشنودی ہے، لیکن بادشاہون کی مجلسون مین فتنے غالب ہوتے ہین، اور اون سے بچنے کے یہ معنی ہین، کہ جو کچھ ان مجلسون مین ہو، اوسکو ترک کر دیا جائے، اس باب مین جو رسول اللہ صلعم کا یہ قول گذر چکا ہے کہ جس نے انکار کیا وہ بچ گیا، لیکن جس نے اوس کو پسند کیا، اور اوس کی متابعت کی خدا نے اسکو دھتکار دیا، تمھارے لئے کافی ہے[4]

غرض جو علما و محدثین سلاطین کے دربارون سے تعلق رکھتے بھی تھے، تو وہ صرف اسلئے کہ اون کو نیک کامون مین مدد دین، اور نیک کامون مین ان کی مدد حاصل کرین، چنانچہ اون کے تمام سوانح زندگی سے اس

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۵۶، [2] [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۲، [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۶۹، [5] جامع بیان العلم ص ۸۳،

واقعہ کی تائید ہوتی ہے، ابن شہاب زہری ہی کا یہ اثر تھا، کہ بنو مروان علانیہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منقصت کی جرأت نہ کرسکے، اور حضرت رجا بن الحیوٰۃ ہی کا یہ فیضان تھا کہ خلاف امید حضرت عمر بن عبد العزیز جیسا خلیفہ بنو امیہ کی مسند پر بیٹھا، اس مسند نشینی کا واقعہ جو نہایت مؤثر ہے، اور جس سے ہمارے قول کی مزید تائید ہوتی ہے، یہ ہے کہ سلیمان بن عبد الملک نے پہلے ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سے اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد بنانا چاہا تھا، لیکن رجا بن الحیوٰۃ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ خلیفہ کا قابل یادگار کارنامہ یہ ہے کہ وہ ایک صالح شخص کو اپنا جانشین بنائے، چنانچہ وہ ایک دن کے بعد اوس نے اس وصیت نامہ کو چاک کر دیا، اور رجا بن الحیوٰۃ سے داؤد بن سلیمان کے متعلق رائے دریافت کی، داؤد اس وقت قسطنطنیہ مین تھے، رجا نے کہا کہ آپ کو کیا معلوم ہے، کہ وہ اسوقت زندہ ہین یا مر گئے؟ پھر سلیمان نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام لیا تو رجا نے کہا کہ وہ نہایت برگزیدہ مسلمان ہین، سلیمان نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہو لیکن اگر مین اون کو خلیفہ مقرر کر دون، اور عبد الملک کی اولاد کا بالکل لحاظ نہ رکھون، تو ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا، اور جب تک مین ان مین کسی کو ان کے بعد ولی عہد نہ بنا لون، لوگ اون کی خلافت تسلیم نہ کرین گے، اسلئے یزید بن عبد الملک کو اُنکے بعد ولی عہد بناتا ہون، رجا نے بھی اس سے اتفاق کیا، چنانچہ سلیمان نے عہد نامۂ خلافت لکھا، اور رجا بن حیوۃ نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ گمنام طریقہ پر بیعت کی تکمیل کی، معاہدۂ بیعت کے مکمل ہوجانے پر وصیت نامہ کا مضمون پڑھکر سنایا تو ہشام بن عبد الملک نے مخالفت کی، لیکن رجا بن حیوۃ نے اوسکو قتل کی دھمکی دی، اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر کھڑا کر دیا، اس محدث کی اس جرأت نے دنیائے اسلام مین جو انقلاب پیدا کیا اوس کی مدح و ستایش مین آج تک ہماری زبانین رطب اللسان ہین،

ملتان سے لکھنؤ

استہ راک چمن اور کوئٹہ کے بیچ مین جو کوہستانی سلسلہ حائل ہے، اور جس کو عرض مین قطع کر کے چمن سے کوئٹہ پہنچتے ہین، ہمارے رفیق غلام رسول خان نے بتایا کہ اس کا نام خوجک ہی، اور جس درہ سے نکل کر یہ انگریزی سڑک نکالی گئی ہو اسکو درۂ خوجک کہتے ہین، یہ راستہ جسقدر پرپیچ ہے، اس کی کیفیت تو بیان کر چکا ہون، خان صاحب نے جب اس کا نام خوجک بتایا، تو مین نے عرض کی کہ اس سے بہتر تو اس کا نام گنجلک ہو، اس کی بلندی تقریبًا سات ہزار فیٹ اور درہ کی لمبائی تقریبًا بیس میل ہے،

رکن عالم ملتان مین حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مزار پر ہم نے آپ کو چھوڑا تھا، وہان سے اوس کے دوسرے دروازے سے ہم نکلے، تو موٹر سڑک پر ادھر ہی کھڑی ملی، سامنے ہی بسمت مغرب حضرت شیخ الاسلام کے پوتے حضرت رکن الدین رکن عالم المتوفی ۷۳۵ھ کے مزار کا گنبد نظر آیا لیکن دل مین کشش نہین ہوئی، اس لئے وہان تک جا نہ سکا،

سلطان محمد تغلق کے دربار مین حضرت رکن عالم کا بڑا اعزاز تھا، ابن بطوطہ ہندوستان انھین بزرگ کے عہد مین آیا ہے، حضرت برہان الدین اسکندری نے ابن بطوطہ کو اسکندریہ کے قیام کے زمانہ مین جن تین مشہور بزرگون کی زیارت کی خوشخبری سنائی تھی، اون مین سے ایک یہ بھی تھے، ابن بطوطہ ملتان مین انھین کی خانقاہ مین جو شہر سے باہر تھی، حاکم وقت کی اجازت سے ٹھہرا تھا،

حضرت رکن عالم کا یہ روضہ سلطان محمد تغلق نے بنوایا تھا، دیکھنے والون کا بیان ہے، کہ اس کی عمارت نہایت خوبصورت ہی اور اس مین نقاشی کا کام نہایت عمدہ ہے، اس مزار پر چند دیہات وقف ہین، اور اوس کے متولی بھی

شیخ مرید حسین صاحب ہین

مزار شمس تبریز | شمس تبریز کے نام سے تو حضرت مولانا جلال الدین رومی کے مرشد مشہور ہین جن کی طرف دیوان شمس تبریز منسوب ہی، ملتان مین ایک مزار اسی نام سے مشہور ہے، اہل تاریخ کے نزدیک اتنا تو مسلم ہی کہ یہ وہ شمس تبریز نہین جو مولانا رومی کے پیر تھے، مگر پھر یہ کون تھے، اس کے جواب مین یہ قیاس کیاجاتا ہی کہ یہ اسماعیلی مذہب کے کوئی داعی تھے، ایک مختصر صحن و برآمدہ کے بعد ایک کوٹھری مین ان کا مزار ہے، مزار پر گنبد بنا ہے، دیوارون پر چینی کا کام ہے جس وقت مین وہان پہنچا، کچھ لوگون کو باہر قرآن پڑھتے دیکھا، دل نے کشش نہ پائی، جلد واپس آگیا،

ان کی نسبت مقامی اطلاع یہ ہے، کہ ان کا نام شمس الدین تھا ۱۱۶۵ء (۵۶۰ھ) مین بمقام سبزوار پیدا ہوئے، اپنے مرشد کے حکم سے ملتان تشریف لائے، مشہور ہے کہ یہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے معاصر تھے، حضرت کے اشارہ پر اہل ملتان نے ان سے مقاطعہ کرلیا تھا، یہان تک کہ کسی نے ان کو پکانے کیلئے آگ بھی نہین دی، اونھون نے ناچار اپنی یہ کرامت دکھائی، کہ دریا سے مچھلی اٹھا کر آفتاب کے سامنے کیا، اور کہا کہ اے آفتاب تو میرا ہمنام (شمس) ہی، قریب آجا کہ مچھلی بھون لون، آفتاب قریب آگیا، اور مچھلی بھن گئی، کہتے ہین کہ ملتان مین گرمی اسی وقت سے زیادہ ہوگئی ہے،

۱۲۷۶ء (۶۷۵ھ) ان کی تاریخ وفات بتائی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہی کہ ۱۳۳۰ء مین ان کے پوتے نے یہ عمارت تیار کرائی ہی، اس کے متولی شیعہ ہوتے ہین، موجودہ متولی و سجادہ نشین سید ضمیر حسن شاہ صاحب ہین،

عیدگاہ | اس وقت ملتان کی سب سے یادگار عمارت عیدگاہ کی مسجد ہے، یہ شہر سے شمال و مشرق سمت مین ایک میل کی مسافت پر واقع ہے، دروازہ بجائے پورب رخ کے ایک بازو پر ہے، اس سے داخلہ کے وقت مسجد کی پوری شان ظاہر نہین ہوتی، دروازہ سے داخل ہوتے ہی بائین بازو پر مسجد کی عمارت ملے گی صحن بہت وسیع ہے، اندازہ ہو کہ اسمین ایک ہزار آدمی آسکتے ہون گے، مسجد کا دالان خاصہ لمبا ہی اوپر گنبد اور مینار ہین، دیوارون پر کاشی کا نہایت عمدہ کام ہے، پروفیسر اکبر صاحب منیر نے جو ایران و عراق کی سیاحت کر چکے ہین، اور اسوقت میرے ساتھ تھے، کہا

کہ یہ کام ایران کے سوا اور کہین مین نے نہین دیکھا، اس مسجد کو نواب عبدالصمد خان صوبہ دار لاہور و ناظم ملتان نے بنوایا تھا، ۱۱۳۳ھ مین یہ تکمیل کو پہنچی تھی،

نواب عبدالصمد خان کا خطاب سیف الدولہ دلیر جنگ تھا، اور اسی لقب سے مآثر الامرا مین ان کا تذکرہ ہے، سلطان محمد فرخ سیر کے عہد مین پنجاب مین صوبہ دار مقرر ہوئے، اس زمانہ مین یہان سکھون کی بڑی شورش تھی، عبدالصمد خان نے اپنے زمانہ مین ان کے اصل مرکز کا کامیاب محاصرہ کیا، اور ان کے سردارون کو قید کرکے دلی بھیجا، بعد مین یہ ملتان کے ناظم مقرر ہوئے، اور ۱۱۵۱ھ مین وفات پائی،

۱۸۱۶ء مین سکھون نے ملتان کو فتح کیا، کہتے ہین کہ اُن کے زمانہ مین یہ جامع مسجد اصطبل کے کام مین لائی جاتی رہی، ۱۸۴۸ء مین مسٹر اگینو اور انڈرسن جو ریاست لاہور کے انگریز ریزیڈنٹ کے نمایندہ ہو کر دیوان مولراج کو ملتان کی نظامت سے معزول کرنے آئے تھے، یہین فروکش ہوئے تھے، اور یہین مولراج کے سکھ افسرون کے ہاتھون سے قتل ہوئے تھے، عمارت کے بائین طرف کے آخری منارہ پر انگریزی زبان مین حسب ذیل کتبہ ہے،

"یہان ۱۹؍ اپریل ۱۸۴۸ء کو پیٹرک وان اگینو بنگال سول سروس، اور لفٹنٹ ولیم انڈرسن سکینڈ کمپنی فیوزلیئر جو لاہور کے اسسٹنٹ ریزیڈنٹ تھے، نہایت بیرحمی سے قتل کئے گئے،"

اس واقعہ کے بعد لڑائی پیش آئی، جنگ کے بعد جب امن ہوا، تو انگریزون نے یہان ڈپٹی کمشنر کی کچہری قائم کی، ۱۸۹۰ء مین مسلمانون کی درخواست پر اون کو واپس ملی، اسوقت یہ نہایت خستہ حالت مین تھی، مسلمانون نے عام چندہ سے اسکی مرمت کرائی، اسوقت یہ مقامی انجمن اسلامیہ کے زیر نظم ہے، زمین کے چند ٹکڑے اس پر وقف ہین، جنکی اسی قدر آمدنی ہے کہ اس سے چوکیدار کی تنخواہ نکل آتی ہے، ضرورت ہو کہ اہل شہر اپنی اس تاریخی مسجد کی بقا و ترقی کی طرف توجہ فرمائین،

مسجد علی محمد خان، دلی کی مرکزی حکومت مین جب ضعف ہوا، تو پنجاب اور سندھ کے قطعہ قطعہ مین افغان سردارون

اور سکھ مثل[۱] وارون (حصہ دارون) نے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستین قائم کرلی تھین، راجہ رنجیت سنگھ نے جو خود ایک مثل وار (حصہ وار) کا بیٹا تھا، رفتہ رفتہ ان تمام سکھ جتھون کو توڑ کر ایک مرکزی سکھ ریاست قائم کرلی، اس مرکزیت سے طاقتور ہو کر، اوس نے ایک ایک اسلامی ریاست کو فتح کرنا شروع کیا، اس زمانہ کی یادگار صرف بہاولپور کی اسلامی ریاست رہ گئی ہے، اس زمانہ مین ملتان مین بھی ایک اسلامی ریاست قائم تھی، جس کا بانی درانی سلسلہ کا صدوزئی افغان تھا، نواب علی محمد خان، شجاع خان، اور مظفر خان بہادر صفدر جنگ اس خاندان کے مشہور افراد ہین، رنجیت سنگھ نے اسی خاندان سے اس ملک کو فتح کرکے دیوان مول راج کے باپ کے حوالہ کیا، دیوان مولراج سے ۱۸۴۹ء مین انگریزون نے چھینا،

اس سدوزئی افغانی ریاست کی یادگار یہ مسجد ہے، ۱۸۱۱ء مین بنائی گئی تھی، سکھون کے زمانہ مین یہان سکھ ناظم ملتان کی کچہری ہوتی تھی، اور اس کے اندر سکھون کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کو رکھا گیا تھا، انگریزون کے قبضہ کے بعد یہ مسلمانون کو واپس دی گئی، مسجد کے متعلق چند دوکانین ہین جنکی آمدنی سے مسجد کا خرچ پورا ہوتا ہے،

باغ عام وخاص | دہلی دروازہ کے باہر خانقاہ شمس تبریز کے جنوب مین واقع ہے، کہتے ہین کہ یہان شاہزادہ مراد بن شاہجہان بادشاہ عام لوگون کی عرضیان سننے کیلئے اجلاس کرتا تھا، اور اسکا دربار خاص بھی یہین لگتا تھا اسلئے باغ عام وخاص کے نام سے مشہور ہوا، سکھون کے عہد مین مولراج کا باپ ساون مل، جو رنجیت سنگھ کیطرف سے یہانکا دیوان وصوبہ دار مقرر ہوا تھا، اسمین اجلاس کرتا تھا، یہان اس شاہی باغ کے علاوہ ایک حضوری باغ ہے جسمین ایک عمارت ابتک قائم ہے، اسکو بھی شہزادہ مراد نے بنوایا تھا،

پرانا قلعہ | یہ قلعہ ایک بلند اور وسیع ٹیلہ پر واقع ہے، جب یہ آباد تھا، تو اس کا رقبہ سو میل کا تھا، اس کے ایک طرف دریائے راوی بہتا تھا، قلعہ مین ہندوؤن اور مسلمانون کی عبادتگاہون کے نشان اب تک باقی ہین، چونکہ یہ جگہ بہت بلند ہے، شام کے وقت ٹھنڈی ہوا کے جھونکے یہان بہت آتے ہین، اسلئے اہل شہر یہان سرشام ہواخوری کیلئے بکثرت آتے رہتے ہین، یہان سے کھڑے ہو کر دیکھئے، تو سارا شہر نظر کے سامنے ہوگا،

اس وقت یہ قلعہ تودۂ خاک ہے، صرف ایک وسیع ہال اپنی حالت پر آجتک کھڑا ہے، یونیورسٹی نے اپنے

۱؎ سکھون نے اپنے جتھہ دارون کیلئے یہ اصطلاح قائم کی تھی، "س"

سالانہ امتحان کے لئے اسی بدحال ہال کو پسند کیا ہے، اس میں یونیورسٹی کی طرف سے لڑکون کا سالانہ امتحان ہوتا ہو،

قلعہ کے بیچ مین مسٹر اگنیو اور انڈرسن صاحبان کے دردناک قتل کی یادگار مین پچاس فیٹ لمبا مینار کھڑا کیا گیا ہو،

جامع مسجد یہان جامع مسجد بھی ہو، اندر جانے کا اتفاق نہین ہوا، مولانا اشفاق علی صاحب فاضل دیوبند جو اس کے خطیب و امام ہین، میرے ساتھ تھے، مغرب کا وقت قریب تھا، درگاہ شیخ اسلام بہاء الحق سے واپس ہوتے ہوئے موصوف یہان اتر گئے، یہ جامع مسجد ایک انتظامی مجلس کے زیر نگرانی ہے، اور جناب سید میر حسن صاحب اسکے متولی ہین،

ملتان چھاونی ملتان دو حصون مین منقسم ہو، ایک پرانا شہر ملتان ہو، اور دوسرا نیا ہے، جسکو ملتان صدر یا ملتان چھاؤنی کہتے ہین، جو انگریزی فوجی کیمپ یا کینٹونمنٹ ہے، یہان کی آبادی اچھی خاصی ہو، بنگلے اور کوٹھیان بکثرت ہین، مسلمانون کی آبادی بھی خاصی ہے، یہان کے قومی رہبر و کارکن سید میر حسن صاحب ہین جو گو آنکھون سے معذور اور ضعیف ہو چکے ہین تاہم یہان کے معتمد علیہ وہی ہین، ان کے صاحبزادہ سید عبد الغنی صاحب بی اے یہان گورنمنٹ اسکول مین ہیڈ ماسٹر ہین، اور قومی کامون مین اپنے والد ماجد ہی کی طرح سرگرم ہین،

سید میر حسن صاحب اور دوسرے مسلمانون کی کوشش سے ۱۹۱۱ء مین یہان محمڈن ہال کے نام سے ایک عمارت تیار ہوئی، اور ایک انجمن نصرۃ الاسلام قائم ہوئی، اس کے ماتحت ایک اسکول اور ایک لائبریری کا افتتاح ہوا جس کا نام محمڈن لائبریری ہو، میرا رسم تعارف اس اسکول اور اس لائبریری، اور اسی کے ساتھ اس لائبریری کے روح رواں سید میر حسن صاحب سے اسی زمانہ سے ہے، یہ انجمن جب قائم ہوئی تو مین نے سید صاحب کی طلب پر اپنے حقیقی برادرزادہ مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی کو جو اسی زمانہ مین تعلیم سے فارغ ہوئے تھے، یہان بھیجا تھا، اور انھین کی کوشش اور مشورہ سے اس لائبریری نے جنم لیا تھا، اس کے بعد مولوی سید عبد الباری صاحب ندوہ چھوڑ کر لکھنؤ سے سند فضیلت کے بجائے، ہیوٹ انجینیرنگ اسکول کی سند لیکر یہان وارد ہوئے، اور ۱۹۱۵ء مین اس لائبریری کے سکرٹری منتخب ہوئے، اسی وقت سے آج تک وہ اسی حیثیت سے اسکی خدمت انجام دے رہے ہین،

محمڈن لائبریری لائبریری کی عمارت اچھی اور بڑی ہے، احاطہ بھی وسیع ہے، اور سبزون اور پھولون سے بارونق ہے،

۱۹۱۰ء میں عاریت کی چند کتابوں کے سوا اس میں کچھ نہ تھا، سکرٹری صاحب کی کوشش سے اس میں سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا، یہان تک کہ اب اسمین پانچہزار کتابون کے قریب ہے، اردو کی تمام اچھی کتابین، اور اردو کے مشہور مصنفین کی تمام تصنیفات یہان موجود ہین، فارسی اور عربی کی بھی کچھ کتابین ہین کسیقدر انگریزی کا بھی سرمایہ ہے، کتابون کی فن وار تعداد حسب ذیل ہی،

مذہب ودینیات، ۴۵۰ تاریخ وسوانح، ۵۰۰ ناول اور افسانے، ۲۱۱۰ جغرافیہ اور سفرنامے، ۱۴۰ علمی وادبی، ۱۴۴ متفرقات، کتب فارسی وعربی، ۳۵۰ کتب انگریزی، ۱۴۴۰

قابل ذکر نئے اور پرانے علمی رسائل کی جلدین بھی موجود ہین، اور وہ اس شمار مین شامل نہین، روزانہ اخبارات اور ماہوار علمی رسالے بھی آتے ہین، یہ کتابین دس الماریون مین قرینہ سے سجائی گئی ہین،

ملتانی زبان ملتان کی ایک خاص زبان بھی ہے، جو پنجابی اور سندھی سے الگ ہے، ملتان کا علاقہ پنجاب اور سندھ کے بیچ مین واقع ہے، اس لئے اس زبان کو ان دونون کے بیچ کی کڑی سمجھ لیجئے،

روانگی ملتان مین میرا قیام تین روز رہا، جن مین سے ایک آدھ دن عدالت مین بھی گذرا، چوتھے روز روانگی کا سامان ہوا، ۱۱ بجے کے قریب ٹرین جاتی ہے اسی پر سوار ہوا، احباب اسٹیشن تک پہنچانے آئے، گاڑی چلی تو پھر وہی ریگستان کا منظر تھا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے پنجاب کا سرسبز علاقہ آنے لگا، مغرب کے بعد لاہور آیا، پہلے خیال تھا کہ ایک دو دن لاہور بھی ٹھہرون مگر ملتان مین زیادہ ٹھہر جانے کے سبب سے یہان کے قیام کو ملتوی کیا،

لکھنؤ راستہ مین کوئی قابل ذکر بات پیش نہین آئی، لکھنؤ مین برادر عزیز ومحب صمیم مولانا مسعود علی صاحب ندوی دار العلوم مین تعمیر مسجد کے سلسلہ مین مقیم تھے، ان کو تار کے ذریعہ اپنی آمد کی اطلاع دیدی تھی، دوسرے دن دوپہر کے قریب گاڑی لکھنؤ پہنچی، اسٹیشن پر مولانا مسعود علی صاحب اور ندوہ کے احباب واعزہ موجود تھے، اتر کر دار العلوم ندوہ کے اس مہمانخانہ مین آیا، جو وہان کی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ مین مسجد کے سامنے نہایت سلیقہ سے تیار ہوا تھا، اور جس کو مولانا نے اپنی صفائی اور خوش سلیقگی سے ایسا بنا دیا تھا کہ کوٹھیون اور بنگلون والے آآ کر اس پر رشک کرتے تھے،

مسجد کی تعمیر جاری تھی، مزدوروں اور معماروں کا ہنگامہ برپا تھا، ایک طرف آہنی جنگلون کے لئے لوہارون کا کام جاری تھا، دوسری طرف ربڑ کی لمبی نلکیون کے ذریعہ ہر طرف مصنوعی نہر جاری تھی، ندوہ کے اعزازی کارکن تعمیر کے امور متعلقہ کی انجام دہی کی غرض سے مولانا کے گرد و پیش حلقہ زن تھے، دار العلوم کے طلبہ افغانستان کے حالات اور اپنے افغان بھائیون کی ترقیون کی روداد سننے کو آتے رہے، قندھار کے انار اور انگور جو ساتھ آئے تھے، وہ ان عزیزون کو تحفہ کے طور پر ملے، یون ہی دن گذر گیا، اور رات آئی، ۷ نومبر کی صبح تھی، افغانستان کے سفر کی مستی کا خمار ہنوز چھایا ہوا تھا،

نادر شاہ کی شہادت | کہ یک بیک صبح کو ایک دوست نے آکر اطلاع دی کہ شاہ افغان نادر خان نے شہادت پائی، یہ ایسی خبر تھی کہ جس کے ماننے کو دل تیار نہ ہوا، ندوہ کے بعض عزیزون کو سائیکل پر اخبارات کے دفتر مین بھیجا، دس بجے کے قریب خبر یقین کے درجہ کو پہنچ گئی، اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مین نے پچھلے چند ہفتے ایسے تماشے کی سیر مین گذارے جس کا خاتمہ تراجیڈی پر ہوا،

مسافر از ڈاکٹر اقبال | کیا عجیب اتفاق ہے، آج ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جب اس داستان سفر کی آخری سطر سے مین نے فراغت پائی ہے، ڈاک کے قاصد نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تالیف "مسافر" ہاتھ مین دی، یہ افغانستان کی چند روزہ سیاحت پر موصوف کے شاعرانہ جذبات کا مجموعہ ہے، جو ابھی شائع ہوا ہے، فارسی زبان مین خیبر و سرحد و کابل و غزنین و قندھار کے عبرت انگیز مناظر و مقابر پر شاعر کے آنسو ہین، اور بابر، سلطان محمود، حکیم سنائی، اور احمد شاہ درانی کی خاموش تربتون کی زبان حال سے سوال و جواب ہین، مسافر کا آغاز نادر شاہ شہید کے مناقب سے اور اختتام شاہ محمد ظاہر خان سے اظہار توقعات پر ہے، کہتا ہے،

خطاب بہ شاہ ظاہر خان

اے قبائے بادشاہی بر تو راست — سایۂ تو خاک ما را کیمیا است

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر — تخت احمد شاہ را شانے دگر،

حرفِ شوق آوردہ ام ازمن پذیر، از فقیرے رمزِ سلطانی بگیر،
ہر کہ خود را صاحبِ امروز کرد گردش او گرد دِ سپہر گرد گرد،
دو جہان رنگ و بو را آبرو ست دوش از و، امروز از و، فردا از وست
مردِ حق سرمایۂ روز وشب است زانکہ او تقدیر خود را کوکب است
سرگذشتِ آلِ عثمان را نگر از فریبِ غربیان خونین جگر
ذکر و فکرِ ناوری در خون تست قاہری با دلبری در خون تست
اے فروغِ دیدۂ برنا و پیر، سرِّ کار از ہاشم ومحمود گیر،
ہم از ان مردے کہ اندر کوہ ودشت حق ز تیغِ او بلند آوازہ گشت،
روز ہا شب ہا تپیدن می توان، عصرِ دیگر آفریدن می توان،
صد جہان باقیست در قرآن ہنوز اندر آیاتش یکے خود را بسوز

باز افغان را از و سوزے بدہ
عصر او را صبح نور وزے بدہ

(مسافر)

سفرنامہ روم ومصر وشام

۱۸۹۲ء مین علامہ شبلی نے جو سفر کیا تھا، اس کے حالات، واقعات، یہ سفرنامہ بہت مقبول ہوچکا ہے، اردو مین ممالک اسلامیہ کا یہ پہلا سفرنامہ ہے جس مین ٹرکی مصر اور شام کے علمی و تعلیمی، تمدنی کیفیات اور مسلمانون کی موجودہ حالت کی تصویر کھینچی ہے، اب معارف پریس نے اوسکو پھر سے نہایت اہتمام اور توجہ کیساتھ شائع کیا ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت :- عہ/

منیجر

احقر بہاری مرحوم

از محمد معین الدین صاحب دردائی متعلم بی اے (آنرز) مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ،

بہار کی سرزمین جس قدر مردم خیز ہے، اسی قدر مردم خوار بھی ہے، خدا جانے کیا بات ہے کہ وہان کے لوگون کو شہرت طلبی سے شرم آتی ہے، اہل وطن بھی قدرشناسی نہین کرتے، اس لئے یہان کے اچھے اچھے جوہر قابل بلبلہ کی طرح ابھرتے اور دب جاتے ہین، اگر بہار کے کچھ لوگون کے نام زندہ ہین، تو یہ وہی ہین جنکا آوازۂ کمال دوسرے صوبون تک پہنچا اور وہان کے لوگون نے قدرشناسی کرکے ان کو شہرت بخشی، بہار کے اُن گمنام اہل کمال مین ایک احقر بہاری مرحوم مین، یہ بہار کے ایک پرانے کہنہ مشق استادِ سخن تھے، شعروشاعری کے بڑے بڑے معرکے طے کئے تھے، پچاس ساٹھ برس کے ریاض مین دیوان یادگار چھوڑا، ذیل کے صفحات مین ناظرین کو اسی گمنام صاحب کمال سے روشناس کرنا ہے،

مختصر حالات بشارت حسین نام، احقر تخلص، ضلع عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک گاؤن براڈیہ مین پیدا ہوئے، سالِ ولادت ۱۲۶۰ھ ہے، اُن کے والد ماجد شیخ اکبر حسین اس قریہ کے ایک ممتاز متمول اور ذی عزت رئیس تھے، وہ وہین پیدا ہوئے، اور اپنی تمام زندگی وہین گذار دی،

احقر مرحوم کی ابتدائی تعلیم اسی گاؤن ہی مین ہوئی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابین وہان پڑھا کر اُن کے والد نے تعلیم کی غرض سے ۱۲۸۰ھ مین ان کو پٹنہ بھیجا، مولوی خدا بخش صاحب جو اس وقت کے ایک لائق عالم تھے ان کی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے، کچھ عرصہ ان کے زیر تعلیم رہنے کے بعد وہ بہار چلے آئے اور یہین متعدد علما کے زیر سایہ علم کی خوشہ چینی کرتے رہے، با این ہمہ ان مین عربی کی کوئی ایسی اچھی لیاقت نہ تھی، لیکن فارسی اچھی جانتے تھے،

۱۲۹۵ھ مین ان کا نکاح قصبہ بہار شریف کے شیرپور محلہ مین میر حمید حسین صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا، اس کے بعد انھون نے براڈیہ چھوڑ کر محلہ شیرپور ہی کی بود و باش اختیار کر لی،

اختر مرحوم فطری شاعر تھے اور برجستہ کلام موزون فرماتے، یون تو بچپن ہی سے انکو شاعری کا شوق تھا لیکن اٹھارہ انیس برس کے سن مین ان کی شاعری اس زمانہ کے مشہور شعرا کے حلقہ مین عزت اور قدر کی نظر سے دیکھی جانے لگی تھی،

لکھنؤ کا قیام شاعری کے بڑھتے ہوئے ذوق نے ان کو بہار مین بیٹھنے نہ دیا، ۱۳۰۳ھ مین وہ لکھنؤ گئے، وہان کی ادبی دلچسپیون نے انھین بہت محظوظ کیا، اور وہان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اس سے وہ کسی طرح جدا نہین ہونا چاہتے تھے، لیکن گھر کے تعلقات نے واپسی پر مجبور کیا، اور انھین لکھنؤ چھوڑنا پڑا، لکھنؤ چھوڑنے کا جو صدمہ اُن کے دل کو پہنچا وہ اُن کی اس رباعی سے ظاہر ہے،

وہ عہدِ شباب وہ جوانی میری وہ بزمِ سخن وہ شعر خوانی میری
وہ اہل ہنر وہ لکھنؤ کے جلسے افسانۂ خواب ہے کہانی میری

آزل لکھنوی سے تلمذ لکھنؤ کے زمانۂ قیام مین وہ آزل لکھنوی سے اصلاح لیا کرتے تھے، اور انھین سے اُن کا رشتۂ تلمذ تھا، چنانچہ ایک شعر مین وہ اپنے لائق استاد پر اس طرح فخر کرتے ہین،

سب جانتے ہین اختر شاگرد ہون آزل کا استاد مانتے ہین اردو زبان والے

اختر کا سلسلۂ تلمذ یہ ہے:- اختر۔ آزل، صبا، آتش، مصحفی، . . . .

اختر مرحوم کو آتش کے اتباع کا بڑا شوق تھا، اور انھین ان کو کد تھی، لکھتے ہین ؎

وہ چال نہ چل جو لوگ کہین آتش کے چلن کو چھوڑ دیا آورد مین لذت خاک نہین آمد کا مزا ہے اے اختر

دکن کا سفر اختر مرحوم ایک دفعہ حیدرآباد دکن بھی گئے، وہان دربار مین بھی ان کو باریابی حاصل ہوئی اور قدر دان سخن کی نظرون مین وہ کافی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے، ریاست مین ایک اچھی جگہ بھی دیگئی، لیکن کسی وجہ سے ناپسند کیا، اور وہان سے چلے آئے، تاہم ان کو دکن کی یاد آتی رہی، کہتے ہین،

فرقت سے آپکی ہمین غربت وطن مین ہے یان کالبد ہے، روح ہماری دکن مین ہے

کانپور مین قیام اور ترک شاعری حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد وہ زیادہ تر کانپور مین رہنے لگے، اُن کے اسی زمانہ

قیام میں مسجد کانپور کے شہید ہونے کا ہنگامہ برپا ہوا، جس میں بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی اور قید و بند کے مناظر ان کی نگاہوں کے سامنے گذرے، اُن کی اسلامی حمیت جوش میں آئی، اور بلاخوف و خطر حکومت کے بے جا تشدد کے اظہار میں شتر بند کا ایک مسدس لکھ کر عام جلسہ میں سنایا، جس کا حاضرین پر بے حد اثر ہوا، آخر حکومت کی جانب سے وہ مسدس ضبط کیا گیا، اور ہمیشہ کے لئے وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اس مسدس کے لکھنے پر وہ بغاوت کے الزام میں گرفتار کئے گئے، اور مقدمہ چلایا گیا، اس مقدمہ سے تو خیر کسی طرح رہائی ہوگئی، لیکن یہ حکم برقرار رہا کہ وہ آیندہ کسی جلسہ میں کوئی نظم نہ پڑھیں، احقر مرحوم اس واقعہ کے بعد کانپور سے چلے آئے، اس کے بعد ہی ان کے نوجوان ہونہار صاحبزادہ ناظم مرحوم کا عالم شباب میں انتقال ہوگیا، اس حادثہ کا اُن کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا، اور آخر شاعری کے تفریحی مشاغل سے بالکل کنارہ کش ہوگئے، اُن کی آخری غزل یہ ہے۔

احقر سے جو پوچھا کیوں تمنے اب شغلِ سخن کو چھوڑ دیا

بولے کہ گیا جب موسم گل، بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا

سفر حج احقر مرحوم نے اپنی زندگی میں دو بار حج کیا تھا، ایک مرتبہ کمسنی میں اپنے برادر معظم کے ساتھ اور دوسری مرتبہ جوانی میں، چنانچہ اس رباعی میں اسی کی طرف اشارہ ہے،

کس جا نہ تمھیں حضور ہم نے دیکھا ایمن گئے کوہ طور ہم نے دیکھا

لیکن نہ ملا یہ قسمت اپنی ڈھونڈھا تمھیں، دور دور ہمنے دیکھا

وفات پچاس ساٹھ برس کی شاعری کے بعد بہتر برس کی عمر میں احقر مرحوم نے ۱۳۴۵ھ دسویں رمضان المبارک کو شہر پٹنہ محلہ سلطان گنج میں انتقال کیا، اور وہیں سپرد خاک کئے گئے،

کلام کا نمونہ چلے ہو گھر سے جو بن سنور کر بتاؤ صحبت کہاں رہیگی تو ہنس کے بولے تمھیں غرض کیا جہاں رہیگی وہاں رہیگی

بقا ہے ذات خدا کو تنہا فنا ہے ہر چیز کو جہاں میں نہ یہ رہیگی نہ وہ رہیگی وہی رہیگی جہان رہیگی،

بچا نہیں ہماری پیری میں فکر عقبیٰ تھکتے ہیں جب مسافر منزل کو ڈھونڈھتے ہیں

وحشت تو لیگئی تھی جنوا نے خاک بن مین
مٹی ہماری لائی پھر گھیر کر وطن مین

کھلنے نہ پائے پردہ مجھ زار و ناتوان کا
یار و لپیٹ دینا اچھی طرح کفن مین

شیشۂ دل غیر کے لائق نہین
اس مرقع مین تری تصویر ہو

کثرتِ عصیان نہین وجہِ نجات
جرم بیحد ہو تو کیا تعزیر ہو

وصل مین تم کیا تمھاری ہاںمین کیا
آج موقع پر اجی ڈر جائین کیا

عمر کاٹی بتکدہ مین بیٹھکر
اُٹھکے اب پیری مین کعبہ جائین کیا

جوہر تو ہے یہ قدرِ گہر کب وطن مین ہے
نے آبروِ عقیق یمانی یمن مین ہے

دونون کا حال ایک ہے اس گل کے ہجر مین
پہلو مین دل ہے بلبلِ نالان چمن مین ہے

پھنکا جاتا ہون مثلِ طورِ دل سینہ مین جلتا ہے
یہ کس کے منھ سے کلمہ لن ترانی کا نکلتا ہے

نہ کہنا پھر کہ کیسا دل مرا بیچین کر ڈالا
جگر کو تھام لو نالہ مرے منھ سے نکلتا ہے

طلب کرتے ہین وقتِ نزع اے جان اسلئے تمکو
کہ تم بھی دیکھ لو عاشق کا کیونکر دم نکلتا ہے

چلا جاتا ہے یہ کہکر مرے رونے پہ وہ ظالم
یہ طفل اشک ہر ہر بات پر یون ہی مچلتا ہے

ہوتا ہے آرزو سے فقط آدمی ذلیل
حاصل ہو مدعا جو کوئی مدعا نہ ہو

لے تو چلے ہین داغ کے ہم بھی بغل مین دل
دھڑکا ہے یہ پسند بھی ہوان کو یا نہ ہو

قصہ فضول حجت و تکرار ناروا
دل پھیر دین حضور اگر کام کا نہ ہو

ہم جانتے ہین لطفِ شبِ انتظار کا
وعدہ بھی وہ کرین تو الٰہی وفا نہ ہو

پیشِ خدا بیان کرین سب بتون کا حال
روزِ جزا کسی کا اگر سامنا نہ ہو

کیون نہ ہو سوزِ جگر اشکِ رواں سے زائل
خاصیت آگ بجھانے کی ہے ہر پانی مین

مینھ برستے مین جو یاد آتا ہے وہ گل اختر
اور ہوتے ہین مرے داغِ جگر پانی مین

حرم کا زاہدون کو دردِ سر ہو — جبین میری ہو تیرا سنگِ در ہو
ٹھہر اے موت جلدی کیا پڑی ہے — بہتیا کچھ تو سامانِ سفر ہو
بہت عاصی سہی رندِ سیہ کار — مگر اے واعظو تم بھی بشر ہو
اٹھاؤ سر ذرا آنکھین ملاؤ — اجی کھوے ہوئے کیوں اسقدر ہو
ہمارے سامنے احقر تعلّی — تمھین ہم جانتے ہین جس قدر ہو

حاصل اتنا تو ہوا خوگرِ حرمان ہوکر — سختیان ہم پہ گذرنے لگین جو آسان ہوکر
کیا ملا مائلِ حسنِ رُخِ خوبان ہوکر — رہ گئے کوچۂ کاکل مین پریشان ہوکر
اُن سے بھی اپنا شباب اب نہین دیکھا جاتا — آئینہ ہاتھ سے رکھدیتے ہین حیران ہوکر
سچ کہا حضرتِ منصور نے یا جھوٹ کہا — آدمی دیکھ لے محوِ رخِ جانان ہوکر
بندۂ دیر کو ترغیبِ حرم دیتے ہو — واعظو شرک سکھاتے ہو مسلمان ہوکر
طعن ہم رندون پر اے زاہدِ مغرور نکر — ہوش رہتا نہیں مستِ مئے عرفان ہوکر
نفسِ امارہ کو کر زور سے زیر اے احقر — مورِ ناچیز سے دبتا ہے سلیمان ہوکر

دلکی آشفتگی تو کیا جانے — ایسی باتین تری بلا جانے
دیکھ لے اُسکو جسکا جی چاہے — شرط یہ ہے کہ دیکھنا جانے
باوفا لوگ جانتے ہین مجھے — اری او بیوفا تو کیا جانے
بے خبر ہو جو خانۂ دل سے — کعبۂ و دیر کو وہ کیا جانے
قصۂ زلف پوچھئے تو کہوں — اور باتین مری بلا جانے
نہ رہا لطفِ زندگی احقر — اب مین جیتا ہون کیون خدا جانے

جو یہ کمسن سمندِ ناز کو مہمیز کرتے ہین — ہمیں پامال کیا کیا سبزۂ نوخیز کرتے ہین

ہنسی آتی ہے ہم کو واہ رے بیماریٔ الفت مرض بڑھتا ہے اتنا جس قدر پرہیز کرتے ہیں
لگے آگ اس شفق کو رات گذری یار جاتا ہے ہم اب جامِ صبوحی اشک سے لبریز کرتے ہیں
قیامت ہے یہ سرمہ اور بھی ان خوش نگاہوں کا چبا کر سنگ چھریوں کو یہ ظالم تیز کرتے ہیں
ثنائے ابروئے خمدار میں لکھتے ہیں شعر احقر طبیعت کند جب ہوتی ہے یوں ہم تیز کرتے ہیں

کلام پر رائے | احقر کے کلام کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، (۱) اردو غزلیات، (۲) رباعیات (۳) واسوخت (۴) فارسی کلام،

غزلیات | ہمارے پرانے شاعروں کی طرح احقر کے کلام کا بھی بڑا ذخیرہ غزلیات پر مشتمل ہے، ان کے سوانح زندگی سے آشکارا ہے کہ وہ لکھنؤ کے دلدادہ تھے، وہ طرز شاعری میں بھی بالکل لکھنؤ کے پیرو اور مقلد تھے، زبان کی صحت کا خیال، محاورہ اور روزمرہ کا لحاظ، لفظی صناعی، مشکل ردیفوں میں سخن آرائی، سب کچھ لکھنؤ کے طرز پر ہے، تاہم میر کے طرزِ سخن کو بھی ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے، اور غالباً یہی ان کی بڑی خصوصیت ہے، ملاحظہ ہو؛

احقر سے جو پوچھا کیوں تم نے اب شغلِ سخن کو چھوڑ دیا بولے کہ گیا جب موسمِ گل بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا
دل پھنسکے کسی کی زلفوں میں کس طرح الٰہی چھوٹ گیا معلوم نہیں کیا پیچ پڑا کالے نے جو من کو چھوڑ دیا
آتے ہیں عجب انداز سے وہ ڈالے ہوئے رخ پر بالوں کو زلفیں جو ہٹیں اک شور ہوا سورج نے گہن کو چھوڑ دیا
اب آنکھ کسی پر کیا ڈالیں نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں آنکھوں پہ ترے صدقہ کرکے جنگل میں ہرن کو چھوڑ دیا
چونکے نہ کسی دن خواب سے ہم غفلت میں بسر کی عمر اپنی اے وائے غضب کب آنکھ کھلی جب روح نے تن کو چھوڑ دیا
چھٹے سر سے جتنے ٹوٹ گئے یارانِ وطن سب چھوٹ گئے اے وادیٔ غربت تو نے سنا کیوں ہم نے وطن کو چھوڑ دیا

آورد میں لذت خاک نہیں آمد کا مزا ہے اے احقر
وہ چال نہ چل جو لوگ کہیں آتش کے چلن کو چھوڑ دیا

احقر کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اُن کی شاعری کا زیادہ حصہ گل وبلبل کے افسانوں سے بھرا ہوا ہے

پھر بھی تصوف کے آب و نمک سے ان کی شاعری خالی نہیں، ؎

یہ عشق کی ہے سرکار احقر غصہ بھی یہان ہے پیار بھی ہے
ہر زخم جگر کے بجائے مین کا فور بھی ہے زنگار بھی ہے

کیا مٹی مین ملایا ہے تونے کیا بات ہے آمین اے ساقی
جو رند ہے اس میخانے کا مدہوش بھی ہے ہشیار بھی ہے

یہ راز کی باتین مین اس کو سمجھے تو کوئی کیونکر سمجھے
انسان ہے پتلا حیرت کا مجبور بھی ہے مختار بھی ہے

حیران ہین تیرے مذہب سے سب گبر و مسلمان اے احقر
اے واہ رے تو سبحان اللہ تسبیح بھی ہے زنار بھی ہے

ایک شعر مین وحدت شہود کا مسئلہ بیان کیا ہے، ؎

فقط نہ صنعت صانع مری نگاہ مین ہے
عیان گلون مین ہے کانٹون مین ہے گلی مین ہے

دنیا کی بے ثباتی، ؎

احقر مسافرانہ بسر کر رہے ہین ہم
دنیا مین کیا لگائین دل اپنا سرا تو ہے

جناب داغ آسمان کو اس طرح دھمکاتے ہین،

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہین
اگر نہ آگ لگا دون تو داغ نام نہین

اسی مضمون کو حضرت احقر اس طرح ادا کرتے ہین،

چار نالون مین ابھی ڈھا دون تجھے
اے فلک تیری بھی کچھ بنیاد ہے

جناب جلیل اپنی توبہ شکنی کا سبب کالی گھٹا کو ٹھہرا کر خود کو بے قصور ثابت کرنے کی اس طرح کوشش کرتے ہین،

توبہ تو کر چکا تھا مگر کیا کہون جلیل
کالی گھٹا کو دیکھ کے نیت بدل گئی

مگر اس احقر شاعر کو بھی دیکھئے کہ وہ اپنی توبہ شکنی کا عذر کس طرح پیش کرتا ہے،

توبہ تو کی تھی واعظا تجھ سے مگر کہون مین کیا
آج ذری سی پی گیا ابر بہار دیکھکر

حضرت امیر نے ایک شعر مین اپنی نازک دماغی اس طرح دکھائی ہے،

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

لیکن احقر بھی کچھ کم "بد دماغ" نہیں، وہ اپنے سنگدل معشوق کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں لیکن سوال و جواب اور بحث کرنے کے لئے تیار نہیں،

اس بُت سے کون بحث حضورِ خدا کرے احقر اسی پہ چھوڑ دو جو فیصلہ کرے

بیگانگیِ خلق سے تنگ آکر غالب نے اپنے کو اس طرح سمجھایا ہے،

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

لیکن احقر بیگانگیِ خلق کی پرواہی نہیں کرتا، اگر کوئی اس سے بے وفائی کرتا ہے تو یہ بجائے رنجیدہ خاطر ہونے کے خود بھی منھ پھیر لیتا ہے،

دنیا نے مجھ سے پھیر لی آنکھیں تو کیا ہوا کچھ غم نہیں ہے کوئی نہیں ہے خدا تو ہے

"عشق بتان" سے پچھتا کر جناب مومن اپنی شرمندگی اور ندامت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں،

عمر ساری تو کٹی عشق بتان میں مومن آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہونگے

لیکن ذرا احقر کی شرمندگی کو دیکھئے،

خدا کے سامنے ہم جائیں کیونکر بتوں پر عمر بھر شیدا رہے ہیں

جناب مومن کے شعر میں افسوس کے ساتھ غصہ بھی ملا ہوا ہے، لیکن احقر کے اس شعر میں ایسی عاجزی ندامت، یاس، اور حسرت پائی جاتی ہے کہ انسان پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا،

غالب کا ایک بہت مشہور شعر ہے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفان کئے ہوئے

احقر کے "طوفانِ آب" کا منظر یہ ہے،

رو رو کے ہجر یار میں طوفان اٹھاؤنگا بیٹھا ہوں آج ساتھ لئے چشمِ تر کو میں

جناب ریاض کا شعر ہے،

بڑے صاف ظاہر بڑے پاک باطن		ریاض آپ کو کچھ ہمین جانتے ہین،

ہمین کوئی کلام نہین کہ شعر اپنی سادگی، برجستگی، اور طرز بیان کے اعتبار سے آپ اپنی نظیر ہے، احقر کا شعر بھی اس سے کم نہین،

ہمارے سامنے آحقر تعلّی		تمھین ہم جانتے ہین جس قدر ہو

واعظون اور شاعرون مین ہمیشہ سے لاگ چلی آتی ہے، لیکن احقر کے طرز بیان مین کچھ ایسی لذت ہے کہ اُن کی مذمت مین تلخی نہین پائی جاتی،

دیکھو احقر سے نہ اُلجھو واعظو		تم ہو دیوانے تو یہ مجذوب ہے

دوسری جگہ غریب زاہد کو باتون باتون مین کیسا لیا ہے،

زاہد سے اور تجھ سے احقر ملاپ کیسا		کیسی ذلیل تیری اوقات ہو گئی ہے

رعایت لفظی جو فن شاعری مین ایک قابل قدر چیز سمجھی جاتی ہے، احقر کے یہان بھی کثرت سے ملتی ہے، چنانچہ اُن کی ایک غزل "صنعت مرصع" مین ہے،

مجھ کو فگار دیکھکر، حالت زار دیکھ کر		رو دیا یار دیکھ کر، آگیا پیار دیکھکر

ہجر کی رات الامان ظلمت گور تھی عیان		قبر کا پھر گیا سمان، یہ شب تار دیکھکر

مین ہون بلا کا سخت جان آپکی ناز کی عیان		دوہری نہ ہون کلائیان کیجیے وار دیکھکر

توبہ تو کی تھی واعظا، تجھ سے مگر کہون میں کیا		آج ذری سی پی گیا، ابر بہار دیکھکر

احقر مرحوم شعرائے لکھنو کی پیروی مین سخت زمین مین اکثر غزل کہتے اور اس بارہ مین ان کو کسی حد تک اصرار معلوم ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی اکثر غزلین سنگلاخ زمینون مین ملینگی مشکل ردیفون کو نباہنا اُن کا خاص کمال ہے "دھوپ" پر ان کی طبع آزمائی ملاحظہ ہو، حق یہ ہے کہ خوب نباہا ہے، اور یہ نہ صرف کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے، بلکہ اس غزل کے بعض بعض شعر اپنی بلندیِ خیال اور جدتِ مضمون کے لحاظ سے

قابلِ داد ہین،

کب دشمنِ رندانِ قدح نوش ہوئی دھوپ   جب آئی گھٹا جھوم کے، روپوش ہوئی دھوپ

ٹھہرا نہ کوئی عکسِ رخِ یار کے آگے   خورشید چھپا شرم سے، روپوش ہوئی دھوپ

اے ابرِ کرم یاد جو آئی تری رحمت   میدانِ قیامت کی فراموش ہوئی دھوپ

وہ آئے دمِ صبح، لبِ بام، چھپا مہر،   دن بھر کے بکھیڑون سے سبکدوش ہوئی دھوپ

پیری مین نہین جامِ صبوحی کا مزا کچھ،
احقر سبب توبۂ مے نوش ہوئی دھوپ

روزانہ کی بول چال مین شعر کہنا جتنا دشوار ہے، اتنا ہی شاعری کا کمال بھی ہے، اور جناب احقر کی خصوصیاتِ کلام مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ یقیناً روزمرّہ کا استعمال ہے، وہ شعر اس طرح لکھتے ہین، جیسے کوئی شخص گفتگو کر رہا ہو، یہان ان کے کلام سے چند غزلین پیش کیجاتی ہین،

مے سے انکار کوئی بات ہے یہ   پیجئے پیجئے برسات ہے یہ

شوق سے لیجئے دل حاضر ہے   آپ سے عذر کوئی بات ہے یہ

بھیجئے خلد مین یا دوزخ مین   آپ راضی ہون بڑی بات ہے یہ

ہوسِ خلد ہے طاعتِ زاہد   بات بس قبلۂ حاجات ہے یہ

ایک دل ہے مانگنے والے ہزار   کس مصیبت مین ہماری جان ہے

یہ نصیحت اور یہ عہدِ شباب   تو بھی اے ناصح بڑا نادان ہے

دیکھ لو بیمارِ غم کو دیکھ لو   کوئی دن کا اور یہ مہمان ہے

بخشدو احقر کو اے بندہ نواز
ہو گئی اس سے خطا، انسان ہے

گالیاں سُن کے چپ رہوں کب تک — میرے منہ مین زبان ہے کہ نہین
خانۂ دل مین کیون نہین آتے — یہ تمھارا مکان ہے کہ نہین
ہو کرم غیر پر مرے آگے — یہ ستم مہربان ہے کہ نہین
ان بتون کو خدا سے کیا نسبت — وہ یقین یہ گمان ہے کہ نہین

لکھنؤ کے ذوق اور میر صاحب کے میخانہ کی جرعہ نوشی ملاحظہ ہو،

کچھ بات ہی ایسی ہے جس سے دم بھر بھی اُسے آرام نہین — اب حال تو یہ ہے احقر کا گر صبح رہا تو شام نہین
کر طعن نہ مجھپر اے واعظ نادان یہ اچھا کام نہین — پہنچیگی کبھی تو آہ مری کچھ عرش بتون کا نام نہین
دل خانۂ شادی تھا میرا آباد تھی اک دن یہ بستی — اب دیکھتے کیا ہو سینہ کو اس گھر مین خوشی کا نام نہین
قربان کرون کیا چیز یہ ، ہو دل جو پسند اے جان تمھین — مفلس کا سمجھ لو مال اسکو کیا دام اسکا کچھ دام نہین
ہین عاشق زلف روئے صنم بس عشق ہمارا مذہب ہے — اب رہتے ہین ہم جس منزل مین واں کفر نہین اسلام نہین
یہ کافر و مومن دیر و حرم اسرار ہین اس کی حکمت کے — جو واقف ہو وہ واقف ہو یہ ہین خاص یہ باتین عام نہین
آتی ہین صدائین کانون مین دن رات یہی کہتا ہو کوئی — چلنے کے لئے طیار رہو رہنے کا یہان کچھ کام نہین
گھبرائے جو بندے محشر مین رحمت نے صدائین دین بڑھکر — لکھے سے ملا کر دیکھا ہے تم لوگون پر کچھ الزام نہین
پوچھے جو کوئی احوال مرا کچھ بیچ کی حالت کہہ گذرون — ایسا ہی فسانہ ہے جبکا آغاز نہین انجام نہین
کیا دور ہے کیسی گردش ہے اے چرخ کہن یہ بدعت نو — اغیار کو بخشے خم ساقی یارون کے لئے اک جام نہین
اے چرخ ستمگر خوب ہمین رسوائے زمانہ تو کر لے — ہم عشق کے بندے ہین ہم کو اندیشۂ ننگ و نام نہین

دن آگئے مرنے کے لیکن دل مین ہے ہوسنا کی ابتک
اندھیر یہ کیسا ہے احقر کچھ فکر چراغ شام نہین

رباعیات | احقر نے رباعیان بھی بہت کہی ہین، سب کو معلوم ہے کہ رباعی کا کمال یہ ہے کہ چار مصرعون کے

کوزہ میں، وسیع و عمیق معانی کا دریا بند کر دیا جائے، اور طرز ادا ایسا ہو کہ سننے والا متأثر ہوئے بغیر نہ رہے،

اخلاص عمل کے متعلق اکثر شعرا نے بہت کچھ کہا ہے، اور بہت خوب کہا ہے، لیکن احقر کا انداز ملاحظہ ہو:-

یون لاکھ زبان پر ہو جاری توبہ ہو کام تو کام کی ہے ساری توبہ
اخلاص اگر نہین تو طاعت بے سود بگڑی کو بنائے کیا ہماری توبہ

اختلاف مذاہب کی صوفیانہ حقیقت یون واضح کرتے ہین،

گیسو ترے ہین روئے زیبا تیرا کعبہ تیرا صنم، کلیسا تیرا
کچھ مومن و برہمن جو سوچین احقر ہو جائے دلون سے دور میرا تیرا

"جوانی دیوانی" کس کی نہین ہوتی، اس وادی سے احقر بھی گذرے تھے. شباب نے جہان گم کردہ راہ کیا تھا. پیری نے واماندہ راہ کر دیا ہے، لیکن جوانی کی یاد اس عہد مین بھی جوش و ولولہ سے خالی نہین، کس مزہ سے کہتے ہین، سب کچھ کہدیا اور کچھ نہین کہا،

احقر! عہد شباب! توبہ توبہ وہ ضبط! وہ اضطراب! توبہ توبہ
کچھ ہم سے نہ پوچھئے جوانی کا حال توبہ توبہ! جناب توبہ توبہ

ان سیہ کاریون کے بعد طلب مغفرت بھی شعراء کا عام مضمون ہے، احقر کی طلب عفو کا رنگ یہ ہے،

احقر اُف رے سیاہ کاری تیری بے جا نہین یار، بے قراری تیری
ہو طالب عفو دیکھ مایوس نہ ہو سُن لے شاید جناب باری تیری

ایک رباعی مین اپنے خالق سے تقسیم و تقدیر کا گلہ اس پیرایہ مین کرتے ہین،

گل رویون کو عیش باغ بخشا تو نے مجھ کو دل داغ داغ بخشا تو نے
کیا ضد تھی کہ پھونکنے کو گھر بار مرا جلتا ہوا اک چراغ بخشا تو نے

شراب رباعیات کا خاص مضمون ہے، احقر کے میخانۂ سخن مین دیکھئے کہ یہ شراب کس کس رنگ مین آئی ہے

کیونکر رہے غم سے میرا سینہ خالی — گھنگھور گھٹا ہو اور مینا خالی
ساقی اک جام، میکدہ کا صدقہ — برسات کا جاتا ہے مہینا خالی

لا مجھ کو شرابِ ناب ساقی دیدے — اس ابر میں آفتاب ساقی دیدے
کل روزِ حساب خیر دیدینگے حساب — لے آج تو بے حساب ساقی دیدے

عاشقانہ رنگ کی رباعیون کا انداز یہ ہے،

ہے ہے اسی دردِ سر نے مارا مجھ کو — کافر تری نظر نے مارا مجھ کو
موت آگئی عشقِ زلف و رخ مین احقر — آخر شام و سحر نے مارا مجھ کو

اپنے محبوب کے زلف و رخ کو شام و سحر سے تشبیہ دینا مشہور عام ہے، لیکن اس شام و سحر کی تشبیہ اور ایہام سے موت کا ثبوت بہم پہنچانا شاعرانہ جدت ہے،

شاعری کی ایک مقبول صنف منظر کشی بھی ہے، احقر کے کلام مین اس کی مثالین کم ملتی ہین، تاہم ایک رباعی مین موسم بہار کا منظر کس دلکش طریقہ سے کھینچا ہے،

کیا بن کے نئی دُلہن بہار آئی ہے — پھولون کا گلے مین دیکھے ہار آئی ہو
غنچے کیا کیا چٹک رہے ہین آحقر — جو بن پہ صبا جو ہاتھ مار آئی ہو

شراب کے متعلق اُن کی ایک رباعی ہے، اور واقعی خوب ہے اور کیا عجب کہ یہ وہی رباعی ہو جس کو کہ انھون نے حیدرآباد کے کسی بزمِ مشاعرہ مین پڑھ کر حضرت برتر جیسے ممتاز شاعر سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا، رباعی یہ ہے ؎

کیا بزم مین بے حجاب آئی ہے — بدلی ہے تو بن کے آفتاب آئی ہے
انگور مین چھپ رہی تھی ظالم جا کر، — اب کھنچکے میرے سامنے شراب آئی ہے

سوز و گداز: اُن کے کلام مین ایک چیز جو آج سے پچیس سال قبل یقیناً بڑی انوکھی ہوگی،

"یورپشن واسوخت"[1] ہے، جس مین اردو زبان مین انگریزی الفاظ کھپائے ہین، احقر جیسے پیرانہ سال اور کہنہ خیال شاعر کے لئے نظم مین انگریزی کے پورے پورے لفظ کو اس بے تکلفی اور استادی سے کھپا دینا کہ انگریزی اور اردو کے اندر کوئی فرق نہ معلوم ہو اعجاز ہے، شاعر نے ہر ایک شعر مین انگریزی کے ایک دو لفظ کو ایسے عمدہ موقع اور محل پر استعمال کیا ہے، کہ اس سے شاعر کے متعلق بجا طور پر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ وہ نہ صرف فن شاعری کا ایک باکمال استاد ہے بلکہ انگریزی زبان پر بھی قدرت تام رکھتا ہے، اس واسوخت کے سلسلہ مین ایک دلچسپ نقل بیان کیجاتی ہے، ایک روز احقر کے ایک گریجویٹ دوست ملنے آئے بسلسلۂ گفتگو مین انگریزی کا کوئی لفظ احقر کے صحیح ادا نہ کرنے پر اُن کے ایک دوست کو ہنسی آگئی، احقر کو اسکا بڑا صدمہ ہوا، اور اسی وقت سے انگریزی پڑھنی شروع کر دی، اور تھوڑے ہی عرصہ مین انگریزی زبان پر کامل عبور حاصل کر لیا، یہ "یورپشن واسوخت" انکی اسی کوشش کا ایک کرشمہ ہے، یہان اس کے تین شعر نقل کئے جاتے ہین، ؎

نیم سے عشق کے مین تو کبھی آگاہ نہ تھی
خبرِ شادی و سور و مجھے واللہ نہ تھی

لَو ہے کیا چیز، فکشن کسے کہتے ہین بشر
بلوڈ ورڈ ہے کیا، کہتے ہین کس شئی کو لوَر

سرپرائز مجھے اس بات کا ہے حد سے سوا
ایک ہی لُک مین مرا ہاٹ یہ پاور نہ رہا

(نیم: نام — لَو: عشق — کس: غم — بلوڈ: معشوق — ورڈ: لفظ — لوَر: عاشق — سرپرائز: حیرت — لُک: نظر — ہاٹ: دل — پاور: قابو)

فارسی کلام اُن کے فارسی کے کلام کا بہت کم ذخیرہ ہے، مگر جو کچھ ہے اس سے اُن کی فارسی پر قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے، یہان اُن کی صرف ایک فارسی نعت ہدیۂ ناظرین ہے،

اے اوّلِ پیشینیان اے آخرِ پیغمبران
ہستی عجب سرِّ نہان گاہے چنین گاہے چنان

صد جان چو من قربان ترا، روحی فداک اے خوش ادا
نازیست این یا معجزہ دل می بری از بیدلان

محمود واحمد نام تو، عرشِ معلّٰی بام تو
مستیم ما از جامِ تو اے ساقیِ کوثر نشان

[1] امید ہے کہ یہ "یورپشن واسوخت" جو اس وقت تک غیر مطبوعہ ہے، عنقریب اُن کے مجموعۂ کلام کے ساتھ شائع ہو کر ہدیۂ ناظرین ہو،

درجسم چون جان آمدی با درد و درمان آمدی | خورشید تابان آمدی کردی زمین را آسمان
آ کے المنا کم کنی، از رنج و غم با کم کنی | سربستہ فترا کم کنی اے شہسوار لامکان
خورشید از رویت خجل مویت کمند مرغ دل | خویت بہ قرآن متصل اے پیشواے مرسلان
تو جان پاکان آمدی، محبوب سبحان آمدی | با عہد و پیمان آمدی، پشت و پناہ امتان

اے احقر اندوہگین، تا چند باشی این چنین
یا صبر کن از نازنین، یا جان بدہ بر آستان

اسلامی ہند کی تاریخ،

از

خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل گورنمنٹ آف انڈیا، وسابق فینانس منسٹر ٹونک

مخدومی و مکرمی جناب مولنا سید سلیمان صاحب دام فیوضکم،

سلام مسنون، جو اسلامی خدمت جناب والا و دیگر بزرگان مجلس دار المصنفین اپنی بے مثل و گران پایہ تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ سے کر رہے ہین وہ محتاج تشریح نہین، خداوند کریم آپ صاحبون کو جزاے خیر و اجر عظیم عطا فرمائے اور مسلمان ان سے کما حقہ مستفید ہون، آمین،

عرصہ ہوا کہ دہلی مین محبی و محترمی مولنا محمد علی مرحوم کی زندگی مین اُن کے مکان پر اور دو ایک مرتبہ مشفق مکرم ڈاکٹر انصاری صاحب کے دولتخانہ پر جناب کی خدمت مین نیاز حاصل ہوا تھا، لیکن کبھی مفصل گفتگو کا موقعہ نہ ملا، اُس زمانہ مین نیازمند گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ محاسبی مین ڈپٹی اکاونٹنٹ جنرل تھا، مدت سے یہ خیال تھا کہ جناب کی خدمت مین ایک ضروری قابل لحاظ امر کے بارہ مین تصدیع دون، لیکن مکروہات زمانہ نے اس کی اجازت نہ دی، اب چونکہ کسی قدر آزادی اور وقت ملا ہے، اس لئے آج اس دیرینہ آرزو کو پورا کر رہا ہون،

ایک زمانۂ دراز سے میری راے ہے کہ ہندوستان کی اسلامی حکمرانی کی تاریخ جیسی کہ چاہئے ابھی تک بالکل نہین لکھی گئی ہے، اور اس کی ذمہ داری مسلمانون پر ہے، سید امیر علی مرحوم جب کلکتہ ہائی کورٹ کے جج تھے اور ان کی "ہسٹری آف سیراسنز" شائع ہوئی تھی تو ایک جھلک اس کمی کے پورے ہونے کی بھی بعض اسلامی حلقون مین چند روز کے لئے محسوس ہوئی تھی، اور خیال تھا کہ صاحب موصوف اس طرف توجہ کرین گے، لیکن کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ اس وقت کے

سیاسی ماحول کی جو کیفیت تھی اس کے ماتحت اس قسم کی کوشش گورنمنٹ کے مفاد و مصالح کے خلاف بھی جاتی تھی، اور اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سرکاری مدارس کے نصاب تاریخ مین ابتدائی جماعتون ہی سے جس وضع کی کتابین داخل تھین، اور اب بھی ہین، انھین دیکھتے ہوے عام خیال تھا کہ اسلامی فرمانروائی کی بے لوث اور تعصب سے خالی تاریخ گورنمنٹ کے اکثر افراد کی نظرون مین پسندیدگی کے ساتھ نہ دیکھی جائیگی،

لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد اس ملک کی فضا اس قدر بدل جائیگی کہ بیشتر جن باتون کا دل مین خیال تک آنا جرم کی تعریف مین آسکتا تھا، اس سے کہین بڑھ کر اخبارون مین بلکہ دو بدو کونسلون وغیرہ مین بلا تکلف اظہار کیا جائیگا، جو فسانے مسلمانون کے گذشتہ مفروضہ مظالم اور برائیون کے فخریہ طور پر نہایت بیباکی کے ساتھ یورپ مین اہل قلم بآواز دُہل دنیا کو سنانے کے عادی تھے اُن پر یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم نے پانی پھیر دیا، اور اب بہت کم ذکر کتب خانۂ اسکندریہ کے ضائع ہونے اور کلکتہ کے بلیک ہُول کا سننے مین آتا ہے، مگر جو گہرا اثر اس قسم کی زہر افشانی اس ملک کے ایک بہت بڑے حصۂ آبادی پر کر چکی ہے، اس کے زائل ہونے مین مشکلات حائل ہین، اور مدت مدید درکار ہے، اور اسکی اصل وجہ کافی غور و خوض کے بعد میری ناچیز رائے مین یہ ہے کہ ہندوستان کے اسلامی عہد کی ایسی جامع و مکمل تاریخ جو صحیح معنون مین تاریخ ہو موجود نہین ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کی سخت ضرورت ہے، مسلمانون کے ذمہ یہ ایک ایسا فرض ہے کہ اسے ادا کئے بغیر وہ درحقیقت قابل الزام ہین،

یہ امر قابل غور ہے کہ ہندوستانی اسکولون مین بچون کی چھوٹی عمر سے کس قسم کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے مجھپر جو اثر نصاب تاریخ کا ہوا وہ تو یہ ہے کہ بارہ تیرہ سال کی عمر مین جب راجہ شیو پرشاد کی تاریخ ہندوستان اسکول مین پڑھتا تھا تو مجھے ہندو ہم جماعت طالب علمون کے سامنے مسلمان بادشاہون کے حالات پڑھکر نہایت شرم آتی تھی اور آنکھ نیچی کرنی پڑتی تھی وہ کیفیت مین اب تک نہین بھولا ہون، اس کے بعد جب انٹرنس مین سر ولیم ہنٹر کی مختصر تاریخ ہند پڑھنے کی نوبت آئی تو اس کے بعض حصے اب تک دل پر نقش فی الحجر ہین، مثال کے طور پر صرف ان چند فقرون کا ذکر کافی ہوگا، جو اب تک مجھے بخوبی یاد ہین اور آیندہ اُن کے دل سے محو ہونے کی امید بھی نہین ہے، یہ

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں لکھے گئے تھے، اور ان کا مفہوم حسب ذیل ہے،

"اورنگزیب ایک اچھا فرمانروا ہوتا اگر قید کرنے کے لئے اس کا باپ نہ ہوتا، قتل کرنے کو بھائی نہ ہوتے اور ظلم کرنے کے واسطے ہندو رعایا نہ ہوتی"

انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ نمونہ ہے اُن زہریلی تحریروں کا جو مسلمان بادشاہوں کے متعلق عام طور پر طالبعلم مدارس میں پڑھتے ہیں، اور جس صورت میں کہ مسلمان لڑکے اُن سے بے انتہا متأثر ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہندو طالبعلموں پر کیا کچھ اثر نہ ہوتا ہوگا اور قدرۃً ہونا بھی چاہئے، برخلاف اس کے کیا کوئی ایسی مثال پیش کیجا سکتی ہے، کہ جہاں اس طرح نفرت انگیز خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، کبھی کسی کتاب میں حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد فرامین سے کسی ایک کا بھی ذکر خیر کیا گیا ہو جس کے ذریعہ سے بنارس کے مندروں اور پانڈوں کے مصارف کے لئے مرحوم نے جاگیریں عطا فرمائیں اور جنمیں سے بعض اب تک باقی ہیں،

جس قوم کے نونہالوں کی تعلیم کی بنیاد اس طریقہ سے رکھی گئی ہو، آگے چل کر اُن کے خیالات مسلمان بادشاہوں اور اُن کی حکومت کے متعلق کیسے ہونگے کیا اس بارہ میں کسی تفصیل کی ضرورت ہے؟ جس قدر آتش غیظ و غضب اور انتقامی جذبات طبیعتوں میں نہ بھڑکیں کم ہیں، اور کس کے مقابلہ میں یہ عملی جامہ پہن سکتے ہیں؟ صرف موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے مقابلہ میں، ادھر کچھ عرصہ سے ہندو مسلمانوں کے اختلافات کے اسباب اور اُن کے رفع کرنے کے مسئلہ پر مختلف پہلوؤں سے تحریری و تقریری مباحث ہوا کرتے ہیں، پبلک کے سربرآوردہ حضرات اور نیز حکومت کے بڑے بڑے افراد ان میں حصہ لیتے ہیں، "دلوں میں تبدیلی" پیدا کرنے کی اصرار کے ساتھ ہدایت اور تلقین کیجاتی ہے، لیکن اصل مرض کی تشخیص اور اُس کے زبان پر لانے کی کوئی ہمت نہیں کرتا، جو زہر بلا مادہ گھٹی کے ساتھ ہی جزو غذا قرار دیا گیا ہو وہ آیندہ اپنا اثر بد کیوں نہ دکھلائے، اور جب تک اس کے ازالہ کی فکر نہ کیجائے تمام تقریریں اور تحریریں میرے نزدیک فضول ہیں، گورنمنٹ پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کی پالسی ہے کہ رعایا میں افتراق پیدا کرکے حکومت کرے وہ غلط سہی لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جو طریقہ تعلیم ہندوستان میں

جاری کیا گیا اس سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ اس پالسی کی بہ نسبت کہین زیادہ دیرپا اور مؤثر ثابت ہوئے ہین،

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس سے واضح ہوگا کہ میری راے مین جب تک اسلامی عہد کی سچی تاریخ نہ لکھی جائیگی اور جس حال مین مسلمانون نے ہندوستان کو پایا اور اُس کی تعلیمی، زرعی، اقتصادی، معاشرتی اور عام طور پر تمدنی ترقی کے لئے جو کچھ نہایت جانفشانی و بے تعصبی کے ساتھ کیا اس کے مشرح اور صحیح حالات نہ لکھے جائینگے موجودہ مرض کا علاج نہین ہو سکتا، فارسی سے تو برادران وطن کو تعلق ہی نہین رہا، اس لئے جو ذخیرۂ معلومات اس زبان مین اس بارہ مین موجود ہے، اس سے استفادہ ناممکن ہے، اردو سے بھی نفرت روبہ ترقی ہے، تاہم مسلمانون کا فرض ہے کہ جس طرح ہو سکے ابتداءً اردو ہی مین اس کمی کو پورا کیا جائے یہ ایک نہایت اہم باشان اور بیحد مشکل کام ہے، اور ایک یا دو شخصون کے کرنے کا نہین ہے، اس کے لئے ایک باقاعدہ جماعت نہایت قابل ولائق بزرگون کی مقرر کی جائے، اور میری راے مین مجلس دار المصنفین سے بہتر و موزون حضرات اس اہم کام کے لئے نہین مل سکتے، اگر جناب والا کو میرے ساتھ اتفاق ہو تو ایک خاکہ دستور العمل کا تیار کر لیا جائے، سات سو سال کے زمانہ کو باعتبار شاہی خاندانون کے تقسیم کر کے یا جس طرح زیادہ مناسب و موزون ہو جناب کی نگرانی مین کام کیا جائے، دستور العمل کے ساتھ ہی مالی ضروریات کا بھی اندازہ کر لیا جائے تاکہ دولتمند حضرات سے امداد کی درخواست کیجائے اور کام شروع ہو سکے،

اس عظیم الشان تصنیف کا انگریزی ترجمہ بھی اشد ضروری ہوگا لیکن اسکا انتظام بعد کو ہوگا مگر ایک مختصر انتخاب سید امیر علی مرحوم کی "ہسٹری آف سارا سنز" کی وضع کا جس کے بعض حصے اسکولون مین اور بعض کالجون مین داخل نصاب ہو سکین، ساتھ ساتھ تیار ہو سکے تو انسب و اولیٰ ہے، بہرحال یہ تفصیلی معاملات ہین جنکا تصفیہ آپ صاحبون کی راے پر منحصر ہے، امید ہے کہ اس تجویز پر جناب غور فرما کر اپنے بیش بہا خیالات سے خاکسار کو مشرف فرمائین گے

اگر جناب اس عریضہ کو معارف میں شائع فرمانا چاہیں تو مجھے عذر نہ ہوگا:- والسلام احقر

(خان بہادر منشی) محمد حسن خان، صاحب

سابق فائنانس منسٹر رام پور

تلخیص و تبصرہ

ایران کا جدید ضابطۂ قانون

دیگر اسلامی ممالک کیطرح ایران میں بھی قانون کی کتابیں پہلے عربی زبان میں ہوتی تھیں اور مجتہدین اُن کا فیصلہ کرتے تھے، مگر اب یہ اختیار وہان کی مجلس دستور (پارلیمنٹ) کو حاصل ہوگیا ہے، اور ان اختیارات کا دائرہ روز بروز زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اب قانون کی نئی کتابیں فارسی زبان میں شائع ہوئی ہیں اور رسالوں کی شکل میں انکی اشاعت کثرت سے کی گئی ہے، حکومت کا ہر شعبہ اپنا علٰحدہ ضابطۂ قانون رکھتا ہے، پارلیمنٹ کو قانون وضع کرنے کا اختیار برابر زیادہ حاصل ہوتا جارہا ہے، مردم شماری، دستاویزون کے اندراج، اور سرکاری دفترون مین نکاحون کے درج کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے علٰحدہ علٰحدہ محکمے قائم کردیئے گئے ہین، سرکاری ضابطۂ قانون کا خلاصہ چار جلدون مین شائع ہوگیا ہے، قانون عامہ کی کتاب مین جائداد، وصیت نامہ، کاروباری شرکت، عدالتی مقدمات، خاص حالات مین ان مقدمات کے فیصلہ کے طریقے، ثالثی کے ذریعہ مقدمات کے فیصل کرنے کے طریقے، ضمانت کا قانون، شہریت کا قانون، فوجداری کا قانون و ضابطہ، یہ سب قوانین مرتب اور مختصر طور پر بیان کردیئے گئے ہین،

غیر ملکی رعایا کے متعلق پہلے یہ قانون تھا کہ وزارت خارجہ کے ارکان تمام بڑے بڑے شہرون اور اہم سرحدی مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے تاکہ ان لوگون کے ملکی قوانین کے مطابق اُن کے نزاعات کا فیصلہ کرین، لیکن اب یہ صورت نہین ہے اور ایران کی تمام رعایا ملکی اور غیر ملکی دونون، قوانین ایران کی پابند ہے، علاوہ اس شکل کے کہ حکومت خود بعض حالات مین انھین کسی قانون کی پابندی سے مستثنیٰ کردے، چنانچہ وہ غیر منقولہ جائدادین جو غیر ملکی رعایا حاصل کرچکی ہے یا حاصل کررہی ہو ہر حال مین ایرانی قانون کے تابع رکھی گئی ہین لیکن ذاتی معاملات اور حقوقِ شہریت مین مثلاً وہ حقوق جو عہد نامہ کی

شرائط کے مطابق تسلیم کئے جاچکے ہین، ایران کی غیر ملکی رعایا اپنے ہی ملکون کے قانون کی تابع اور پابند رہیگی، دستورِ حکومت کی جدید ترمیمات مین درج ہے کہ ایران کی غیر ملکی رعایا کی جان ومال محفوظ ہے، علاوہ اُن صورتون کے جنکی تصریح قانون مین کردی گئی ہے، یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جرائم اور اہم قصورون کے علاوہ اور کسی حالت مین کوئی شخص دفعۃً گرفتار نہین ہوسکتا جب تک کہ اس کی گرفتاری محکمۂ قضا کے صدر کے تحریری حکم سے عمل مین نہ لائی جائے، اور ایسی حالت مین بھی اس شخص کے خلاف جو الزام ہے وہ اسے فوراً سنا دیا جائیگا یا زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹہ کے اندر، اسی طرح قانون کے واضح حکم کے بغیر کسی مکان مین جبری داخلہ بھی نہین ہوسکتا، ایسے قانون بھی وضع ہوگئے ہین جن کے روسے غیر ملکی رعایا ایرانی قومیت کے حقوق حاصل کرسکتی ہے اور اگر چاہے تو اپنی جدید قومیت سے پھر آزاد ہوسکتی ہے،

ایرانی حکومت کا مذہب جعفریہ اثنا عشریہ ہے اور شاہ ایران کو اس مذہب کا پیرو ہونا ضروری ہے، کوئی شخص وزیر حکومت نہین ہوسکتا جب تک مسلمان نہ ہو، ایرانی باشندہ نہ ہو، اور ایرانی رعایا نہ ہو، فاسد عقیدہ کے لوگون کو نہ رائے (ووٹ) دینے کا حق حاصل ہے اور نہ منتخب ہونے کا، البتہ عیسائی، زرتشتی اور یہودی مذہب کا ایک ایک نمایندہ منتخب ہوسکتا ہے لیکن اُسے بھی اپنے مذہب کے عقائد کا صحیح طور پر پابند ہونا چاہئے، حکومت کے بعض ملازمون مثلاً اُن عمال کو جو دستاویزون کو درج کرتے ہین اور حکامِ عدالت کو مذہب اسلام کا پابند ہونا چاہئے،

جدید قوانین مین علوم قدیمہ وجدیدہ اور صنعت وحرفت کی تعلیم کی پوری آزادی ہے، علاوہ اس صورت کے جہان قانون نے صریحی طور پر ممانعت کردی ہو، تمام مدرسے خواہ وہ حکومت کے روپیہ سے قائم ہون خواہ قوم کے چندہ سے محکمۂ تعلیمات کے ضابطہ کے مطابق اسی کے زیرِ نگرانی ہونے چاہئین، محکمۂ تعلیمات سے متعلق جو ضابطہ مرتب کیا گیا ہے اس کی بعض دفعات حسب ذیل ہین:-

(۲) مدارس ومکاتب کا نصاب تعلیم محکمۂ تعلیماتِ عامہ کیطرف سے مقرر کیا جائیگا، اور ان مین دماغی صنعتی اور جسمانی تعلیم کا انتظام ضروری ہوگا،

(۷) غیر مسلم فرقون کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ سرکاری مدرسون مین اپنے مذہب کی تعلیم کا مطالبہ کرین، اسی طرح وہ شریعت اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی مجبور نہین کئے جائین گے،

(۱۰) جو کوئی غیر سرکاری مدرسہ کھولے اُسے مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :-

۱- افسر مدرس کی عمر تیس سال سے کم نہ ہو،

۲- مدرسہ کی عمارت مین حفظانِ صحت کی اُن تمام باتون کی پابندی کیگئی ہو جو محکمۂ تعلیمات کیطرف سے ضروری قرار دیگئی ہین

۳- ابتدائی مدرسہ مین افسر مدرس کے پاس مڈل اسکول کا سرٹفکٹ ہونا چاہئے اور مڈل اسکول مین ہائی اسکول کا

۴- افسر مدرس اپنے عقیدہ یا اخلاق کی خرابی کے لیے بدنام نہ ہو اور نہ کسی جرم مین مبتلا ہو، اسی طرح جن اساتذہ کو وہ منتخب کرتا ہے وہ بھی مذکورۂ بالا شرائط کے پابند ہون اور اس کے علاوہ محکمۂ تعلیمات کا سرکاری سرٹفکٹ بھی رکھتے ہون،

(۱۴) محکمۂ تعلیمات ایسی تمام کتابون کی تعلیم ممنوع قرار دیگا جو اخلاق یا مذہب کے خلاف ہین اور ایسی کتابین کسی مدرسہ مین پڑھائی نہین جاسکتین،

(۲۸) جسمانی سزا تمام مدارس و مکاتب مین ممنوع ہے،

جدید دستور مین تمام مطبوعات کو جو گمراہ کن اور مضرت رسان نہ ہون پوری آزادی حاصل ہے، اگر کوئی ایسی چیز شائع ہو جس سے قانونِ مطبوعات کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ناشر اور مصنف دونون اس قانون کے مطابق سزا کے مستحق ہین لیکن اگر مصنف کوئی مشہور شخص اور ایران کا باشندہ ہے تو ناشر و طابع ذمہ دار نہ ٹھہرائے جائین گے، مصنفون، مدیرون اور مطبعون کے مالکون کے لئے ضروری ہے کہ جب کبھی وہ اسلام کے اصول یا فروع کی نسبت کوئی چیز شائع کرنا چاہین تو پہلے دو فقیہون سے اس کے جائز اور مفید ہونے کی سند نیز محکمۂ تعلیمات کی اجازت تحریری طور پر حاصل کرلین، اگر مذکورۂ بالا اشخاص ان شرائط کی پابندی نہ کرین تو وکیل سرکار کا فرض ہے کہ اس معاملہ کو اس حاکم کے سامنے پیش کرے جو قوانین حکومت کا نگران ہے یا کسی عادل مجتہد کے سامنے لائے اور جب ملزم کا جرم ثابت ہوجائے تو شائع شدہ صفحات پر قبضہ کرلیا جائے اور مصنف، طابع، اور ناشر کو قانونی سزائین دیجائین، محکمۂ تعلیم اور محکمۂ پولیس کے افسرون کو حق حاصل ہے کہ مندرجۂ ذیل صورتون مین اخبارون یا کتابون کو ضبط کرلین :-

۱- اگر وہ اخبار یا کتابین اسلام کے خلاف ہین،

۲-اگر وہ اخبار یا کتابین حکومت کی عزت کو بدنام کرتی ہین،

۳-اگر ان اخبارون یا کتابون سے کوئی ایسا راز جو فوج کی نقل و حرکت یا دوسرے فوجی معاملات سے تعلق رکھتا ہے افشا ہوتا ہو،

۴-اگر کسی مضمون سے عوام مین ہلچل اور امن عامہ مین خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو،

۵-اگر کسی کتاب یا اخبار مین حکومت کے احکام کی مخالفت کی دعوت دیجائے،

۶-اگر کسی اخبار مین کوئی فحش یا گندی روئداد شائع کی گئی ہو،

عام جلسون کے متعلق قانون یہ ہے کہ اگر اُن سے کوئی ہلچل اور خلفشار پیدا نہ ہو تو مملکت کے ہر حصہ مین قائم کئے جا سکتے ہین، لیکن جو لوگ جلسون مین شریک ہون انھین مسلح ہو کر آنا ممنوع ہے اور انھین اُن ضابطون کا پابند ہونا پڑے گا جو قانون نے مقرر کر دیئے ہین،

(م-و-۱۰-۴۴) "ع ز"

کیا سائنس نے ضرورت سے زیادہ ترقی کر لی ہے؟

جب سے مشہور بشپ آرتھر بروز نے سائنس کے ماہرین کی مجلس مین یہ نظریہ بدلائل پیش کیا ہے کہ چونکہ سائنس کی موجودہ ترقیون سے ملک مین بے روزگاری بڑھتی جاتی ہے، اس لئے کم سے کم دس سال کے لئے سائنس کی ترقیون کا سلسلہ روک دینا چاہئے، اُس وقت سے یہ سائنس کے ماہرین کے درمیان غور و فکر کا ایک مستقل موضوع قرار پا گیا ہے، اور سائنس کے علماء کی جوابی تحریرین چھپتی رہتی ہین، گذشتہ ماہ مئی مین انہی صفحات مین "کیا سائنس سے بے روزگاری بڑھ رہی ہے" کے عنوان سے ایک تلخیص شائع کیگئی تھی، جس مین امریکہ کے ممتاز سائنس دانون کی ایک جماعت کے خیالات کی ترجمانی تھی، اس مین انھون نے آخری طور پر اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی کہ کیا دنیا کی موجودہ دشواریان حقیقۃً سائنس کی حد سے زیادہ تیز رفتاری کا نتیجہ ہین؟ ان سائنس دانون نے اس سوال کا جواب بالکل نفی مین دیا تھا، اور یہ بتایا تھا کہ اگرچہ سائنس نے ایسی مشینین ایجاد

کر دی ہین جن سے دستکارون کی تعداد کم ہوگئی ہے، تاہم اس نے جدید صنعتون کی ایجاد سے بے شمار آدمیون کے لئے روزگار بھی فراہم کر دیا ہے، لیکن باوجود اس انکار اور دلیل کے یہ مسئلہ ایک مختتم فیصلہ کا محتاج رہ گیا، اور برطانوی انجمن ترقی سائنس کے اجلاس مین جو امسال ابرڈین (اسکاٹ لینڈ) مین منعقد ہوا تھا پھر اس پر کافی بحث کی گئی، اس بحث مین نمایان حصہ برطانیہ کے مشہور سائنس دان سر جیمس جانس (SIR JAMES JEANS) صدر انجمن مذکور، اور سر جوسیا اسٹیمپ (JOSIAH STAMP) مشہور فاضل معاشیات نے لیا، سر جوسیا نے اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت صرف برطانیہ عظمی کو پیش نظر رکھا اور کہا کہ برطانیہ کی آبادی آیندہ دس سال کے اندر رک جائے گی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ نوایجاد مشینون کے جاری ہونے سے جو مسائل پیدا ہوگئے ہین وہ اور زیادہ پیچیدہ ہو جائینگے، موصوف کو حیرت ہے کہ اہل سائنس اختراعات و اکتشافات کے لئے اس قدر پر جوش نظر آتے ہین، اُن کے خیال مین یہ چیزین خوف کی ہین، کیونکہ ان سے ملک کا اقتصادی توازن مشکل سے قائم رہ سکے گا، وہ تمام علماے سائنس کو یہ بتانا چاہتے ہین کہ اپنی ایجادون کو جاری کرتے وقت انھون نے وقت کے حالات کا بالکل لحاظ نہین رکھا اور اپنے جوش مین بہت آگے بڑھ گئے، موجودہ اقتصادی دشواریان سائنس کی اسی سرعت رفتار کا نتیجہ ہین، ان دشواریون کے رفع کرنے کی شکل صرف یہ تھی کہ اہل سائنس اگر ایک طرف ایسی مشینین ایجاد کرتے تھے جن سے دستکارون کی تعداد مین تخفیف ہو جاتی تھی تو دوسری طرف ایسی صنعتین بھی ایجاد کرتے جن سے بے کارون کو روزگار فراہم ہو سکتا،

سر جیمس، صدر انجمن نے اپنے خطبۂ صدارت مین اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اکثر اشخاص موجودہ تمدنی مصائب کو جن مین بے روزگاری اور خطرۂ جنگ کا بھی شمار ہے سائنس کی تیز رفتاری کا نتیجہ قرار دیتے ہین، لیکن اگر ان کی جانب سے یہ الزام صحیح ہے تو سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے چارہ ہی کیا ہے، کیونکہ جو ملک سائنس کی رفتار ترقی [illegible] وہ جلد اپنی صنعت و حرفت، اپنی معاشی حیثیت، اپنی بحری اور فوجی طاقت، اور اپنے کلچر مین بھی پیچھے ہو جائے گا، موصوف کی رائے مین موجودہ دشواریون کا اصلی سبب سائنس نہین بلکہ خود انسانی فطرت ہے، انسانی

فطرت مین بہت آہستہ آہستہ تبدیلی واقع ہوتی ہے، برخلاف اس کے علوم و فنون تیزی کیساتھ ترقی کرتے جاتے ہین، یہی وجہ ہے کہ ایسکائلس (AESCHYLUS) اور سوفوکلیز(SOPHOCLES) کے ڈرامے اب بھی ہمارے دلون مین گرمی اور سنسنی پیدا کردیتے ہین، لیکن ارسٹارکس (ARISTORCHUS اور ٹولیمی (PTOLEMY) کی سائنٹفک تصنیفات مردہ ہوچکی ہین اور محض تاریخی عجائبات کی حیثیت مین باقی رہ گئی ہین، سائنٹفک معلومات ایک پشت سے دوسری پشت کو منتقل ہوتی رہتی ہین، لیکن فطرتِ انسانی کی خصوصیات اس قدر جلد نہین بدلتین،

یہ صحیح ہے کہ نئی سائنٹفک مشینون کی ایجاد سے کچھ لوگ عارضی طور پر بے روزگار ہوجاتے ہین، لیکن سائنس اس کی تلافی بھی پوری طرح کردیتی ہے، یہ مشینین غریب مزدور کو روح فرسا مشقتون سے آزاد کردیتی ہین اور اس کیلئے فرصت اور تفریح کے زیادہ اوقات مہیا کردیتی ہین، سائنٹفک ایجادین عوام کی آسایش، تفریح، صحت اور دولت مین اضافہ کرتی رہتی ہین، علاوہ برین ان ایجادون کے ذریعہ سائنس جتنے آدمیون کو بادی النظر مین بے روزگار کردیتی ہے اُن سے زیادہ آدمیون کے لئے جدید صنعتون مین روزگار کے وسائل فراہم کردیتی ہے، مثال کے طور پر سر جمیس نے فیراڈے (FARADAY) کی دریافت برقی مقناطیسی امالہ (ELECTRO-MAGNETIC INDUCTION) اور میکسول (MAXWELL) کی اس تحقیق کا ذکر کیا جو ہرٹزین موجون HERTZIAN WAVES) سے متعلق ہے، اور بتایا کہ دریافت و تحقیق دورِ حاضر کی برقی ریڈیو کی صنعتون کی بنیادین ہین جنسے لاکھون آدمی آج اپنی روزی حاصل کررہے ہین، سائنٹفک ایجادون کی قدر و افادہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صرف ایک سائنس دان اڈیسن (EDISON) کے معاشی کارنامون کی قیمت کا تخمینہ تین ارب پونڈ کیا جاتا ہے،

سر جوسیا کی اس تجویز کے جواب مین کہ سائنٹفک ایجادون اور نئی صنعتون کے درمیان جن سے بیکارون کے لئے روزگار فراہم ہوسکے توازن ہونا چاہئے، سر جمیس نے فرمایا کہ ایسا توازن عملاً ایک حد تک ناممکن ہے،

کیونکہ کوئی سائنس دان ابتداءً خود بھی نہیں جانتا کہ اس کی تحقیق و ایجاد سے محض ایک ایسی مشین تیار ہوجائے گی، جسمین کام کرنے والون کی تعداد کم ہوجائے گی یا اس سے کوئی نئی صنعت بھی پیدا ہوسکیگی جو بے روزگارون کیلئے روزگار مہیا کردیگی، سائنس دان صرف اتنا جانتا ہے کہ اگر سائنس کی ترقی بالکل روک دی جائے تو قوم کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ آبادی کو بڑھتا ہوا دیکھے اور اس کے خطرات سے اسی طرح کانپے جس طرح قحط، وبا، اور جنگ کے خطرات سے کانپتی تھی، اور پھر ملک اور اس کی آبادی کے درمیان، توازن قائم کرنے کے لئے ان چیزون کا آنا لازمی ہوجائے گا،

سرجمیس کے نزدیک ان خطرات سے محفوظ رہنے کی اگر کوئی صورت ہے تو یہی کہ سائنس کو اور ترقی دیجائے نہ یہ کہ اس مین تخفیف کی جائے،

(لٹریری ڈائجسٹ)

"ع ز"

ارض القرآن

حصۂ اوّل:- عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد و ثمود، سبا۔ اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم، ضخامت ۴۲۲ صفحے، قیمت عہ؍

حصۂ دوم:-

قرآن مجید کے ان جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار، اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان، اور مذہب پر تفصیلی مباحث،

ضخامت ۴۴۲ صفحے، قیمت ۱۲؍، طبع دوم

"منیجر"

اخبار علمیہ

بجلی کی کڑک

بجلی اور اُس کی کڑک کے اسباب معلوم کرنے کی طرف سائنس دانون نے صرف ایک صدی سے توجہ کی ہے، تقریباً سو برس ہوئے جب انھین پہلی بار معلوم ہوا کہ بجلی ایک برقی شرارہ ہے اور کڑک وہ آواز ہے جو اُس شرارہ سے پیدا ہوتی ہے، اس وقت کے ناقص معلومات سے جو نظریے قائم کر لئے گئے تھے وہ آج عجیب وغریب معلوم ہوتے ہین، لیکن آج بھی کڑک اور گرج سے متعلق بہتیری باتین حل ہونے سے رہ گئی ہین، اور اہلِ سائنس انھین محض ناقص طور پر سمجھ سکے ہین، یہ دریافت نسبتۂ حال کی ہے کہ کسی معمولی طوفان مین برق کی جو مقدار اکٹھا ہوتی ہے وہ اُس مقدار سے بہت کم ہے جو پہلے خیال کیجاتی تھی، برق کی واقعی مقدار جو کسی طوفان مین اکٹھا ہوتی ہے عموماً اُس مقدار سے کچھ ہی زیادہ ہوتی ہے، جو کسی برقی لیمپ سے ایک منٹ مین نکلتی ہے البتہ یہ مقدار حد درجہ تیزی اور قوت کے ساتھ خارج ہوتی ہے، بجلی کی چمک تقریباً پانچ ارب وولٹ (Volts) کے دباؤ سے خارج ہوتی ہے، جس مین عموماً ایک سکنڈ کے ہزارویں حصہ کی مدت صرف ہوتی ہے، وہ طوفان جنمین بجلی کی کڑک اور گرج ہوتی ہے کم سے کم چار قسم کے ہوتے ہین اور وہ سب زیادہ تر ٹمپریچر کے اختلاف اور مختلف بلندیون پر کرۂ ہوائی کے دباؤ سے پیدا ہوتے ہین، چمک اور کڑک کی نسبت جدید تحقیق یہ ہے کہ بادل برق سے بھر جاتے ہین، بعض اس کے ایجابی بار (Positive Charge) سے اور بعض سلبی بار (Negative charge) سے، پھر بادلون مین ایک دوسرے کی طرف خروج (Dis-Charge) واقع ہوتا ہے، اس وقت برقی رو بادلون کی درمیانی فضا مین دوڑ پڑتی ہے اور اُسی وقت

چمک دکھائی دیتی ہے، اس چمک سے ہوا میں ایک سخت حرکت پیدا ہوتی ہے اور جس طرح کسی کوڑے کو ہوا میں تیزی کیساتھ حرکت دینے سے ایک آواز نکلتی ہے ٹھیک اسی طرح کڑک اور گرج کی آواز بھی پیدا ہوتی ہے، پہلی کڑک کی بازگشت جب بادلوں میں پھیلتی ہے تو اس سے پوری گھڑگھڑاہٹ سنائی دیتی ہے، بجلی کا خروج اکثر اوقات بادل سے بادل ہی کی طرف ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی بجلی بادل سے زمین کیطرف بھی آجاتی ہے، بجلی قریب ترین راستہ سے زمین تک پہنچتی ہے، اسی لئے بلند عمارتوں پر اس کی زد کا خطرہ رہتا ہے،

جزیرۂ ایسٹر کے آثار قدیمہ

بحرالکاہل کے جنوبی حصہ میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ایسٹر (Easter) نامی ہے، اسے سب سے پہلے ایک ڈچ امیرالبحر روگیوین (Roggeveen) نے ۶ اپریل ۱۷۲۲ء کو دریافت کیا تھا، اور چونکہ وہ روز ایسٹر کا تھا اس لئے جزیرہ کا نام بھی ایسٹر پڑگیا، اس جزیرہ میں عنقریب سائنس دانوں کی ایک بڑی جماعت جانے والی ہے جو وہاں کی قدیم اور نامعلوم تہذیب کی تلاش و تحقیق کرے گی، جزیرہ کے آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندے بت تراشی کے فن میں خاص امتیاز رکھتے تھے، دو سو برس سے علماے انسانیات و آثار قدیمہ اس جزیرہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں، لیکن اس وقت تک انھیں پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی، اب یہ نئی جماعت پھر اسی مقصد کے لئے وہاں پہنچنے والی ہے، جزیرہ کا رقبہ صرف ۴۵ مربع میل ہے، اور اسکی شکل مثلث نما ہے، اس کے ہر زاویہ پر کوہ آتش فشاں کا ایک دہانہ ہے جو اب خاموش ہے، وہاں کی سب سے زیادہ نمایاں چیزیں پتھر کی بڑی بڑی لاٹیں ہیں جنھیں " Megaliths " کہتے ہیں، یہ تین قسم کی ہیں اور سب بہت لمبی چوڑی ہیں، جزیرہ کے بلند مقامات نیز ان جگہوں پر جہاں سے سمندر اچھی طرح دکھائی دیتا ہے، بڑے بڑے چبوترے بنے ہوئے ہیں، ان کو "آہو" (" ahu ") کہتے ہیں، اب تک ایک سو چبوترے پائے گئے ہیں، ان میں سے سب سے بڑے چبوترے کی لمبائی اس وقت ڈیڑھ سو فٹ ہے، لیکن پہلے ساڑھے چار سو فٹ تھی، چبوتروں سے متصل زمین میں دھنسی ہوئی سنگی چہار دیواریاں ہیں، ان کی دیواروں پر کچھ تصویریں مختلف رنگوں میں بنی ہوئی ہیں، اور کچھ پتھروں

ہی مین تراشی ہوئی ہین، جزیرہ کی سب سے زیادہ عجیب چیزین انسانی مجسّمے ہین جو بہت بڑے بڑے پتھرون کو تراش کر بنائے گئے ہین، ان مجسمون کے کان اور ناکین خصوصیت کیساتھ بہت بڑی بنائی گئی ہین، ایسے چھ سو مجسمے دریافت کئے گئے ہین، سب سے بڑا ستر فٹ لمبا ہے، لیکن وہ اب تک نامکمل پڑا ہوا ہے، سب مجسمے گرے ہوئے ہین یا زمین مین کسی حد تک دھنسے ہوئے ہین، لیکن جب وہ جزیرہ پہلی بار دریافت ہوا تھا اس وقت بہتیرے مجسمے ساحل کے کنارے سمندر کی طرف پشت کئے ہوئے کھڑے تھے، ان مجسمون کی اوسط لمبان تیس سے چالیس فٹ تھی اور وزن تقریبًا پچاس ٹن تھا،

مارکونی اور عقیدۂ ایمان،

اٹلی کے مشہور عالم سائنس دان مارکونی نے وینس کی ایک علمی انجمن مین جسمین آٹھ نوبل انعام پانے والے ممتاز اشخاص بحیثیت سامعین کے شریک تھے، رازِ حیات کے مسئلہ پر تقریر کرتے ہوے فرمایا کہ "یہ مسئلہ ان تمام مسائل مین جو ذہن انسانی کے سامنے آئے ہین سب سے زیادہ مستقل اور اہم ہے . . . . اور اسے حل کرنے مین سائنس کی معذوری قطعی طور پر ثابت ہے، اگر ایمان کا عقیدہ نہ ہوتا تو یہ مسئلہ حقیقۃً نہایت ہی ہراسان کر دینے والا ہوتا" موصوف نے اعتراف کیا کہ علماے سائنس جہانتک کائنات کا راز دریافت کر سکے ہین، انھون نے یہی پایا ہے کہ اسرار و رموز کا ایک لامتناہی سمندر اب بھی سامنے ہے،

ریڈیم کی شفابخشی،

ریڈیم مین زخم کو مندمل کر دینے کی قوت بالکل اتفاقی طور پر دریافت ہوگئی، ایک پروفیسر صاحب ایک ٹیوب مین تھوڑا سا ریڈیم بند کرکے اپنی جیب مین رکھے ہوئے تھے، تین ہفتے کے بعد انھون نے دیکھا کہ جیب کے پاس جلد کا ایک حصہ بری طرح سے جل گیا ہے، اسی وقت اُن کے ذہن مین یہ خیال گذرا کہ سرطان کو جلانے مین ریڈیم کاسٹک سے زیادہ کارآمد ہوگا، چنانچہ اس کا تجربہ کیا گیا، اور یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا،

لکنت کا ایک سبب

ڈاکٹر نائٹ ڈنلپ (امریکہ) نے رسالہ "سائنس" میں اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ بچون کو اگر معقول غذا نہ دیجائے، خصوصاً ان کی غذا مین اگر گوشت کی کمی ہو تو وہ آگے چل کر لکنت کے شکار ہو سکتے ہین، بڑون مین جو لوگ لکنت کرتے ہین اُن کی نسبت دیکھا گیا ہے کہ وہ اکثر ترکاری زیادہ کھاتے ہین اور گوشت کم،

یہود کے بعض اعداد و شمار

اس وقت یہود کی سب سے بڑی تعداد ممالک متحدہ امریکہ مین ہے جہان ان کا شمار (۳۸۰۰۰۰۰) ہے، پولینڈ مین ان کی تعداد (۲۸۰۰۰۰۰) اور برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ مین (۳۰۰۰۰۰) ہے،

سنیما دیکھنے والون کی تعداد

برطانیہ عظمیٰ مین ہر ہفتہ دو کرور سے زاید آدمی سینما دیکھنے جاتے ہین، تمام دنیا کے سینما دیکھنے والون کی ہفتہ وار تعداد کا اوسط چودہ کرور ہے،

اپنی قسم کی تنہا ریلوے

چالیس ٹرینین جنین نہ ڈرائیور ہوتے ہین نہ گارڈ لندن کی سڑکون کے نیچے ہر گھنٹہ چلا کرتی ہین، یہ ٹرینین ڈاک نہ کی ہین، اور ان مین صرف خطوط اور پارسل بھرے ہوتے ہین، یہ سڑک کی سطح سے اسّی میل نیچے تقریباً سات میل لمبی سرنگ مین چلتی ہین اور ہر روز تیس ہزار سے زاید ڈاک کے تھیلے لے جاتی ہین، یہ ریلوے اپنی قسم کی تنہا ریلوے ہے،

برطانیہ مین نئی کتابون کی اشاعت

برطانیہ مین نئی کتابون کی اشاعت کا سالانہ اوسط چودہ ہزار سے کچھ زائد ہے،

"ع ز"

ادبیات

کلامِ طاہر

از جناب نواب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء سید علی حسن خانصاحب طاہرؔ بھوپال ہوس لکھنؤ،

چشمِ خونابہ فشان سوختہ جانم دادند فرصت از کشمکشِ ہرد و جہانم دادند
بالبِ لعلِ کسے ذوقِ نہانم دادند شعلۂ آتشِ خاموش بجانم دادند
دل ربودند و غمِ عشق بجانم دادند انچہ بردند ز من خوشتر ازانم دادند
مستیِ حسنِ ازل بود ز ساقی ہوسم جرعہ از بادۂ قدسی نفسانم دادند
خار در پیرہنِ ناز مبادا ایخلد بہ نہان ہمچو لبِ زخم فغانم دادند
در تنم جان نگہ ہوش ربائے تو دمید زہر می خواستم آبِ حیوانم دادند
در و دیوار برقص آید و صوفی در وجد نغمۂ ولولہ انگیز فغانم دادند
یادِ نورِ رخ او بود بہ شبہائے فراق لیلۃ القدر بماہِ رمضانم دادند
دفترِ کون و مکان قابلِ افہام نبود فہمِ رمزِ نگہ پیرِ مغانم دادند
بیخودی تا نہ شود پردہ درِ رازِ غمش دلِ خود رفتہ و آشفتہ بیانم دادند

دردِ سر بود خمارِ مئے عشرت طاہرؔ
از سرورِ غمِ او رطلِ گرانم دادند

خونِ جگر

از جناب جگر مراد آبادی

ایک ناتمام غزل

تم اس دلِ وحشی کی اداؤں پہ جانا اپنا نہ رہا جو وہ کسی کا نہ رہے گا،
اے عشق یہی ہے، جو تنک بخشیِ ساقی کیا حسن بھی سیرابِ تمنا نہ رہے گا
مٹجائے گی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت تیرا بھی کوئی نقشِ کفِ پا نہ رہے گا
اللہ یہ ساون کی گھٹائیں یہ ہوائیں کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا
وہ لاکھ مٹاتے رہیں دنیاسے تمنا کہتے ہیں جسے دل کبھی تنہا نہ رہے گا،
ما نا لبِ نازک کو وہ تکلیف نہ دینگے آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا
اس دل کو تباہ تو ہے شائستۂ حرمان کہتے ہیں انھیں یہ بھی گوارا نہ رہے گا

جامِ صہبائی

از جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی رئیس سیالکوٹ

جب ہمتِ اہلِ دل سنبھل جاتی ہے تقدیر سے تدبیر کی چل جاتی ہے،
گر صدقِ طلب ہو، اور شمشیرِ عمل تقدیر بھی لے دوست بدل جاتی ہے

ایسا ہی رہے گا، اور ایسا ہی رہا، دل گرمِ تلاش و ناشکیبا ہی رہا!
وہ کیا جو، یہ کیا ہوا، یوں کیوں نہ ہوا رہ رہ کے یہ دردِ دل میں اٹھتا ہی رہا

دل گنجِ جمال جسم ویرانہ ہے، اجڑے ہوئے میکدہ میں پیمانہ ہے،
یہ دل نہیں میرے آب وگل کے اندر زندان میں اسیر کوئی دیوانہ ہے،

جب آئینہ دل کا رو برو ہوتا ہے، جلوہ تیرا ہی ہو بہو ہوتا ہے،
یون غرقِ جمال ہو جاتا ہون مین ہوتا کہان ہون تو ہی تو ہوتا ہے،

مکالمۂ تدبیر و تقدیر

از جناب مولانا کیفی چریاکوٹی، ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد

تدبیر:-

ایک دن تدبیر نے تقدیر سے ہنس کر کہا کائناتِ دہر مین کوئی نہین میرے سوا
علت و اسباب مین ہے میری قدرت کی نمود اور ہستی کی یہ دونون ابتدا اور انتہا
قوتِ ایجاد کیا ہے، ؟ میرے منشا کا وجود عالمِ تخلیق کیا ہے ؟ اک اشارہ ہے مرا
جب اشارے سے مرے ہو جاتی ہین چیزین بہم اک نئی شے ان سے ہو جاتی ہے خود جلوہ نما
آبِ صافی سے ملاتی ہون شکر سے جس گھڑی اس سے شربت روح پرور رنگ لاتا ہے جدا
تاج و تختِ سلطنت بھی سب ہے مرا دستِ کرم جنگ مین ہے نام میرا فتح و نصرت کا لوا
الغرض ہر چیز مین دنیا کی ہے میرا ہی رنگ عالمِ اسباب کا مجھ سے ہے کل نشو و نما،
صاف مین کہتی ہون منہ پر سننے والے سُن رکھین جس نے منہ پھیرا ہے مجھ سے وہ تباہی مین پڑا
رہبری میری، رسائیٔ منزلِ مقصد کی ہے اور جو پیرو ہین تیرے ہین وہ بزدل برملا
دیکھ لے قرآن، "مدبر" نام ذاتِ حق کا ہے حکم میرا مانتی ہے قلب صانع کی رضا،

تقدیر:-

سُن چکی تقدیر، جب تدبیر کا لاف و گزاف ہنس کے یہ کہنے لگی اے خود پسند و خود نما!
تونے سمجھا ہی نہین ہے، آجتک رازِ وجود ہر حمک کا نام نادانی سے سونا رکھ لیا

تیری چشمِ ظاہری باطن کی تہ مین کور ہی
ظاہری اسباب کے امراض مین ہو مبتلا

نام شربت جس کا رکھا تونے ای غفلت شعار
اسمین جو تاثیر ہے، میری ہے وہ جود و عطا

دل مین جو ٹھنڈک پہنچتی ہے وہ میرا فیض ہے
جان شیرین کے لئے بن جائے ورنہ سنکھیا

ہے مری محتاج وہ ترکیب جس کا نام ہے
حکم سے میرے مرکب مین ہے تاثیر و جلا

تونے کیا دیکھا نہین اکثر مریضون کیلئے
وہ قضا بنتی ہے جس کا نام رکھتے ہین دوا

اس کے آگے اور سن تو اپنے گوشِ ہوش سے
تو عمل انسان کا ہے، اور مین حکمِ خدا،

بندۂ ایمان ہین جو رہتے ہین میرے کاربند
بوالہوس کہتے ہین جن کو تو ہے ان کا مدعا

تونے جنگ بدر مین دیکھی نہین قوت مری
چند جانبازون نے ملک کفر مین کیا کر دیا

کفر کی جانب تھا سب کچھ ساز و سامان وجود
اور ادھر اسلام کی جانب فقط نام خدا

تو کہان تھی اوس گھڑی دنیا مین ای عالم فریب
کفر کی لاشون سے جب میدان سارا بھر گیا

ایک اندھا جا رہا تھا جب شب تاریک مین
پاؤن کی ٹھوکر لگی اس کو خزانہ مل گیا،

یہ عمل میرا تھا اس کی رہنمائی مین نے کی
تونے اس کی کیا مدد کی تھی مجھے نادان بتا

مین ادھر حکم خدا ہون، اُس طرف قول رسول
کون ٹھہرا ہے مطاع دو جہان ان کے سوا

ہے خدا بیشک مدبر اس کی بھی تشریح سن
ہے مگر تدبیر اوس کی حکم اوس کا بر ملا،

تونے ان قومون کو بھی دیکھا ہے ای ظلمت پسند
ظاہری اسباب نے جن کو جہان سے کھو دیا

مین نہ ہون تو کام تیرے جتنے ہین ابتر رہین
حسن مین تیرے ہے جو کچھ ہے وہ میری ہی ضیا

تونے اے تدبیر! پھیلایا ہے وہ دام فریب
اسمین بندہ پھنس کے ہو جاتا ہے آقا سے جدا

گرچہ ذرہ ہر زمین ہمچو قمر تابندہ ایست
کیفیا در نسبت خود مہر را او بندہ ایست

بالتقریظ والانتقاد

تحفۂ سامی

مؤلفہ شہزادہ سام میرزا صفوی، مطبوعۂ دار الفنون پٹنہ، بہ تصحیح مولوی اقبال حسین ایم اے، پی ایچ ڈی، صفحات ۱۸۵،

ایران کی صفوی حکومت کے دور مین جو اہلِ کمال پیدا ہوئے، اُن کے حالات مین شہزادہ سام میرزا صفوی نے تحفۂ سامی کے نام سے ایک متوسط الحجم کتاب ۹۵۷ھ مین لکھی تھی، اس دور کے اہلِ کمال کے لئے یہ ایک بیش قیمت ذخیرہ ہے، کتاب سات صحیفون پر منقسم ہے، **اوّل** شاہ اسمٰعیل صفوی اول اور اسکی اولاد اور معاصر سلاطین کے حالات مین، **دوم** ساداتِ عظام کے احوال مین، **سوم** کم گو شعرار کے تذکرہ مین، **چہارم** وزرار اور اربابِ قلم کے ذکر مین، **پنجم** اُن شعرار کے حال مین جو اپنے تخلص سے مشہور ہین، **ششم** ترکون اور اُن کے شعرار کے سوانح مین، اور **ہفتم** بقیہ عوام کے ذکر مین،

چونکہ یہ کتاب اس دور کے مشاہیر اور اصحابِ کمال کے سوانح اور صفویون کی علمی تاریخ کی تفصیلات کا نادر ذخیرہ ہے، اس لئے یہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران جلد چہارم مین جب سے اسکا توصیفی حوالہ دیا ہے، ہمارے نوجوان ادیبون کے حلقہ مین بھی اسکا اعتبار ہوگیا، چنانچہ اسی اثر سے متاثر ہوکر پٹنہ یونیورسٹی نے مولوی اقبال حسین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی کو اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ کیلئے متعین کیا، مولوی صاحب نے بڑی محنت سے اس کام کو انجام دیا، اور سب سے پہلے صحیفۂ پنجم کو جسمین مشہور شعرار کے حالات ہین شائع کیا،

اس کتاب کو پٹنہ کے ساتھ خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہان کی مشہور مشرقی لائبریری مین اس کے دو سب سے قدیم نسخے موجود ہین، کتابِ مذکور ۹۵۷ھ مین تالیف ہوئی ہے اور ۹۸۴ھ مین اسکا مصنف قتل ہوا ہے، اور پٹنہ کے پہلے نسخہ (نمبر ۲۰۹) کی تاریخ ۹۶۸ھ اور دوسرے نسخہ (نمبر ۲۱۰) کی ۹۷۱ھ ہے، یعنی یہ دونون نسخے مصنف کے عہدِ حیات

کے ہین، پہلا اس کے قتل سے سولہ سال اور دوسرا تیرہ سال پہلے لکھا گیا ہے، مجلۂ کابل (۳۹-۲-۷) سے معلوم ہوا کہ اسکا ایک تیسر قدیم نسخہ جسکو مٹینہ کے دوسرے نسخہ کے ایک سال بعد ۹۶۲ھ مین خواجہ نور محمد کاتب نے لکھا ہے، کابل مین موجود ہے، اس کا ایک نسخہ حبیب گنج علیگڈھ کے کتبخانہ مین ہے جو ۹۸۶ھ مین لکھا گیا ہے، فاضل معاصر اورنٹیل کالج میگزین نے فروری ۱۹۳۴ء کے رسالہ مین اس کتاب کے ساتون صحیفون کا ایک مختصر خلاصہ جن دو نسخون پر مبنی کرکے شائع کیا ہے، اُن مین سے ایک پروفیسر آذر (لاہور) کا مملوکہ ہے وہ ۹۹۶ھ مین لکھا گیا ہے، دوسرا جو پروفیسر شفیع صاحب (لاہور) کے پاس ہے وہ ۱۱۹۷ھ کا لکھا ہوا ہے، اس کا ایک صحیح نسخہ جو افسوس ہے کہ ناقص الطرفین ہے حکیم مظفر حسین صاحب (چھتہ بازار حیدرآباد دکن) کے پاس ہے، حیدرآباد دکن ہی مین دوسرا عمدہ نسخہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ مین ہی،

اس کتاب کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس مین ارباب کمال کے صنائع اور پیشون کا بھی اکثر ذکر کیا گیا ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوی دور مین علم و فضل گداگری کا ذریعہ نہ تھا، بلکہ اہل علم و ادب اپنے ہاتھون کی کمائی کھاتے تھے، اسی حقیقت کو یون بھی ظاہر کرسکتے ہین کہ اُس زمانہ مین فضل و کمال کی وسعت صرف امرار و اشراف اور خاندانی لوگون کے اندر محدود نہ تھی بلکہ معمولی پیشہ ور اور اہل حرفہ بھی علم و ادب اور فضل و کمال مین پورا پورا حصہ لیتے تھے، ہم ذیل مین صرف صحیفۂ پنجم سے ان اہل ہنر پیشہ ور علما، و شعرا، کی فہرست دیتے ہین جس سے اس عہد کی علمی وسعت کا اندازہ ہوگا،

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
بنّائی	معمار	حیدر	نانبائی (کلیچہ پز)
درویش دہکی	نورباف	مولانا ابدال	عطار
شوقی یزدی	کاتب	شاہ حسین ساقی	میوہ فروش
بابا نصیبی	حلوافروش	مولانا نیسکی	ندّاف
مانی شیرازی	سونار	ہلالی ہمدانی	درزی
.نی مشہدی	کمہار	میرزا احمد امنی	سونار

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
آگہی یزدی	درزی	رفیقی تبریزی،	مطرب،
گلشنی کاشانی	مشک فروش	غزالی ابہری،	باورچی (طباخ)
قدیمی	نقاش	یاری تبریزی	خردہ فروش
غزالی	ابریشم فروش	نباتی تبریزی	نقاش و لاجوردشو
طفیلی	معمار	رسوائی ہمدانی،	کاتب
نوری تبریزی	سقا و شہد فروش	خاتمی تبریزی،	کتاب فروش،
قوسی تبریزی	کمانگر	مولنا حاضری سمنانی	تاجر
مولنا فنونی	جلد ساز (صحاف)	مولنا میرزائی	معمار
صبوحی شیرازی	کرباف	فتحی تبریزی	مشک فروش
دفائی سبزواری	والاباف	فتحی قزوینی	دکاندار (بیاع)
فردی	علاقہ بند	قانعی قزوینی	حکاک
عشقی تبریزی	کتابہ نویس	بزمی قزوینی	موچی (کفش دوز)
حاصلی تبریزی	ابریشم فروش	جدیدی قزوینی	خردہ فروش
عزیزی قزوینی	پوستین دوز	مولنا دائمی	لوہار (آہنگر)
فصیحی تبریزی	تکمہ بند	گلیمی	خطاط
فقیری عراقی	یخنی پز	مولنا کشوری	خطاط
صیرفی کور تبریزی	صراف	کحلی شیرازی	کحال
نازکی تبریزی،	تاج دوز	ماشیخی کرمانی	نقاش

نام شاعر	نام پیشه	نام شاعر	نام پیشه
عشرتی قلندر	جلد ساز	ذاتی لاری	صحاف
روحی ساوجی	تاجر	مولنا ظریفی	خورده فروش
ملا جان کاشی	خوش نویس	آگهی تبریزی	سوزن گر
جمالی	کرباس فروش	مولنا غیبی	کاتب
مولنا غیاث فصیحی	تاجر	صفاتی تبریزی	کاغذ فروش
مولنا محمود صبری	کاتب	مولنا ذہنی	سیراب پز
مولانا صفاتی	لوہار (کاردگر)	پاکی غلامی،	حجام (سرتراش)
مولانا سرودی	مغنی	فنائی مشهدی	گھاس گھرا (علاف)
فیضی یزدی،	تیلی (عصار)	شوقی جوشانی،	تیرگر،
مولنا نگاہی	کاتب	رضائی گنگ	کاتب
حفظی طهرانی،	معمار	مولنا بیانی	تاجر
ہمدامی رازی	تیلی (عصار)	مولنا زینی مشهدی	تیلی (روغن گر)
لطفی شیرازی	صراف	مولنا ہجری کاشانی،	شمشیرگر،
مولانا مجلد	جلد ساز	مولنا یمنی	شمشیرگر
شرطی	تاجر	مولنا شکیبی	زرکش
شمسی	زین ساز (سراج)	نیازی،	نیمچه گر،
واصلی تبریزی	ابریشم فروش	مولنا غواصی خراسانی	خرده فروش
فکری استرآبادی	صحاف	ملا بیگ مشکی تبریزی،	مشک فروش،

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
مولانا عنایت	تاجر	مولنا نعمت ،	تاجر
ہدایت اللہ	تاجر	مولنا نظام	کتابہ نویس

۲- دوسری بات اس کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس صفوی عہد کے شعراء میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی خاصی تھی جو بقول مصنف "بے قید و بے تعین" تھے، جس سے مقصود یہ ہے کہ وہ دین و معاشرت کے رسوم و آئین سے الگ ہوکر قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے،

۳- اس عہد میں شراب نوشی کے علاوہ افیون خوری اور بھنگ نوشی کی عادت بھی لوگوں میں پھیل چکی تھی، سلامی اصفہانی ایک شاعر تھا، اس کے حال میں ہے،

"از بسیار خوردن افیون نزدیکست کہ جان بقابض ارواح بسپارد، ص۱۲۶،

ایک دوسرا شاعر جنونی گیلانی ہے، اس کے تذکرہ میں ہے،

"از خوردن افیون بسیار از دائرۂ انسانیت بیرون رفتہ" ص۱۳۵،

ایک اور شاعر کلامی خانی تھا، اس کی بھنگ نوشی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ آگ بگولا رہتا تھا، ص۱۵۳،

۴- مسکرات کے ساتھ امرد پرستی کا ذوق بھی نمایاں معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسین لڑکے فروخت بھی ہوتے تھے، میرم سیاہ شاعر کے حال میں ہے:-

"مردے بے تعین و خوش مشرب بود، بلکہ شراب را بمذہب ترجیح می داد و اوقات او اکثر بہزل و فسق صرف می شد و اشعار او اکثر باین طور ہست و چون ہمیشہ طالب پسران سہل البیع بود و این متاع در ماوراءالنہر بیشتر بدست می افتاد روی بر آن دیار نہادہ آنجا فوت شد" ص۹۶،

فانی تبریزی کے احوال میں ہے،

"پیوستہ با جوانان سادہ معاشرت می نمود،" ص۱۱۱،

رقیبون مین باہم کھلے بازار مقابلے ہوتے تھے، اور عشاق مارے جاتے تھے، جفائی استرابادی کے ذکر مین ہے

"مرد تیم و عاشق پیشہ و شب گرد بود، روزے رقیبے بدو رسید، با یکدگر بنیاد عربدہ کردند، و ہر دو کارد و تیغ برہم کشیدہ بزخم بید ریغ از پاے در آمدند" ص۱۲۲،

ایک صاحب ابدال تھے، جو عطاری کرتے تھے، اور ساتھ ہی دل فروشی بھی کرتے تھے، ایک جوان خوشرو کے عشق مین دیوانہ ہوگئے، ص۲۳ ایک نوخط شاعر لالی تبریزی تھے، جنکے حسن کے صدقہ مین شعرا ان کو شعر لکھ دیتے تھے، مگر

چون ریشش سر برزد دیگر از شعر دم نزد" ص۱۲۵،

رات کے ساتھ دن، اور ظلمت کے ساتھ نور بھی ہوتا ہے، چنانچہ ایسے اصحاب کی بھی کمی نہین جو زہد و تقویٰ اور دینداری سے متصف تھے،

وسعت تمدن کا دوسرا اثر دولت کی کثرت کی صورت مین نظر آتا ہے، فانی تبریزی کے تذکرہ مین ہے کہ اس کی دولت کا یہ حال تھا کہ ہزار تومان ایک دفعہ اس نے دوسرے کو قرض دیا تھا، ص۱۱۱

شاعرانہ اوصاف کے لحاظ سے اس عہد مین دو نئی باتین معلوم ہوتی ہین، چونکہ صفویون نے اپنی سلطنت کی بنیاد تشیعیت پر رکھی تھی، اس لئے بہت سے ایسے شاعر پیدا ہوگئے تھے جنکی شاعری کا موضوع صرف مدح اہلبیتؓ تھا، غالباً یہی صنف بڑھکر خالص مرثیہ گو شعرا کی تخلیق کا باعث ہوئی، اور اس صنفِ سخن کے لیے "منقبت" کی اصطلاح مقرر ہوئی،

اصنافِ سخن مین متاخرین کے یہان شہر آشوب ایک قسم ہے جسمین کسی شہر کی بربادی اور پریشان حالی کی داستان یا وہان کے باشندون کی ہجو لکھی جاتے، اس صنفِ سخن کا آغاز بحیثیت فن اسی عہد سے معلوم ہوتا ہے، آگہی خراسانی کے حال مین ہے،

"و شہر آشوبے جہت سکانِ ہرات گفتہ" ص۶۸،

حرفی اصفہانی کی نسبت ہے،

"بگیلان رفت و شہر آشوبے جہت مذمت آنجا و مردم آنجا گفت" ص۱۴۳

واحدی قمی کے تذکرہ مین ہے،

اما از جہت تبریز شہر انگیزے گفتہ ص۵۵،

گب نے اپنی تاریخ "عثمانی شاعری" (عثمانی ترکی شاعری) مین لکھا تھا کہ یہ صنف پہلے ترکی مین پیدا ہوئی، مگر پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ادبیات ایران مین تحفہ کے حوالہ سے اس کی تردید کی، اور بتایا کہ فارسی مین یہ اس زمانہ مین پیدا ہو چکی تھی، محشی نے اپنے حاشیہ مین ان دونون مستشرقین کے ان نظریون کا ذکر کیا ہے، لیکن اگر یہ سچ ہے کہ امیر خسرو المتوفی ۷۲۵ھ نے پیشہ ورون کی ہجو ملیح مین جو اشعار کہے ہین، ان کا نام و عنوان "شہر آشوب" رکھا ہے[1]، تو اس صنف سخن کی ایجاد کی تاریخ اس سے دو سو برس پہلے سے شروع ہو گی،

زیر نظر حصہ (صحیفۂ پنجم) مین سب سے پہلے مولانا جامی کا ذکر خیر ہے، اور ان کے بعد مشاہیر اہل سخن مین سے ہلالی، ہاتفی، بابا فغانی، اہلی شہیدی قمی، شاہ قاسم انوار محفی رشتی وغیرہ ہین، صحیفہ پنجم دو مطلعون پر منقسم ہے، پہلا مطلع مشاہیر کے حال مین ہے، اور دوسرا عام شعرا کے ذکر مین،

تحفہ کی زبان نہایت سادہ اور شیرین ہے، عبارت رواں، اور بیشتر تکلفات سے بری ہے، جہان عبارت مقفی بھی ہے، تو آورد سے پاک ہے،

اشعار کے انتخابات اچھے ہین، سنین سے عموماً تغافل برتا گیا ہے، تاہم بعض بعض شاعرون کے احوال مین سنین لکھے بھی گئے ہین،

مولوی اقبال حسین صاحب جنھون نے اس حصہ کی تصحیح و اشاعت کی خدمت انجام دی ہے، ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے فارسی ادب کے دلدادون کیلئے یہ اچھا تحفہ پیش کیا ہے، کتاب ٹائپ مین چھپی ہے، اور جہانتک ہماری نگاہ نے کام کیا ہے اس مین اغلاط گویا نہین نظر آئے ہین، اور یقیناً یہ بڑی دیدہ ریزی کا کام ہے، موصوف کے نسخہ کی بنیاد بانکی پور لائبریری کے دو نسخے ہین، ان کے علاوہ دوسرے نسخے ان کو ہم نہین پہنچ سکے، غالباً بانکی پور لائبریری کے نسخون

[1] جواہر خسروی مؤلفہ امیر خسرو مرتبہ مجلس نواب اسحاق مرحوم، ذکر مثنوی شہر آشوب،

کی موجودگی مین کسی دوسرے نسخہ کے حصول کی ضرورت انھون نے نہین سمجھی،

جن شعرا کے حالات دوسرے تذکرون مین بھی پائے جاتے ہین، مصحح و محشی نے اُن کے حوالے متن کتاب کے نیچے انگریزی مین دیدیئے ہین، آخر مین شعرا اور اُن کے احوال کے صفحات کی فہرست ہے، شروع مین ایک مختصر مقدمہ فارسی مین، اور سب سے آخر مین اسی مضمون کا مقدمہ انگریزی مین ہے، مقدمہ تو خیر مگر حواشی کے انگریزی مین لکھنے کی مصلحت معلوم نہین ہوئی،

مولنٰا جامی کے ایک رسالہ کا نام اس مین "شرح حدیث ابی ذر عقیلی" چھپا ہے، صلا، غالبًا "عقیلی" کے بجائے "غفاری" صحیح ہوگا،

پٹنہ کے جن دو نسخون سے اس کتاب کی اشاعت عمل مین آئی ہے، چونکہ وہ مصنف کی وفات سے بہت پہلے کے ہین، ممکن ہو کہ مصنف نے بعد کو اپنی زندگی ہی مین کچھ اور اضافے کئے ہون، اسلئے ضرورت ہو کہ بعد کے نسخون سے بھی مقابلہ کرلیا جائے،

"س"

شعر العجم

حصہ اوّل

فارسی شاعری کی تاریخ جسمین شاعری کی ابتدا عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات اور اسباب پر مفصل بحث کیگئی ہے اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعرا (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت: سے

حصۂ دوم:- شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت: عہ

حصۂ سوم، شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابو طالب کلیم تک) مع تنقید کلام، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

صولتِ شیرشاہی، مرتبہ جناب سید احمد مرتضیٰ صاحب نظر نصیرآبادی، ناشر کانفرنس بک ڈپو، سلطان جہان منزل، علی گڈہ، ۲۰۰ صفحے قیمت:- عہ

یہ شیرشاہ کے مکمل سوانح اور اوس کے عہدِ حکومت کی تاریخ ہے، لائق مصنف نے اسمیں خاندانِ سور کے آغاز سے اسکی حکومت کے زوال تک کے حالات جامعیت اور اختصار کے ساتھ لکھے ہیں، اور شیرشاہی عہد کی سیاسی، علمی اور تمدنی ترقیوں کو دکھایا ہے، اور ایک مستقل باب میں اُن اعتراضوں کے جواب دئے ہیں، جو شیرشاہ پر کئے جاتے ہیں، مصنف نے عہدِ شیرشاہی کی یہ تاریخ پورے جوش و خروش اور ولولے کے ساتھ لکھی ہے، اسلئے اپنے ہیرو کی مدافعت کے جذبہ میں کہیں کہیں اعتدال قائم نہیں رہا ہے، اور تاریخ کی بعض نامور ہستیوں کی نسبت تیز فقرے نکل گئے ہیں، اسی طرح واقعات پر اظہارِ رائے میں ہیرو کی جانب مصنف کے میلانِ طبع اور اس کے حریف ہمایوں کی طرف سے بے محل سوءِ ظن کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً ایک ہی قسم کے واقعات شیرشاہ اور اوس کے حریف ہمایوں سے دو مختلف موقعوں پر سرزد ہوتے ہیں، مگر موردِ الزام صرف ہمایوں قرار پاتا ہے، چنانچہ چنارگڈہ کی فتح میں ہمایوں کے ایک ذمہ دار افسر نے خودرائی سے شیرشاہ کے تین سو گولانداز دنکے ہاتھ قلم کرا دیے، مصنف نے لکھا "ہمایوں نے سوائے معمولی تنبیہ و تہدید کے اس خلاف ورزی کی پاداش میں کوئی قابلِ عبرت سزا نہ دی" (ص ۴۴) دوسری طرف شیرشاہ کا ایک افسر آگرہ کی فتح کے بعد شہر میں قتلِ عام کرتا ہے، سینکڑوں شہری بے قصور مارے جاتے ہیں، یہاں مصنف کے نزدیک شیرشاہ کا اپنے افسر کو معاف کر دینا لائق ستایش ٹھہرتا ہے، چنانچہ لکھا، کہ "شیرشاہ ...... نے سمجھا یا کہ غیر جنگی و شہری لوگوں کو قتل کرنا آئینِ جنگ کے قطعی مخالف ہے، ہر مزید گور نے معذرت کی، شیرشاہ نے معاف کر دیا" (ص ۶۳) کتاب کا اختصار ایک نمایاں وصف ہے،

مگر کہیں کہیں اس اختصار سے تسلسل بے ربط ہو گیا ہے، مثلاً ص ۱۱۴ پر ہے، کہ قطب خاں پسر شیر خان بطور یرغمال ہمایوں کے سپرد کیا گیا، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب نئی جنگ چھڑی تو وہی قطب خاں چنار گڈھ کا قلعہ دار ہے (ص۱۳۴) ان دونوں زمانوں کے درمیان شیر خان کے یہاں قطب خان کی واپسی دکھانی چاہئے تھی، اسی طرح اگر کسی واقعہ کے متعلق دو مختلف قسم کی روایتیں ہیں، تو مصنف نے ان دونوں کو حزم و یقین کے ساتھ نقل کر دیا ہے (ص۱۴۰) حالانکہ ان میں سے کسی ایک کو متن میں درج کرنا تھا، یا قولِ راجح کی جانب اشارہ کر دینا تھا، عمارات کے ذکر میں دہلی کے شیر گڈھ کی عمارات شیر منڈل، مسجد جامع اور حصار وغیرہ کا محض سرسری ذکر ہے، جو اس سے زیادہ کا مستحق تھا، پھر شیر شاہ کے وطن سہسرام کی عمارات اور مقبرۂ شیر شاہ کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا،

شیر شاہ ہندوستان کا بیدار مغز فرمانروا گذرا ہے، جس نے محض چند سالہ دورِ حکومت میں نہ صرف سیاسی بلکہ تمدنی و عمرانی کارنامے حیرت انگیز طور پر انجام دئے، وہ ہماری بڑی توجہ کا مستحق ہے، مصنف نے اپنے امکان بھر اسکی خدمات نمایاں کئے ہیں، اور اس وقت تک اردو میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اوس میں یہ کتاب بسا غنیمت ہے،

عقدِ ثریا، تذکرۂ ہندی گویان، ریاض الفصحا،

از غلام ہمدانی مصحفی، مرتبہ مولوی عبد الحق صاحب بی اے، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن حجم بہ ترتیب ۶۳، ۲۸۳، ۸۰،۳ صفحے قیمت بہ ترتیب مجلد عہ، عار، عکر،

انجمن ترقی اردو شعراء کے تذکروں کی اشاعت کی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہے، اس سلسلہ کی آخری کڑی مصحفی کے تین تذکروں کی اشاعت ہے، ان میں سے عقدِ ثریا فارسی گو شعراء کا تذکرہ ہے، اس کا سال تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے، اس میں تین قسم کے شعراء کا ذکر آیا ہے، اول شعرائے ایران جو کبھی ہندوستان نہیں آئے، دوسرے جو ہندوستان آئے، اور تیسری قسم ہندوستانی فارسی گو شعراء کی ہے، دوسرا تذکرۂ ہندی گویان، یعنی شعرائے اردو کے تذکرہ میں ہے، اسکی تصنیف کا سالِ اختتام ۱۲۰۹ھ ہے، تیسرے تذکرہ کا نام

تذکرۃ الفصحا ہے، یہ گویا تذکرۂ ہندی گویاں کا تتمہ یا ضمیمہ ہے لیکن حجم میں اپنے پہلے حصہ سے بڑھ گیا ہے اسکی تصنیف کا زمانہ ۱۲۲۱ھ ہے مصحفی کے ان تذکروں میں ان کے ان ہمعصر قابل ذکر شعراء کا ذکر جن سے وہ واقف ہوسکے تھے آگیا ہے، اسلئے یہ ایک ایسے دور کی اردو شاعری کا آئینہ ہے جب اردو شاعری کو ایک خاص رتبہ حاصل ہوچکا تھا، مولوی عبد الحق صاحب بی اے نے ان تینوں تذکروں پر ایک مقدمہ لکھا ہے، جو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ منسلک ہے، اس مقدمہ میں مصحفی کے سوانح حیات خصوصًا جو ان تذکروں سے معلوم ہوتے ہیں، لکھے ہیں، اور ان تذکروں کی حیثیت واضح کی ہے، اور دکھایا ہے کہ یہ تینوں تذکرے اردو کے مستند قابل قدر تذکرے ہیں جنہیں مصنف نے اپنے ذاتی رجحانات تعصبات، اور شاعرانہ چشمکوں سے بلند رہ کر اپنے مخالف و حریف شعراء تک کے متعلق منصفانہ اور ایماندارانہ رائیں لکھی ہیں، اسلئے ان تذکروں کی اشاعت سے اردو کے تذکروں میں ایک عمدہ اضافہ ہوا ہے، ان کی زبان اس زمانہ کی روش کے مطابق فارسی ہے،

تذکرۂ گلزار ابراہیم مع تذکرۂ گلشن ہند، مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری، زور صفحہ ۲۹۶

قیمت: عہ، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

علی ابراہیم خان خلیل کا تذکرۂ گلزار ابراہیم اور اُس کا اردو ترجمہ گلشن ہند مرزا علی لطف، دونوں اردو شعراء کے مشہور تذکرے ہیں، یہ معلوم ہے، کہ مرزا علی لطف نے گلزار ابراہیم کے تمام شعراء کو گلشن ہند میں درج نہیں کیا تھا، پھر دوسری طرف لطف نے مختلف شعراء کے متعلق اپنے ذاتی معلومات بھی بڑھائے تھے، اسلئے یہ دونوں تذکرے اپنی جگہ اپنا منفرد وجود قائم کرچکے تھے، لیکن یہ امر واقعہ تھا، کہ ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے مکمل نہیں سمجھا جاسکتا تھا، ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اسی ضرورت کا احساس کیا اور جدید ترتیب و تہذیب کے ساتھ ان دونوں نسخوں کو ملاکر یہ نیا مجموعی نسخہ تیار کیا، شعراء کا ذکر اوسی طریق پر بہ ترتیب حروف تہجی ہے، ہر شاعر کے نام پر بہ ترتیب نمبر قائم کیا ہے، اس کے متعلق پہلے گلزار ابراہیم کی عبارت، پھر گلشن ہند میں دوسرا جو اضافہ ہے، وہ درج کیا ہے، اور اگر اس کا ذکر صرف گلزار ابراہیم میں ہے، اور گلشن ہند نے اوس کو چھوڑ دیا ہے، تو گلزار ابراہیم کی عبارت نقل

کردی ہے، اور جہان کوئی اضافہ نہیں، لکھدیا ہے کہ کوئی اضافہ نہیں، گلزار ابراہیم میں شعراء کے جو انتخابی اشعار تھے، انکی تعداد لکھکر اکثر چھوڑ دیا ہے، اگر یہ اشعار بھی لکھ دئے جاتے، تو مناسب ہوتا، اس طرح حجم میں چند صفحات کا اضافہ ضرور ہوجاتا، مگر یہ ایک کارآمد اضافہ ہوتا، مرتب نے اپنے مقدمہ میں دونوں تذکروں پر فاضلانہ نظر ڈالی ہے، اور دونوں کے فرق کو واضح کیا ہے، اور آخر میں اشاریہ (انڈکس) لگا دیا ہے، گلشن ہند کے مطبوعہ نسخہ کا مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ بھی موجود ہے،

تاریخ مرثیہ گوئی مرتبہ مولوی حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانسن کالج آگرہ، ناشر گیا پرشاد اینڈ سنز تاجر کتب آگرہ ص ۴۲،

مصنف نے اس مختصر رسالہ میں مرثیہ گوئی کی عہد بعہد کی تاریخ لکھی ہے، اور ہر عہد کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے، اور ان پر مختصر نقد کیا ہے، مصنف کے پیش نظر موازنۂ انیس و دبیر رہی ہے، اکثر مباحث اوسی سے ماخوذ ہیں، لیکن جس اختصار اور ترتیب کے ساتھ مصنف نے ان کو مرتب کیا ہے، اوس سے امید ہے، کہ اردو ادب کے طلبہ کیلئے یہ رسالہ دلچسپ اور کارآمد ہوگا،

روزنامچۂ یورپ از راجکمار راجہ خواجہ پرشاد بہادر ص ۲۳۹، مطبوعہ نستعلیق ٹائپ، دار الطبع سرکار عالی، حیدرآباد دکن،

راجۂ راجایان ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہ صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی کے خلف الرشید راجکمار راجہ خواجہ پرشاد بہادر اپنے والد بزرگوار کے حسب ہدایت اپنے سفر یورپ کا روزنامچہ ان کے پاس ہر روز بھیجا کرتے تھے، واپسی کے بعد ان روزنامچوں کا مجموعہ روزنامچہ سفر یورپ کے نام چھاپا گیا ہے، اسمیں راجکمار ممدوح نے انگلستان، فرانس، اٹلی، ٹرکی وغیرہ ممالک کی سیاحت کے واقعات اور اپنے روزمرہ کے مشاغل کو انتہائی سادگی و بے تکلفی کے ساتھ قلمبند کیا ہے، نستعلیق ٹائپ کا جو نمونہ حیدرآباد میں تیار ہوا ہے، اوسی میں یہ کتاب چھپی ہے،

مبادی فلسفہ حصّہ دوم از مولانا عبد الماجد دریابادی ص ۱۵۱، تقطیع چھوٹی، قیمت عمر، نیجر صاحب دار المصنفین، اعظم گڈھ،

مولانا عبد الماجد دریابادی کے فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ مجموعہ مبادی فلسفہ کے نام سے گذشتہ سال شائع

ہوا تھا، اب یہ اوسی کا دوسرا حصہ نکلا ہے، جس میں مختلف موضوعون پر سات مضامین ہین، مثلاً واجب الوجود اور حکماے جرمنی، حکماے ہند کا فلسفہ، جذبات، مذہب ارتقائی نقطۂ نظر سے وغیرہ، مضامین مولانا ے موصوف کی پچھلی زندگی میں ملک کے مختلف علمی رسالون میں چھپے ہیں، اور اب ان سب پر اونھوں نے نئے سرے سے نظر ڈالی ہے، جس سے یہ پہلے سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہوگئے ہین، مولانا ے موصوف اردو میں فلسفۂ جدید کو روشناس کرانے والون میں شرف اولیت رکھتے ہیں، امید ہے کہ مبادی فلسفہ کے یہ حصے ملک میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائینگے،

تعلیم و نفسیات، از جناب محمد ظہور الدین احمد ایم اے، پروفیسر فلسفہ اسمٰعیل کالج اندھیری، ص ۴۵، قیمت ۱۰؍

یہ ایک تحریری خطبہ ہے، جسے فاضل خطیب نے بمبئی کارپوریشن کے اردو مدرسوں کے اساتذہ کی کانفرنس میں پڑھا تھا، اس میں جامعیت و اختصار کے ساتھ تعلیم اور طلبہ کے نفسیات پر بحث کی ہے، پہلے تعلیم کے اغراض بتا کر ذہن اور نفسیات کے مختلف شعبون اور کیفیتوں کو نمایاں کیا ہے، پھر تعلیم کے علمی و عملی پہلو علٰحدہ علٰحدہ کھولکر بیان کئے ہیں، رسالہ اپنے موضوع کے لحاظ سے دلچسپ اور پر از معلومات ہے،

فوائد بدریہ مؤلفہ جناب قاضی بدر الدولہ مرحوم ص ۱۴۴، قیمت ۸؍ پتہ مولوی عبد النظیم مکان جناب عبد الرؤف جام باغ ترپ، بازار حیدرآباد دکن،

قاضی بدر الدولہ مرحوم جنوبی ہند کے مشہور صاحب علم مصنف گذرے ہیں، فوائد بدریہ سیرت نبوی میں ان کی ایک ضخیم تصنیف ہے جسمیں سوانح و حالات کے علاوہ سیرت پاک کے مختلف نبوی خصوصیات وغیرہ پر بھی مباحث ہین، کتاب کی زبان آج سے یک صدی پیشتر کی جنوبی ہند کی اردو کا نمونہ ہے،

صبغۃ اللہ، مصنفہ جناب شیخ غلام محمد احمد صاحب ایم اے ایم او ایل، ص ۱۴۸، قسم اوّل عہ و دوم ۸؍ نیاز بک ایجنسی محلہ جولانکہ جموئی، توئی،

تصوف اسلامی پر پروفیسر نکلسن اور براؤن وغیرہ مستشرقین نے جو کچھ لکھا ہے، اوسے دیکھ کر مصنف کو اسلامی

تصوف کی حمایت میں قلم اٹھانے کی ضرورت پڑی، اور ایک وسیع سلسلۂ تصنیف کا آغاز کیا، صبغۃ اللہ اس کی پہلی کڑی یا پہلا مقدمہ ہے، جس میں مستشرقین کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے، کہ اسلامی تصوف کا ماخذ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب و ادیان ہیں، مصنف نے بدلائل اس رسالہ میں صوفیانہ عقائد کو کتاب و سنت سے ماخوذ بتایا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ محض چند آیات و احادیث کو اساس بتا کر کلیتہً یہ کہنا صحیح نہ ہوگا، کہ اسلامی تصوف کے مختلف فرقوں اور مسلکوں میں سے کسی فرقہ و مسلک کے عقائد و طریق ریاضت وغیرہ میں عجمی عقائد و تعلیمات کی آمیزش نہیں ہوئی،

سلطان الہند، از جناب امین الدین خاں مفتوں اجمیری ص ۸۰ تقطیع چھوٹی، قیمت: ۲ر

مکتبہ ابراہیمیہ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے محامد و مناقب کے منظوم بیان میں ہے، اور آخر میں چشتیون کے ذریعہ سارے ہندوستان میں روحانی فیوض کے پھیلنے کا ذکر ہے،

معجزۂ قرآن مجید، مؤلفہ مولوی ادریس احمد صاحب ہڈماسٹر اسلامیہ اسکول بریلی تقطیع خورد ص ۱۴۴، قیمت: غیر مجلد عہ مجلد ۱۲

اسکولوں کے مسلمان طالب علموں اور بچوں کیلئے دلچسپ مذہبی کتابوں کی ضرورت نہایت شدید ہے، مگر عموماً ادھر توجہ نہیں کی جاتی، علما کی تحریریں اس باب میں اسلئے موثر نہیں ہوتیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے ہم آہنگ نہیں ہوتیں، مولوی ادریس صاحب کو جنھیں تعلیم کا پرانا تجربہ ہے، اور جن کا اکثر زمانہ اسلامی اسکولوں کی ہڈماسٹری اور نگرانی میں گذرا ہے، مدت سے اس کا خیال تھا، کہ اسکولوں کے مسلمان طلبہ کی مذہبی تعلیم کے لئے کوئی مفید کام کیا جائے۔

ہمارے مذہبی عقائد و اعمال کی جان قرآن مجید ہے، مولوی صاحب نے اس رسالہ میں قرآن مجید کے اعجاز پر مختلف مضامین کو یکجا کیا ہے، اور ہر رنگ کے پھولوں سے ایک نیا گلدستہ تیار کیا ہے، تاکہ ہمارے بچے اور نوجوان طالب علم اس سے اپنے مشام جان کو معطر کریں، امید ہو کہ طلبہ اس سے فائدہ اوٹھائیں گے، اور قرآن پاک

کی اصلی عظمت کو جو اس کے ساتھ عقیدتِ قلبی اور پھر اوسکے مطابق عمل کرنے میں ہے، پوری طرح سمجھیں گے۔

التنقید السدید علی التفسیر الجدید، از مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی ص ۴۸، دفتر النجم لکھنؤ،

یہ رسالہ مولوی عبد الحیٔ صاحب فاروقی، استاذ جامعہ ملیہ کے رسائل تفسیر پر ایک نظر کی حیثیت رکھتا ہے، اسمیں چند ایسے مسائل پر موصوف کی تفسیر سے اختلاف کیا گیا ہے، جو عقیدۂ اہلِ سنت کے خلاف نظر آئے،

کاویہ علی الغاویہ از جناب آسی ص ۱۶۴، عہ، انجمن خدام الحنفیہ، ہاتھی گیٹ امرتسر،

یہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مذہبی ادعاؤں کے جواب و تردید میں ایک مبسوط تصنیف ہے مصنف نے محنت و کاوش سے اپنے فرض کو انجام دیا ہے،

التقریر الاسلم فی توضیح المسلم از مولوی محمد شریف صاحب اعظم گڈھی، ص ۱۶۶، قیمت: عہ، سلیمانی پریس بگا گھاٹ، بنارس،

مسلم الثبوت، اصول فقہ میں ایک مشہور و متداول کتاب ہے، جو عربی مدارس کے نصاب میں عموماً داخل ہے، مولوی محمد شریف صاحب نے اسکی شرح فارسی زبان میں لکھی ہے، اور آخر میں کتاب کے مسائل سوال وجواب کی شکل میں مرتب کردئے ہیں، اچھا ہوتا کہ رسالہ کی زبان فارسی کے بجائے اردو ہوتی،

سمندر کا عجائب خانہ، از مولوی سید محمد عسکری جعفری ص ۱۴۰، ۱۲ر مکتبہ جامعہ قرول باغ دہلی

اس رسالہ مین طلبہ کیلئے سمندر کے جانور نباتات قیمتی اشیا کے حالات اور علم البحر کے عام فہم مسائل دلچسپ انداز بیان میں جو بچوں کیلئے دلآویز ہوگا، لکھے گئے ہیں،

رباعیاتِ انگر، مرتبہ مولوی محمد احمد ندوی، ص ۸۰، تقطیع چھوٹی، ۸ر مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی،

جناب امداد حسین صاحب انگر مرادآبادی کی رباعیاں معارف مین کبھی کبھی چھپتی رہی ہین، رباعیاتِ انگر انکی منتخب رباعیوں کا مجموعہ ہے، مرتب نے شاعر کے حالات لکھے ہیں، اور مولوی عبد الحق صاحب بی اے نے کلام پر تبصرہ کیا ہے

آئینۂ حسن، از جناب رسا ہمدانی گیاوی ایڈوکیٹ کیرانی گھاٹ گیا ص ۱۲۰، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

یہ جناب رسا کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے، کلام صاف، ستھرا، روان اور شگفتہ ہے، شروع میں جناب رسا کے خاندانی حالات اور کلام پر تبصرہ درج ہے،

بہار، از جناب الیاس احمد صاحب ایم اے، منصف عدالت یو پی، ص ۲۴۳ چھوٹی تقطیع،

قیمت: عمر، پتہ:- منیجر صاحب دار المصنفین اعظم گڈھ،

چند سال گذرے جناب الیاس احمد صاحب ایم اے، ہمارے شہر اعظم گڈھ میں اپنے عہدۂ منصفی کے فرائض انجام دیتے تھے، تقریباً ہر اتوار کو شبلی منزل تشریف لاتے، کبھی لوگوں سے ملتے جلتے، مگر اکثر کتبخانہ کے کسی گوشہ میں بیٹھکر اردو ادبیات کی الماری سے کچھ نکال کر پڑھتے رہتے، اور حسب ضرورت کتابیں مستعار لیجاتے، آدمی خلیق، کم سخن، متین، اور منکسر مزاج تھے، کبھی اون کے کسی آیندہ عزم کا اظہار نہیں ہوا، یہانتک کہ وہ اس شہر سے تبدیل ہو کر چلے گئے، اسکے بعد یہ پتہ چلا کہ اسی یکشنبہ کی فرصت میں اونھوں نے اپنے ذوق کا پورا سامان نہ صرف خود فراہم کر لیا، بلکہ اوسے اسطرح آراستہ و پیراستہ کر دکھایا کہ ایک گلدستہ بنکر بہار کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے، یہ دراصل اردو کے صدہا دواوین اور تذکروں کے مطالعہ کا نچوڑ ہے، عشق و عاشقی کے مختلف کیفیات اور جذبات کو علیحدہ علیحدہ عنوانوں میں درج کیا ہے، پھر اونھیں اس طرح مرتب کیا ہے، کہ کسی شخص کے آغاز عشق سے اسکی تباہی و بربادی تک کے تمام منازل و مناظر کی مصوری ہو جائے، انتخاب اشعار میں شعرا ے قدیم و جدید کسی کی تخصیص نہیں ہے جس کا جو شعر پسند آیا وہ اپنے محل پر درج کر دیا گیا، کہیں کہیں فارسی اشعار بھی ہیں، امید ہے عشق و محبت یا شعر و شاعری کے ذوق رکھنے والے اس گلدستہ کو دلچسپی سے دیکھا جائیگا، دو چار مقام پر شعرا کے ناموں اور شعروں کی نسبت میں اگر مسامحت ہو گئی ہے تو قابل معافی ہے،

تاریخ دکن کی دلچسپ حکایات، حصہ اول از جناب سراج الدین صاحب طالب صفحہ

قیمت ۲ار، پتہ:- جناب سید جلال ید اللہی تاجر کتب جھتہ بازار، حیدرآباد، دکن،

اس میں دکن کی تاریخ کے مختصر واقعات صفحہ دو صفحہ میں بچوں کیلئے لکھے گئے ہیں، یہ رسالہ دکن کے مدارس میں داخل ہونیکے لائق ہے،

دارالمصنفین کی ادبی کتابین

شعر الہند حصۂ اوّل، جس مین قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۴۴۵ صفحے قیمت:۔ للعہ، از مولنا عبدالسلام ندوی۔

حصۂ دوم۔ جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:۔ للعہ

گلِ رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۵ صفحے، قیمت:۔ صہ، از مولنا سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم؛

مکاتیبِ شبلیؒ۔ مولنا شبلی مرحوم کے دوستون عزیزون، شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ جس مین مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی نکات ہین، یہ درحقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصۂ اوّل ضخامت ۴۴۹ صفحے، قیمت:۔ عہ/ ۱۲

حصۂ دوم ضخامت ۱۲۰ صفحے قیمت:۔ عہ/ ۱۲

موازنۂ انیس و دبیر (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو مین فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیون کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو مین اپنے فن مین یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت سے ؍ر

کلیاتِ شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمین، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت:۔ ۸ر

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ٭ ، حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس مین ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز مین بیان کی گئی ہے ۲ر کے ٹکٹ بھیجکر طلب کرین، از مولنا ریاست علی

[illegible]

[illegible]

[illegible] اسلامی حکومت کا قیام [illegible]

حکومت کے [illegible]

صاحب [illegible]

[illegible] تاریخ [illegible] اسلامی [illegible]

[illegible]

جلد نمبر [illegible] دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ

مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ

تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم: منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کی پیغمبرانہ کام، اسلام اور اُس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت باختلاف کاغذ [illegible] روپے، تقطیع کلان۔

خیام: خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، صفاری رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث، و آخر میں خیام کے چھوٹے چھوٹے فارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے۔ خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور محققانہ اور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت [illegible] صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد [illegible] مجلد [illegible]۔

ارض القرآن حصہ اول: عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت [illegible]

ارض القرآن حصہ دوم: قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت [illegible]، طبع دوم۔

عرب و ہند کے تعلقات: عرب و ہند کے علمی، تجارتی [illegible]

خطبات مدراس: یہ وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈیمی الٰہ آباد میں دیئے وہ خوبصورت اردو ٹائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت [illegible] ضخامت [illegible] صفحے۔

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم): ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب، فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت [illegible] روپے۔

حیات امام مالکؒ: امام مالک کی سوانح عمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک پر تبصرہ، طبع دوم، ضخامت [illegible] صفحے، قیمت [illegible]

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ: فرقہ اہل السنت والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق اور مختلف مسلمین کے عقائد کی تشریح، طبع دوم، قیمت [illegible] حجم [illegible] صفحے۔

لغات جدیدہ: عربی زبان کے اضافے، رسائل تصنیف اور بول چال میں ہر روز نئے نئے الفاظ پیدا ہوگئے ہیں جن کے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب میں اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا [illegible] طبع دوم، قیمت [illegible] ضخامت [illegible] صفحے۔

دروس الادب: [illegible] عربی کی پہلی اور دوسری ریڈریں جن کو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کے لیے اس طرح لکھا ہے کہ [illegible] [illegible]

جلد ۳۴	ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء	عدد ۶

مضامین

شذرات

اسلامی ہند کی مکمل تاریخ،

ہندوستان مین مسلمانون کی آمد اور سلاطینِ اسلام کی بادشاہی وحکومت اور مسلمانون نے اس ملک کو جو ترقی دی، اور یہان جو تمدن پیدا کیا ان سب کی ایک مفصل ومکمل اسلامی تاریخ کی ضرورت تاریخی، علمی، قومی، سیاسی ہر حیثیت سے روز بروز بڑھتی جاتی ہو، لیکن یہ کام اسقدر اہم ہو کہ اسکو صرف شخصی ہمت سے انجام دینا مشکل ہو، ارباب نظر کی نگاہین اس کے لیے دار المصنفین پر پڑ رہی ہین، دار المصنفین نے اب تک اس خدمت کے انجام دینے سے اسلئے پہلوتہی کی، کہ اس کیلئے گرانقدر مصارف کی ضرورت ہو، جس کے لئے اسکا موجودہ سرمایہ کافی نہین، اس کام کیلئے اسکو جو ضرورت درپیش ہو، اسکا مختصر خاکہ حسب ذیل ہو:

۱۔ تاریخ ہند کے غیر مطبوعہ قلمی نسخون کی فراہمی نقل اور ہو سکے تو خریداری،

۲۔ تاریخ ہند کی جو مطبوعہ کتابین ہمارے پاس نہین اُن کو حاصل کرنا،

۳۔ یورپین زبانون مین قدیم یورپین سیاحون نے مغلون کے عہد کے احوال لکھے ہین، یا آجکل انگریزی مین ہندوستان کی جو قابلِ ذکر تاریخین لکھی ہین، ان کو خرید کر یا ہدیہ لیکر حاصل کرنا،

۴۔ مرہٹون اور سکھون نے اپنے اپنے عہد کے جو تاریخی مواد فراہم کئے ہین، اُن کو جمع کرنا،

۵۔ مختلف کتبخانون مین ہندوستان کی تاریخ کے متعلق جو نادر قلمی کتابین موجود ہین، سفر کرکے اُن کا مطالعہ کرنا اور اُن سے معلومات فراہم کرنا،

۶۔ کتاب کی ترتیب وتدوین کے لئے چند لائق اشخاص کے خدمات کو مناسب معاوضہ پر حاصل کرنا،

۷۔ تیار شدہ جلدون کو چھاپکر شائع کرنا،

خیال ہے کہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کو پندرہ حصون مین تقسیم کیا جائے،

حصۂ اوّل، آغاز اسلام سے غزنویون کی پیدائش تک،

حصۂ دوم، غزنویون کا عہد،

حصۂ سوم۔ غوریون سے لیکر حکومت غلامان کے خاتمہ تک،

حصۂ چہارم، خلجی و تغلق،

حصۂ پنجم، از آمد تیمور تا خاتمۂ خاندان لودھی،

حصۂ ششم، بابر سے خاندان سوری تک،

حصۂ ہفتم، ہمایون بار دوم سے جہانگیر تک،

حصۂ ہشتم، شاہجہان سے عالمگیر تک،

حصۂ نہم، بہادر شاہ اوّل سے بہادر شاہ ثانی تک،

حصۂ دہم، بہمنیہ و عادلشاہیہ وغیرہ سلاطین دکن،

حصۂ یازدہم، گجرات و مالوہ و خاندیس۔

دوازدہم، کشمیر و ملتان و سندھ،

سیزدہم، جونپور و بنگال و دیگر متفرقات،

چہاردہم، اسلامی ہند کا آخری دور نظامت حیدرآباد و مرشد آباد و عظیم آباد، و اودھ و روہیلکھنڈ و میسور و ارکاٹ

پانزدہم، ہندوستان مین اسلامی تمدن کی تاریخ،

اگر ان پندرہ جلدون مین سے ہر جلد کی ترتیب و تالیف پر کم از کم پانچ سو اور چھپائی پر بھی اسیقدر لاگت کا تخمینہ کیا جائے تو پندرہ جلدون پر پندرہ ہزار سے کم خرچ نہ آئیگا، اور کتابون کی خریداری و بہم رسانی کا خرچ دو ہزار بھی رکھا جائے تو مجموعہ سترہ ہزار روپیہ ہوتا ہے، ہماری قوم مین ایسے ارباب ہمت موجود ہین جو اس عظیم الشان کام کے لئے سترہ ہزار یکمشت

خدا کا بول بالا ہو، اور اب اسلئے جنگ کرنے لگے کہ سلطان وقت کے مقبوضات کا دائرہ وسیع ہوتا جائے، اونھون نے بڑی بڑی مملکتین فتح کین، اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی روشنی سے تمام عالم کو منور کیا، اور ایسی عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں، جنکی نظیر سے دوسری قوموں کی تاریخ خالی ہے، دنیا ان کے اسی دور کو ان کے عروج و کمال کا دور قرار دیتی ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ عروج ہی اُن کے زوال کا پہلا قدم تھا، اسی عروج نے دنیوی جاہ و عظمت کا وہ جذبہ انکے اندر پیدا کر دیا جس نے تھوڑے ہی دنون مین نصب العین کی حیثیت حاصل کر لی، اور خدا کے وہ بندے جنکی حیات و ممات پہلے تمام تر اپنے خالق کیلئے تھی، اب مادی قوت و اقتدار کے دلدادہ ہو گئے،

اس انقلاب حال کا سب سے زیادہ مہلک اثر یہ ہوا کہ دلوں سے اللہ کی خشیت و محبت رخصت ہونے لگی، اور اسکی جگہ تخت و تاج کا رعب اور قومی عظمت و حشمت کی وابستگی پیدا ہو گئی، مسلمان جب تک مادی حیثیت سے ترقی کرتے رہے، یہ زہر خاموشی کے ساتھ اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا، اور اوس کے مظاہر رونما نہیں ہوئے، لیکن جب دنیا کی اور قومون کی طرح ان کے مادی عروج و کمال کا زمانہ بھی ختم ہو گیا، اور ان کے اندر بھی انحطاط و زوال شروع ہوا تو اس زہر کے اثرات ظاہر ہونے لگے، صدیون تک قومی حشمت و جاہ کی پرستش سے اللہ واحد القہار کے جلال و جبروت کا احساس حد درجہ کمزور ہو گیا تھا، اور دلون میں صرف مادی قوتون کا رعب و استیلا راسخ تھا، اسلئے جب اپنی قوت کا خاتمہ ہو گیا، اور دوسری قومون نے غلبہ حاصل کر لیا تو قوت و اقتدار کے پرستارون نے جنکی پیشانیان ایک طویل مدت سے اسی بُت کی چوکھٹ پر گڑی ہوئی تھین، اپنے نیاز و تعبد مین کوئی فرق پیدا ہونے نہ دیا، اور اپنی وفاداری پر بدستور قائم رہے،

مادی قوت و اقتدار کا یہی رعب آج ملت اسلامیہ کا سب سے زیادہ شدید مرض ہے، مسلمانون کی سابقہ عظمت کے مقابلہ مین ان کی موجودہ طاقت کچھ بھی نہیں ہے، برخلاف اس کے مغرب اپنی ترقی کے دور شباب سے گذر رہا ہے، اسکی تہذیب و تمدن کی برقی روشنی کے سامنے مسلمانون کی آنکھیں جو نور حقیقی کی تجلیات سے محروم ہو چکی ہین خیرہ ہو رہی ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں، کہ مغرب کا تسلط آج تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے، اور حربی قوت کے علاوہ علوم و فنون

اور تہذیب و تمدن میں بھی اسکی حکمرانی روئے زمین کے ہر حصہ پر تسلیم کر لی گئی ہے، پس جن دلون مین صدیون سے مادی اقتدار کے رعب نے آشیانہ بنا رکھا ہو اُن کیلئے مغرب کے تسلط سے مرعوب ہونا محل تعجب نہیں، بلکہ توقع کے عین مطابق ہے، جو لوگ اس بات پر حیرت کرتے ہین کہ مسلمان اپنی اسلامی تہذیب کی خوبیون کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے والدادہ ہو رہے ہین، وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہین کہ اسلامی تہذیب تو مسلمانون نے اُسوقت چھوڑ دی تھی، جب مغرب اپنی وحشت اور بربریت کے دور سے بھی نہین گذر چکا تھا، اصل یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کا مفہوم ہی عموماً غلط سمجھا جاتا ہے، اسلامی تہذیب کا دور خلافت راشدہ کے اختتام پر ختم ہو گیا تھا، اس کے بعد مسلمانون نے جس تہذیب کو فروغ دیا، وہ حقیقۃً اسلامی تہذیب نہ تھی، بلکہ اسلامی اور عجمی تہذیب کی ایک ایسی آمیزش تھی، جس سے ملت اسلامیہ کی روح حریت کہ بمنزلہ متاع اصلی کے تھی فنا ہو گئی،

غرض مغرب کا یہی رعب آج دنیائے اسلام کی بنیادی کمزوری ہے، اور اسی کو دور کرنا وابستگان دامن نبوی کا اولین فرض ہے، مصلحین امت نے بارہا اسکے لئے کوششین کین اور اب بھی اپنے اپنے دائروں کے اندر اور اپنے اپنے حوصلہ و ہمت کے مطابق کرتے جاتے ہیں، چنانچہ اس موضوع پر تقریرون اور تحریرون کا ایک وافر ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، خصوصاً ہندوستان مین جہاں مسلمانوں کا احساس دینی بہ مقابلہ دیگر ممالک اسلامیہ کے زیادہ بیدار ہے، لیکن "مغرب زدگی" کی ایک شامت یہ بھی ہے، کہ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ جماعت کیلئے کوئی چیز اسوقت تک قابل اعتنا نہیں ہوتی، جب تک وہ مغربی لباس سے آراستہ نہ ہو، اور اس عموم مین ہمارے ملک کے نوجوانون کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے، اسلئے ضرورت تھی کہ انگریزی زبان میں جو تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں کسی نہ کسی حد تک رائج ہو چکی ہے، اور ہندوستان مین ثانوی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، ایک ایسی کتاب لکھی جائے، جسمین مسلمانون کے اصلی مرض کی تشخیص اور اسکے علاج کا صحیح طریقہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہو، پیش نظر تصنیف "اسلام اون دی کروس روڈس" (ISLAM ON THE CROSSROADS) اس ضرورت کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کرتی ہے، اس کا لائق مصنف محمد اسد (LEOPOLD WEISS) آسٹریا کا

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحبِ قلم ہے، جس نے دس بارہ سال ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت میں گذارے ہیں، اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کا نہایت غور وفکر سے مطالعہ کیا ہے، اس نے ان کی ماضی کی تاریخ اور لٹریچر پر بھی گہری نظر ڈالی ہے، اور پھر ان کی موجودہ بدحالی کے حقیقی اسباب وعلل کی جستجو بھی کی ہے، اسی دوران میں ہادی مطلق نے اُس کے قلب کو اپنے انوارِ ہدایت سے منور فرمایا، اور قبولِ اسلام کے شرف وامتیاز سے سربلندی بخشی، اسلام کی عظمت کا سچا احساس جو اس نو مسلم کے قلم سے ظاہر ہو رہا ہے، وہ اکثر سیزدہ صد سالہ مسلمانوں کے لئے عبرت وموعظت کا سبب ہوسکتا ہے،

تمام دنیا کی طرح اسوقت دنیائے اسلام بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہی ہے، یہاں بھی قدیم رسوم اور خیالات غائب ہو رہے ہیں، اور ان کی جگہ جدید خیالات رونما ہو رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی کا یہ انقلاب جو ترقی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حقیقۃً مسلمانوں کو کہاں لے جا رہا ہے، اور یہ "ترقی" اسلام کے مقاصدِ عالیہ سے کہاں تک مطابق ہے؟ مسلمانوں کے سامنے اس وقت سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے، کہ تہذیبِ مغرب سے متعلق اُن کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے،

فاضل مصنّف نے یہ حقیقت پالی ہے کہ اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے بنیادی اصول یکسر مختلف ہیں، اور دونوں میں تطابق پیدا کرنا قطعی طور پر ناممکن، اسلامی تہذیب کی بنیاد تمامتر مذہب پر قائم ہے، یہاں مذہب سے مراد محض وہ "عبادت" نہیں جو مخصوص ریاضتوں تک محدود ہے، مثلاً نماز یا روزہ، بلکہ اوس کا وسیع دائرہ انسان کی تمام عملی زندگی کو محیط ہے، یہی اسلام کا وہ مختص مقام ہے، جو اسکو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے، ہماری زندگی کا واحد مقصد خدا کی عبادت ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن. اور خدا کی عبادت نام ہے ان چند در چند اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا جو خالص مذہبی ریاضتوں کے علاوہ محض انسان ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہیں، عبادت کے مفہوم میں اس نقطۂ نظر سے ہماری زندگی کے تمام بڑے اور چھوٹے کام شامل ہیں، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن.

برخلاف اسکے جیسا مصنف نے دکھایا ہے مغرب جدید کی عمارت خالص مادی بنیاد ون پر قائم ہے اسکا نصب العین فطرت کی تفتیش و تحقیق اور اس پر حکمرانی کرنا ہے، اسکی زندگی تمامتر حیات دنیاوی تک محدود ہے، مذہبی تخیل کی بنا اس عقیدہ پر ہے، کہ مادی حدود سے ماورا ایک ہمہ گیر اخلاقی قانون کا وجود بھی ہے، جسکی اطاعت ہم انسانوں کیلئے لازمی ہے لیکن جدید مغربی تہذیب کسی ایسے قانون کی اطاعت تسلیم نہیں کرتی، وہ صرف اقتصادی، معاشرتی یا قومی قانون کی اطاعت ضروری خیال کرتی ہے، اس کا حقیقی معبود عیش و آسایش اور اس کا حقیقی فلسفہ، فلسفۂ قوت ہے، وہ خدا کے وجود سے انکار نہیں کرتی، بلکہ بعض صورتون مین معاشرتی اغراض کیلئے مذہب کی ظاہری شکل کو قائم رکھنا چاہتی ہے، لیکن اسکے نظام عقلی مین (نعوذ باللہ) خدا کا کوئی مصرف نہیں ہے،

یہان ایک سوال پیدا ہوتا ہے، کہ مغرب کی جدید مادی تہذیب عیسائیت کی گود میں کیونکر پرورش پاتی رہی لیکن یہ خیال ہی غلط ہے کہ موجودہ تہذیب عیسائیت کی پیداوار ہے، مصنف نے بہت وضاحت کے ساتھ دکھایا ہے کہ یہ تہذیب اُس بغاوت کا نتیجہ ہے، جو کلیسائے مسیحی کے صدیوں کے استبداد و تشدد کے خلاف یورپ کے قوائے ذہنی نے بالآخر برپا کی، اور مغرب کی تمام سائنٹفک اور مادی ترقیان دراصل اسی بغاوت کا حاصل ہین، اسکے بعد موصوف نے اس واقعہ پر تاریخ کی روشنی ڈالی ہے، کہ کلیسا کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے میں یورپ بڑی حد تک عربون کا رہین منت ہے، انھون نے یونانی علوم و تمدن کے بہترین اجزا اخذ کرکے اپنے علوم و تمدن کی آمیزش سے ان کو از سر نو زندہ کیا، اور ٹھیک اس وقت جب یورپ کلیسا کی تعدیون سے تنگ آکر اپنی آزادی کے لئے تاریکی میں ہاتھ پیر مار رہا تھا، اُسے اُن علوم و تمدن کی روشنی دکھا کر آزادی کی شاہراہ پر لا کھڑا کر دیا، اس طرح عربوں کی وساطت سے یورپ کو ایک نئی زندگی نصیب ہوئی، مصنف کا بیان ہے کہ قرون وسطی نے یورپ کے قوائے اجتہادی کو بالکل برباد کر دیا تھا، تمام علوم پر جمود کی کیفیت طاری تھی، وہم پرستی کا تسلط ہر جگہ تھا، معاشرت ایسی ابتدائی اور ناقص حالت میں تھی، کہ آج اس کا یقین بھی مشکل سے ہوگا، اسوقت دنیاے اسلام کا علمی اور تمدنی اثر جو پہلے مشرق مین محاربات صلیبی اور مغرب مین اندلس کی عالیشان

یونیورسٹیوں کے ذریعہ اور پھر بعد میں اُن تجارتی تعلقات کی راہ سے جو جینوا اور وینس کی جمہوریتوں کے ساتھ روز بروز بڑھتے جاتے تھے، رونما ہوا اور تہذیب یورپ کے بند دروازوں کو کھٹکھٹانا شروع کیا، یورپ کے فضلاء اور فلاسفہ کی خیرہ نگاہوں کے سامنے ایک دوسری ہی تہذیب ظاہر ہوئی نفیس، ترقی پذیر، ولولہ انگیزیوں سے معمور اور اُن خزینوں کی مالک جنھیں یورپ مدتوں پہلے کھو کر فراموش کر چکا تھا لیکن عربوں نے قدیم یونانی علوم و تمدن کے احیا کے علاوہ بھی بہت کچھ کیا، اونھوں نے خود اپنی ایک بالکل جدید سائنٹفک دنیا پیدا کی، اور ترقی کی نئی راہیں دریافت کرکے انھیں ترقی دی، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ ہمارے موجودہ سائنٹفک دور کا افتتاح مسیحی یورپ کے شہروں میں نہیں، بلکہ دمشق، بغداد، قاہرہ، اور قرطبہ کے اسلامی مرکزوں میں ہوا" چنانچہ یہ اسلامی تعلقات کی اسی حیات بخشی کا اعتراف ہو کہ یورپ اپنی بیداری کے اس دور کو نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کے نام سے موسوم کرتا ہے،

اسلامی تعلقات کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نمایاں اثر یہ ہوا کہ یورپ کے بہترین دماغوں نے کلیسا کے بند استعباد سے آزادی حاصل کرنے کیلئے ایک تازہ قوت کے ساتھ جنگ شروع کر دی، ابتداً اس جنگ نے تحریک اصلاح کی صورت اختیار کی جو تقریباً ایک وقت مختلف ملکوں میں جاری ہوگئی اگر یہ تحریک اعتدال کے ساتھ جاری رہتی تو بہت ممکن تھا، کہ یورپ میں سائنس اور مذہب کی کشیدگی ایک حد تک دور ہو جاتی، لیکن کلیسا کی تعدیاں اس درجہ تک پہنچ چکی تھیں، کہ ان کی اصلاح میں اعتدال قائم رہ نہ سکا، علاوہ بریں تھوڑے ہی دنوں میں یہ تحریک مذہبی حدود سے نکل کر مختلف جماعتوں کی سیاسی کشمکش سے وابستہ ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا تسلط روز بروز کم ہوتا گیا، یہانتک کہ اٹھارہویں صدی کے ربع آخر میں انقلاب فرانس کے ہاتھوں کلیسا کا استیلا ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا، اسکے بعد ہی صنعت و حرفت کی ترقی کا دور شروع ہوا، اور یورپ جو مذہب کی قید سے ایک گونہ آزاد ہو چکا تھا، پوری سرگرمی کے ساتھ مادی ترقی کی ان جدید راہوں میں مشغول و منہمک ہو گیا، انیسویں صدی کے دوران میں مذہب کا وہ خفیف سا تعلق بھی جو انقلاب فرانس کی ہنگامہ خیزیوں کے بعد باقی

رہ گیا تھا، منقطع ہوگیا، اور یورپ کلیسا کے تلخ تجربہ کی بناپر مذہب کی ہر شکل و نوع کا قطعی طور پر مخالف ہوگیا، یہ صحیح ہو کہ مغرب میں اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں، جو اپنے اندر سچا مذہبی احساس رکھتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم ہے، اکثریت انھی لوگوں کی ہے، جو مذہبی قیود سے آزاد ہیں، مصنف کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ یورپ کا عام باشندہ خواہ وہ جمہوریت پسند ہو، یا فاسستی، نظام سرمایہ داری کا موید ہو یا اصول اشتراکی کا، غرض کسی سیاسی مسلک سے تعلق رکھتا ہو، صرف ایک ہی یقینی مذہب کو جانتا ہے یعنی مادی ترقی کی پرستش اور صرف ایک ہی عقیدہ رکھتا ہے، یعنی زندگی کا مقصد بجز اس کے کچھ بھی نہیں، کہ اسے روز بروز زیادہ پرعیش اور "فطرت سے آزاد" بنایا جائے،

ظاہر ہے کہ اس قسم کی تہذیب لازمی طور پر اس تمدن کے لئے زہر قاتل ہوگی، جسکی بنیاد مذہب پر قائم ہے، اسلام میں پہلا اور سب سے بڑھکر مقدم مقصد انسان کی باطنی اور اخلاقی ترقی ہے، لیکن مغرب کی جدید تہذیب میں حالت بالکل برعکس ہے، وہان مادی افادیت کا خیال اعمال انسانی کے تمام مظاہر پر چھایا ہوا ہے، اور اخلاقیات کی اہمیت روز بروز زائل ہوتی جاتی ہے،

مذکورۂ بالا مذہبی اور تمدنی ناموافقت کے علاوہ ایک سبب اور بھی ہے، جسکی بناپر مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے اتباع سے پرہیز کرنا چاہئے، وہ یہ کہ مغربی تہذیب اسلام کے خلاف ایک دیرینہ بغض و عناد کا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہے، یہ جذبہ حسب تصریح مصنف ایک حد تک قدیم یونانی اور رومن تہذیب کا ترکہ ہے، یونان اور رومہ کے باشندے صرف اپنے ہی کو تہذیب و تمدن کا مالک سمجھتے تھے، اُن کے علاوہ تمام دنیا کے لوگ خصوصاً وہ جو بحر روم کے مشرق میں آباد تھے، "بربری" اور "وحشی" تھے، یہ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یورپ اپنے علاوہ تمام دوسری قوموں اور نسلوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے،

لیکن برخلاف دیگر اقوام و مذاہب کے اسلام کے خلاف یورپ کا جذبہ حقارت ہی کا نہیں، بلکہ ایک دیرینہ اور مستقل دشمنی کا جذبہ بھی ہے، اسلام کے علاوہ ہر مذہب کے متعلق یورپ ہمیشہ غور و تامل سے کام لیتا ہے اور آج

جب کہ ہر چیز سائنٹفک تحقیق کی روشنی میں دیکھی جارہی ہے، مذاہب کے مطالعہ و تفحص میں بھی جذباتی میلان کا دخل کم ہوتا جاتا ہے، لیکن جوں ہی یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوتی ہے، اس کا دماغی توازن دفعۃً بگڑ جاتا ہے، اور تمام سائنٹفک غیر جانبداری پس پشت ڈال دی جاتی ہے، یورپ کے اکابر مستشرقین بھی جیسا کہ مصنف نے صاف صاف بیان فرمایا ہے، اسلام سے متعلق ایسی صریح جانب داری کے مرتکب ہوتے آئے ہیں، جو اصول علم کے سراسر منافی ہے، وہ اپنی تحقیق کی ابتدا اُس نتیجہ سے کرتے ہیں، جو ان کا تعصب پہلے سے قائم کر لیتا ہے، اسلامی روایات کو مسخ کرکے پیش کرنا اون کا عام شیوہ ہے، اسمیں کسی خاص ملک کی تخصیص نہیں، انگلستان، جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، اور ہالینڈ، بلا استثناء ہر ملک کے مستشرقین نے یکساں طور پر اسلام کے خط و خال کی تصویر نہایت کریہہ اور نفرت انگیز شکل میں کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کرنی چاہی ہے، اور چونکہ یہ مستشرقین اپنی تہذیب و تمدن اور اپنے ماحول کے ترجمان ہیں، اسلئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تمام یورپ مذہب اور تمدن دونوں کے لحاظ سے اسلام کے خلاف ایک مستقل عناد رکھتا ہے، اسکا ایک سبب تو وہی قدیم یونانی اور رومن تہذیب کا ترکہ یعنی "یوروپین" اور "باربیرین" کی خود ساختہ تفریق ہے، اور دوسرا سبب جس کا تعلق براہ راست اسلام سے ہے، قرون وسطیٰ کی تاریخ میں پایا جاتا ہے،

فاضل مصنف نے تصریح فرمائی ہے کہ متحدہ یورپ اور اسلام کے درمیان پہلا زبردست تصادم محاربات صلیبی کی شکل میں ظاہر ہوا، اور یہ عین اسوقت پیش آیا جب یوروپین تہذیب اپنے ابتدائی مدارج سے گذر رہی تھی، محاربات صلیبی سے پیشتر بھی اہل یورپ اور مسلمانوں میں لڑائیاں ہو چکی تھیں، مثلاً صقلیہ اور اندلس کی عرب فتوحات اور جنوبی فرانس پر عربوں کا حملہ لیکن یہ معرکے اسوقت پیش آئے تھے جب یورپ کا جدید تمدن شروع نہیں ہوا تھا، اسلئے ان کی اہمیت تمامتر مقامی تھی، برخلاف اسکے محاربات صلیبی میں اسلام کا مقابلہ یورپ کے کسی خاص ملک یا قوم سے نہ تھا، بلکہ ہر ملک و قوم نے متحد ہو کر زور آزمائی کی تھی، اور یہ پہلا موقع تھا جب یورپ نے اپنی وحدت کا احساس کیا اس سے پہلے یورپ اعظم اینگلوسیکسن، جرمن، فرنچ، نارمن، اٹالین، ڈین وغیرہ قوموں میں تقسیم تھا، لیکن محاربات صلیبی ہی کے دوران میں "مغربی تہذیب" کا جدید تخیل پیدا ہوا، جسمیں یورپ کی تمام قومیں یکساں طور پر شریک تھیں، یہ اتحاد تمامتر اس عناد کا پیدا کردہ

تھا، جس نے اسلام کے خلاف یورپ کی ہر قوم کو برانگیختہ کر دیا تھا،

فاضل مصنف کا خیال ہے کہ مشرق و مغرب کے تعلقات کی تلخی اُن ناقابلِ بیان مظالم کا نتیجہ ہے، جو مُریانِ صلیب کے "مقدس" ہاتھوں سے ممالک اسلامیہ کو پہنچے، اور بغض و عناد کا جو بیج محاربات صلیبی نے بویا، وہ برابر نشوونما پاتا رہا، ورنہ حقیقۃً تعلقات کی ایسی شدید ناگواری کے لئے کوئی خلقی سبب موجود نہ تھا، یہ ضرور ہے، کہ اسلامی اور مغربی تہذیبیں بالکل مختلف اور جداگانہ بنیادوں پر قائم ہیں، لیکن جیسا کہ موصوف نے تاریخی دلائل سے دکھایا ہے، ان کے درمیان دوستانہ روابط کا قیام ناممکن نہ تھا اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اُس نے یورپ کی طرف ہمیشہ رواداری اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا، مثلاً جب خلیفہ ہارون رشید نے شہنشاہ شارلیمن کے دربار میں اپنی سفارت بھیجی تھی، تو یہ اسی جذبۂ رواداری کا عملی اظہار تھا، ورنہ قوم فرنیک کی دوستی سے خلیفہ کو کسی مالی منفعت کی توقع نہ تھی، یورپ اسوقت اپنے تمدن کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا، اور اسمیں اسلامی تعلقات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہ تھی، تاہم اسکی طرف سے ان تعلقات کی نسبت کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا گیا، ہمیں یقین ہے کہ اگر محاربات صلیبی کے پیش آجانے سے اسلام اور یورپ کے باہمی تعلقات کا شیرازہ دفعۃً درہم برہم نہ ہو گیا ہوتا، تو باوجود مذہبی اور تمدنی اختلافات کے یورپ اس شدت کے ساتھ آج اسلام کا دشمن نہ ہوتا، تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کے درمیان سیکڑوں لڑائیاں ہوئیں، اور فراموش کر دی گئیں، انھوں نے باہمی تعلقات پر کوئی مستقل اثر نہیں چھوڑا، لیکن محاربات صلیبی کی اثر اندازی صرف میدان کارزار تک محدود نہ تھی، اون سے اسلام کے خلاف یورپ کا ذہن و دماغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسموم ہو گیا، مغرب کے کیتھولک پادریوں نے جو علوم فنون کے تنہا مالک تھے، جاہل عوام کے سامنے اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے ایک ایسا نفرت انگیز نقشہ پیش کیا جس کے نقوش مرورِ زمانہ اور تحقیق علمی کے باوجود آج تک مٹ نہ سکے،

نفرت و عداوت کا جو بیج محاربات صلیبی کے ہاتھوں بویا گیا تھا، وہ بہت جلد بارآور ہونے لگا، اندلس کے عیسائیوں نے اسلامی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کیلئے جد و جہد شروع کر دی، اور اس مقصد کے حصول میں جتنی

تاخیر ہوتی گئی، اتنا ہی اسلام کے خلاف یورپ کا جذبۂ عناد زیادہ مضبوط اور مستقل ہوتا گیا بالآخر انتہائی مظالم اور درندگی کے ساتھ اندلس کے بے شمار مسلمان قتل و برباد کر دئے گئے، اور جو اُن روح فرسا تعدیوں کے بعد باقی رہ گئے، اُنھیں جلا وطن کر دیا گیا،

ہنگامۂ اندلس کی بازگشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی، کہ ایک تیسرا نہایت اہم واقعہ پیش آگیا جس نے یورپ اور اسلام کے رہے سہے تعلقات کو بھی برباد کر دیا یعنی ترکوں کا سلطنت بازنطینی کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا، سقوطِ قسطنطنیہ کے بعد یورپ میں اسلامی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ صدیوں تک قائم رہا، اور اب اسلام کے خلاف یورپ کی دشمنی صرف مذہبی اور تمدنی اختلاف تک محدود نہ رہی، بلکہ اوس نے سیاسی اہمیت بھی حاصل کر لی، جسکے باعث اوسکی شدت اور بڑھ گئی، یہ شدت یہان تک بڑھی، کہ تمدنی اور مذہبی تغیرات کے بعد بھی اسمیں کوئی فرق پیدا نہ ہوا، اصلاحِ کلیسا کے عہد میں یورپ مختلف جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوگیا تھا، جو ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر دینا چاہتے تھے، لیکن اسلام کی نفرت سب کے دلوں میں یکساں طور پر راسخ تھی، پھر ایک زمانہ ایسا آیا، جب مذہب کا اثر یورپ میں زائل ہونے لگا، لیکن اسوقت بھی اسلام کی نفرت بدستور باقی رہی، بالآخر وہ دور شروع ہوا جب فضلاے یورپ دیانتداری کے ساتھ غیر ملکی تمدنوں کا مطالعہ کرنے لگے، لیکن اسلام کے معاملہ میں انکی ضلالت اندیشی اپنی جگہ پر قائم رہی،

ان تاریخی حالات کے باوجود آج بعض اسلامی حلقوں میں یہ آواز سنائی دیتی ہے، کہ اسلام کے خلاف یورپ کے بغض و عناد کی شدت اب کم ہوتی جاتی ہے، اور وہ اسلامی تعلیمات اور اصولِ معاشرت سے روز بروز قریب تر ہوتا جارہا ہے، بہتیرے مسلمان یہ توقع رکھتے ہیں، کہ عنقریب تمام یورپ اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے گا، فاضل مصنف نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس دلفریب غلط فہمی کو دور کیا ہے، موصوف کو یقین ہے کہ تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر بے لاگ تنقید کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے، اور جو حسب ارشاد رسول مقبول صلعم بالآخر تمام نوع انسانی کا ایک عالمگیر مذہب ہو کر رہے گا، لیکن مستقبل کے جن

حدود تک نظر کی رسائی ہے، اس واقعہ کے عالم ظہور میں آنے کی کوئی علامت ابھی دکھائی نہیں دیتی، موصوف کا خیال ہے کہ یہ امکان صرف اسی وقت عمل میں آسکتا ہے، جب یورپ کے تمدنی غرور و تمرد کی عمارت معاشرتی تباہ کاریوں کے ہاتھوں بالکل برباد ہو جائے، اور اسکی موجودہ ذہنیت اس حد تک بدل جائے، کہ اسمیں مذہب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے آج مغربی دنیا صرف اپنے مادی کارناموں کی پرستش میں محو ہے، وہ صرف آسایش کو اپنی تمام کوششوں کا نصب العین بنا رہی ہے، اسکی مادیت اور مذہب سے مخالفت بڑھتی ہی جا رہی ہے اور اسمیں کوئی تخفیف نہیں ہو رہی ہے، جیسا کہ بعض سادہ لوح مسلمانوں کا خیال ہو،

"یورپ آج اسلام سے جسقدر دور ہے پہلے کبھی اس سے زیادہ نہ تھا، ممکن ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف اسکی عملی دشمنی کم ہو رہی ہو، لیکن اس کا سبب اسلامی تعلیمات کی قدردانی نہیں، بلکہ وہ روزافزوں تمدنی انحطاط و اختلال ہے، جو دنیائے اسلام میں واقع ہو رہا ہے، مغرب ایک زمانہ میں اسلام سے خائف تھا، اور اس خوف نے اُسے ہر اس شے کا دشمن بنا دیا تھا جسمیں اسلامی رنگ پایا جاتا تھا، خواہ وہ شے خالص روحانی اور معاشرتی معاملات ہی سے تعلق رکھتی ہو لیکن ایسے وقت میں جب کہ اسلام یورپ کے ایک مخالف کی حیثیت سے اپنی اہمیت کا بیشتر حصہ کھو چکا ہے، یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے، کہ تخفیف خوف کے ساتھ یورپ اُن جذبات کی شدت میں بھی کچھ کمی کر دے، جو اسلام کے خلاف ابتدا میں اس نے قائم کر لئے تھے، اگر ان جذبات کے اظہار کل میں کمی پیدا ہو گئی ہے، تو اس سے ہمیں یہ نتیجہ نکالنے کا حق نہیں ہے، کہ مغرب باطنی طور پر اسلام سے زیادہ قریب آگیا ہے، اوس کا یہ طرز عمل اسلام سے متعلق صرف اُسکی بے پروائی کو ظاہر کرتا ہو"

مغربی تہذیب مذہب کی مخالف جیسی پہلے تھی ٹھیک ویسی ہی آج بھی ہے، یہ صحیح ہے کہ یورپ اور امریکہ میں چند اسلامی انجمنیں تبلیغ کا کام کر رہی ہیں، اور اُن کی کوششوں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہو لیکن یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ مغرب پھر مذہب کی طرف رجوع کر رہا ہے، علاوہ بریں اس معاملہ میں اسلامی مشن کوئی انفرادیت بھی نہیں رکھتا عیسائیت کے بے شمار روحانی فرقوں کے علاوہ مغرب میں تھیوسفک تحریک کا بھی اچھا خاصہ

اثر ہے، اور یورپ کے مختلف پایہ تختوں میں بودھ مذہب کے معبد اور مشن بھی موجود ہیں، جرمنی میں بودھ مشن اسلامی مشن سے زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے، اس کامیابی کی بنا پر مسلمانوں ہی کی طرح بودھ مذہب والے بھی یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ یورپ اُن کے مذہب سے قریب ہوتا جارہا ہے، لیکن بقول مصنف دونوں صورتوں میں یہ دعوی مضحکہ انگیز ہے، چند افراد کا اسلام یا بودھ مذہب میں داخل ہوجانا مغربی تہذیب پر کوئی قابلِ ذکر اثر ڈالنے کیلئے کافی نہیں،

موصوف کا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی مشن چند افراد کے دلوں میں تلاش و تحقیق کے ایک بہت ہی محدود شوق سے زیادہ ابتک کچھ پیدا نہ کرسکا، اور وہ بھی زیادہ تر اس اثر کی وجہ سے جو ایک غیر ملکی مذہب تخیل پسند دماغوں پر ڈالتا ہے، بلاشبہہ بعض لوگوں نے محض حق کی تلاش میں سچائی کے ساتھ تبدیل مذہب کیا ہے، لیکن ان کا شمار مستثنیات میں ہے، اور ان کے عقائد تہذیب جدید کی رو پر کچھ بھی اثر نہیں ڈالتے، برخلاف اسکے جو لوگ ہر روز خالص مادّی مسلکوں میں داخل ہوتے جاتے ہیں، انکی تعداد شمار سے باہر ہے، اور انہی کے خیالات سے مغربی تہذیب کے رجحانات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے،

اوپر دکھایا جاچکا ہے کہ چونکہ اسلامی اور مغربی تہذیبوں کی بنیادیں بالکل مخالف اصولوں پر قائم ہیں، اسلئے دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں، ایسی صورت میں یہ توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ مسلمانوں کو جو تعلیم مغربی اصول پر دی جائے گی، وہ اُن اثرات سے محفوظ رہ سکے گی، جو اسلام کے مخالف ہیں،

مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی وقت کے اُن اہم مسائل میں ہے، جو ہنوز ایک متفق علیہ فیصلہ کے محتاج ہیں، ہمارے ارباب فکر میں ایک جماعت صرف علوم دینیہ کی تعلیم کو ضروری بلکہ کافی خیال کرتی ہے، اور دوسری جماعت ان "روشن خیال" مفکرین کی ہے، جو تمامتر علوم جدیدہ کے شیدائی ہیں، اکثریت انہی کی ہے، اور موجودہ نسل انھی کی متبع اور ہم نوا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان ایک تیسری جماعت بھی ہے، جس کا عقیدہ ہے کہ

اسلام دین اور دنیا دونوں کی فلاح وبہبود کا ضامن ہے، اسلئے وہ علوم بھی جو مادی اور "دنیاوی" ہونے کی حیثیت سے خالص مذہبی حلقوں میں مسترد کر دئے گئے ہیں، مسلمانوں کی توجہ کے مستحق اور رفتار زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے ضروری ہیں، فاضل مصنف اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں، کہ مذہب کا اثر ان اشخاص کے دلوں سے جنھوں نے مغربی اصولوں پر تعلیم پائی ہے، سرعت کے ساتھ زائل ہو رہا ہے، تعلیم یافتہ طبقوں میں مذہب سے جو بے تعلقی اور برگشتگی پھیلی ہوئی ہے، اس کا سبب نادانوں کے نزدیک یہ قرار دیا جاتا ہے، کہ مغربی سائنس مذہب کی صداقت کو غلط ثابت کر رہی ہے، موصوف اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ سائنس مذہب کی صداقت کے خلاف کوئی معقول حجت پیش کرنے سے اسوقت تک قاصر ہے اور اس برگشتگی کا سبب محض یہ ہے، کہ تہذیب جدید کا عقلی ماحول جو نہایت شدت کے ساتھ خلاف مذہب ہے، نوجوان مسلمانوں کے قوائے مذہبی کو اپنے اثر سے بالکل ماؤف کر دیتا ہے۔

اسوقت بنیادی سوال یہ ہے کہ علوم جدیدہ سے متعلق ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے،؟

مسلمانوں کیلئے مغربی تعلیم کو مضر قرار دینے کے یہ معنی نہیں کہ اسلام نفس تعلیم کا مخالف ہے، جو لوگ اسلام پر یہ الزام عائد کرتے ہیں، وہ یا تو مذہب اور تاریخ دونوں سے ناواقف ہیں، یا تعصب کی شدت سے مغلوب ہو کر دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتے ہیں، قرآن پاک شروع سے آخر تک عقل و شعور اور فکر و تدبر کی دعوتوں سے پُر ہے، پھر طلب علم کی فرضیت اور اہمیت پر مشہور حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ کے علاوہ ارشادات نبوی کا ایک خاصہ ذخیرہ موجود ہے، اسلام علوم جدیدہ کی تحصیل سے نہیں روکتا، مسلمانوں کو ان علوم کے حاصل کرنے اور مغربی قوموں کی طرح سائنٹفک اور اقتصادی حیثیت سے ترقی کرنے کی پوری اجازت ہے، مغربی تعلیم فی نفسہ ان کیلئے کوئی مضرت نہیں رکھتی، لیکن جو چیز ان کیلئے مضرت رکھتی ہے، وہ یہ ہے، کہ مغربی آنکھوں سے دیکھیں اور مغربی دماغوں سے سوچیں، فاضل مصنف نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ علم بذات خود نہ مشرقی ہے، اور نہ مغربی لیکن اسکی تحصیل و مطالعہ میں ہر قوم کا نقطۂ نظر اسکی مخصوص تمدنی ذہنیت کے مطابق ہوتا ہے، مغرب کی موجودہ ذہنیت اپنی اعلیٰ عقلیت کے باوجود تمامتر مادی اور مخالف مذہب ہے، اسلئے اس کا پورا تعلیمی نظام بھی اسی رنگ میں رنگا

ہوا ہے، جہاں تک جدید تجربی سائنسوں کا تعلق ہے، ان کی تحصیل مسلمانوں کیلئے مضرت رساں نہیں، مضرت صرف اس مغربی ذہنیت میں ہے، جسکے توسط سے مسلمان اُن سائنسوں کو حاصل کر رہے ہیں،

اگر مسلمان طلب علم کے فریضہ کی ہمیشہ پابندی کرتے، تو آج انھیں ان جدید سائنسوں کیلئے یورپ کا محتاج ہونا نہ پڑتا، اور وہ اسکی طرف ویسی نگاہ نہ ڈالتے جیسی کوئی پیاس کا مارا ریگستان میں پڑا ہوا افق کے سراب پر ڈالتا ہے، لیکن غفلت میں مبتلا رہ کر انھوں نے اپنے مواقع کھو دئے، اور یورپ ترقی کی راہ میں اُن سے بہت آگے بڑھ گیا، اب وہ مجبور ہیں کہ جدید سائنسوں کو یورپ کے تعلیمی واسطہ سے حاصل کریں، لیکن اسمیں بھی احتیاط کی ضرورت ہے، مصنف کی رائے ہے، کہ یورپ سے ہمیں صرف سائنٹفک مواد (Matter) اور طریقہ (Method) حاصل کرنا چاہئے، اسکے علاوہ اور کچھ نہیں، موصوف کے نزدیک مدارس اسلامیہ کے نصاب میں تمام علوم مغربی میں سے صرف علوم طبعیہ (Natural Sciences) اور ریاضیات کی تعلیم کو نمایاں جگہ دینی چاہئے، باقی مغربی فلسفہ، مغربی لٹریچر، اور وہ تاریخ عالم جو مغربی نقطۂ نظر سے مرتب کی گئی ہو، اسلامی نصاب تعلیم میں ان سب کی اہمیت بہت کم کر دینی چاہئے، مغربی لٹریچر کی تعلیم کو محض اسکی لسانی حیثیت تک محدود رکھنا چاہئے، اسکی تعلیم کا جو طریقہ اسوقت ممالک اسلامیہ میں رائج ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ مغربی تہذیب و تمدن کی روح مسلمان طلبہ کے خادم دماغوں میں سرایت کر جاتی ہے، جو اسلام کی روح کے ساتھ کبھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی، ضرورت ہے، کہ مغربی لٹریچر کے بجائے اسلامی لٹریچر کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے" تاکہ اسلامی تمدن کی وسعت و زرریزی مسلمان طلبہ کے ذہنوں کو متاثر کرے اور اُن میں مستقبل کیلئے ایک نئی امید پیدا ہو"

یورپین لٹریچر کی مروجہ تعلیم سے زیادہ مسلمان نوجوانوں کے لئے اس تاریخ عالم کا مطالعہ مضر ہے، جو اہل مغرب کے قلم سے نکلتی ہے، مورخین یورپ جب دنیا کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں، تو اُن کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہوتا ہے، کہ یورپ کی نسلیں اور ان کی تہذیب تمام دوسری نسلوں اور تہذیبوں پر فوقیت رکھتی ہیں، اور اسی خود ساختہ فوقیت کو وہ ساری دنیا پر حکمرانی کرنے کیلئے ایک سند تصور کرتے ہیں، دنیا کی جو تاریخ ان کے قلم سے نکلتی ہے، وہ

"حقیقۃً ایک وسیع پیمانہ پر مغرب ہی کی تاریخ ہوتی ہے، جسمیں دوسری قوموں کا ذکر صرف اسی حد تک آتا ہے، جس حد تک اُن کے وجود اور ترقی سے خود یورپ پر کوئی اثر براہ راست پڑتا رہا" ظاہر ہے کہ ایسی تاریخ کا مطالعہ مشرقی نوجوانوں کے دماغوں پر صرف یہ اثر ڈالے گا کہ وہ اپنے تمدن، اپنے ماضی اور نیز مستقبل کے امکانات میں یورپ کی قوموں سے بہت گرے ہوئے ہیں،

سخت ضرورت ہے کہ اس اثر کو دور کرنے کیلئے اسلامی اداروں میں تاریخ کی تعلیم پر نظر ثانی کی جائے، بلا شبہہ یہ کام آسان نہیں، اسکے لئے تمام تاریخ کی تفتیش و تحقیق از سر نو کرنا پڑے گی، لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا، تو مسلمان طلبہ کے دلوں میں اسلام کی حقارت کا جذبہ روز بروز زیادہ مضبوط ہوتا جائیگا اور اپنی پستی کا احساس اُن کے اندر بڑھتا ہی جائے گا، اگر مسلمان ابتک سائنٹفک تحقیقات کی طرف سے غافل تھے، تو آج اس غلطی کی تلافی اسطرح نہیں ہوسکتی کہ ہم بے سوچے سمجھے مغربی علوم کو قبول کرلیں، سائنس سے متعلق ہماری تمام پچھلی کوتاہیاں اور ہمارا افلاس اس مہلک اثر کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جو مغربی نظام تعلیم کی کورانہ تقلید سے دنیائے اسلام کے مذہبی امکانات پر پڑے گا، اگر ہم اسلام کی حقیقت کو ایک تمدنی عنصر کی حیثیت سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں تہذیب مغرب کے عقلی ماحول سے بچنا ضروری ہے، جو ہماری سوسائٹی اور ہمارے میلان پر غلبہ پا رہا ہے، مغربی اخلاق و آداب اور مغربی طرز معاشرت کی تقلید سے مسلمان رفتہ رفتہ مغربی مطمح نظر کو اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں، ظاہری وضع و قطع کی تقلید بتدریج ویسی ہی ذہنیت بھی پیدا کر دیتی ہے"

آج کل اکثر تعلیم یافتہ اشخاص کا خیال ہو کہ لباس اور وضع کو کسی قسم کی روحانی اہمیت حاصل نہیں ہے، اور نہ مذہب رسم و رواج کا پابند ہے، مصنف کو بھی اعتراف ہے کہ اسلام میں تنگ ذہنی نہیں، لیکن وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں، کہ کسی تہذیب کی ظاہری وضع و قطع کو اختیار کرنا اس تہذیب کی روح سے متاثر ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، اور وہ بالکل صحیح فرماتے ہیں، کہ قطع نظر اس واقعہ کے کہ مغربی تہذیب کی بہتیری باتیں صریحی طور پر تعلیمات اسلام کے خلاف ہیں، مثلاً عورتوں اور مردوں کا آزادانہ ایک دوسرے سے ملنا جلنا یا سود کا رواج، یہ

تہذیب خود اپنی فطرت کی بنا پر بھی تمام تر مخالف مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک اس تہذیب کی اثر اندازی کا تعلق ہے، وہ معاشرتی زندگی کے "اہم" اور "غیر اہم" پہلوؤں کی تفریق کو روا نہیں رکھتے، علاوہ بریں اگر کوئی مسلمان یورپ کے لباس اخلاق و آداب اور طرز معاشرت کی تقلید کرتا ہے، تو خواہ اس کا ادعا کچھ بھی ہو، وہ اس حقیقت کو فاش کر دیتا ہے، کہ اسکے نزدیک یورپین تہذیب کو ترجیح حاصل ہے" اس موقع پر موصوف نے چند سطروں میں جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ اپنے اندر عبرت و بصیرت کا ایک پورا دفتر رکھتا ہے، فرماتے ہیں "کسی غیر تہذیب کی تقلید کا میلان خود اپنی پستی کے احساس کا نتیجہ ہے، یہی اور صرف یہی حال اُن مسلمانوں کا ہے، جو مغربی تہذیب کی تقلید کرتے ہیں، وہ اس تہذیب کی قوت، فنی استعداد اور ظاہری چمک دمک کا مقابلہ دنیاے اسلام کی زبون حالی سے کرتے ہیں، اور پھر یہ سمجھتے ہیں، کہ ہمارے زمانہ میں مغربی راہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہے، اسلام کے سر خود اپنی کوتاہیوں کا الزام عائد کرنا آجکل ایک دستور ہو گیا ہے، ہمارے نام نہاد عقلا زیادہ سے زیادہ جو کچھ کرتے ہیں، وہ یہ کہ معذرت اور صفائی کا پہلو اختیار کر لیتے ہیں، اور اپنے اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام مغربی تہذیب کی روح کو بخوبی قبول کر سکتا ہے"

سطور بالا میں مصنف نے جس ذہنیت کو دکھایا ہے، وہ اسی مرعوبیت کا نتیجہ ہے جس کا ذکر ہم نے اس تبصرہ کے ابتدائی حصہ میں کیا ہے، مغرب کا رعب مسلمانوں کے دماغوں پر اس درجہ مستولی ہو گیا ہے، کہ وہ ہر چیز کو اسی کے معیار سے جانچتے ہیں، چنانچہ مذہب کے ساتھ بھی ان کا طرز عمل یہی ہے، وہ اس حقیقت کے اعلان کی جرأت تو نہیں رکھتے کہ اسلام اور مغربی تہذیب کی بنیادیں بالکل مخالف اصولوں پر قائم ہیں، اسلئے ان میں ہم آہنگی پیدا کرنا کسی صورت سے ممکن ہی نہیں، لیکن اپنے خیال میں اسلام کی حمایت یوں کرتے ہیں کہ اس کے اصولوں کو کھینچ تان کر مغربی تہذیب سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مصنف نے اسی افسوسناک ذہنیت کو دور کرنا چاہا ہے، اور مسلمانوں کو غیرت دلائی ہے، کہ جس چیز کو وہ اپنے لئے عار سمجھ رہے ہیں، وہ حقیقۃً باعث صد فخر و ناز ہے، فرماتے ہیں:

"احیاے اسلام کے حصول کیلئے اصلاحی تدبیریں اختیار کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ مسلمان اپنے مذہب

کی نسبت معذرت کا پہلو بالکل ترک کر دیں، مسلمان کو اپنا سر بلند کر کے رہنا چاہئے، اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ تمام دنیا سے مختلف اور ممیز ہستی ہے، اور اسے اپنی اس انفرادیت پر صد درجہ فخر ہونا چاہئے، اُسے چاہئے کہ اس فرق کو ایک بیش قیمت وصف سمجھ کر محفوظ رکھنے کی کوشش کرے، اور دلیری کے ساتھ دنیا کے سامنے اس کا اعلان کرے، نہ یہ کہ اسکے لئے معذرت پیش کرے، اور دوسرے تمدنی حلقوں میں ضم ہو جانیکی کوشش کرے، اسکے یہ معنی نہیں کہ مسلمان اپنے کو خارجی اثرات سے بالکل علٰحدہ رکھیں، اپنی تہذیب کو برباد کئے بغیر بھی کسی غیر تہذیب کے اثرات کو قبول کرنا ہمیشہ ممکن ہے"

فاضل مصنف کا خیال ہے، کہ اب تک مسلمانوں کی اصلاح میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہونے کا سبب محض یہ ہے، کہ سنت نبوی کے اتباع پر کافی زور نہیں دیا گیا، ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح وہ سمجھتے ہیں، کہ سنت کی پابندی اسلام کے وجود و ترقی کی مترادف اور اس سے غفلت اسکے اختلال و زوال کے ہم معنی ہے، اُن کے نزدیک مسلمانوں کے تمام امراض ملی کا واحد علاج اتباع سنت ہے، اور یہی وہ مخصوص تجویز ہے، جو موصوف کو عہد حاضر کے اکثر مصلحین امت سے ممتاز کر دیتی ہے، سنت کی جو اہمیت بیسویں صدی کے اس نومسلم کے دل میں راسخ ہے، کاش ایک ٹکڑا بھی اُن مسلمانوں کو نصیب ہوتا، جو صدیوں سے اسلام کے مدعی ہیں، لیکن اتباعِ رسول کی ناگزیری کے قائل نہیں، مصنف نے صحیح فرمایا ہے، کہ ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے، جو کسی محل میں داخل ہونے کی خواہش کرتا ہے لیکن اس کنجی کو استعمال کرنا نہیں چاہتا جس کے بغیر دروازہ کا کھلنا ممکن ہی نہیں، موجودہ دور میں بعض دانش فروشوں نے یہ خیال پیش کیا ہے، کہ اسلام کی حقیقت سنت نبوی سے بے نیاز رہ کر بھی حاصل ہو سکتی ہے، یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ حضور کی حیات طیبہ قرآن پاک کی ایک زندہ تفسیر تھی، اور آپ نے جو احکام صادر فرمائے، وہ اسی ذات باری تعالیٰ کے حکم دیا سے فرمائے جس نے یہ کتاب مقدس آپ پر نازل فرمائی تھی، ما ینطق عن الھویٰ مصنف کا قلب سنت کے ولولہ سے ایسا معمور ہے کہ وہ رسول کے احکام میں اس تفریق کو جائز نہیں سمجھتے، کہ فلاں فلاں احکام رُوحانی اور مذہبی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں

اسلئے زیادہ اہم اور لائق پابندی ہیں، اور فلان فلان کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہے، اسلئے ان کی اہمیت بھی کم ہے، یہ تفریق ان کے نزدیک مقام رسالت کی جامعیت سے ناآشنا ہونے کی علامت ہے، کیا اس زمانہ کے کسی بڑے سے بڑے عالم دین نے بھی سنت کی اہمیت پر اس سے زیادہ زور دیا ہے؟

دور جدید کے اکثر "روشن خیال" مسلمان اتباع سنت کے لئے اپنی آمادگی تو ظاہر کرتے ہیں لیکن انھیں احادیث کی صحت میں کلام ہے، اور چونکہ سنت کی بنیاد تمامتر احادیث ہی پر ہے، اسلئے وہ اپنے کو سنت کی پیروی سے معذور خیال کرتے ہیں، اس فتنہ کی اشاعت بھی مستشرقین یورپ کا ایک نمایان کارنامہ ہے، مصنف نے اس مسئلہ پر نہایت فاضلانہ بحث کی ہے، اور مستند احادیث کی صحت کو بہت مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے، ہم اس بحث کا خلاصہ سطور ذیل میں پیش کرتے ہیں :-

کسی حدیث کے غلط ہونے کی پہلی وجہ یہ ہو سکتی ہے، کہ اس کے پہلے راوی یعنی کسی صحابی یا بعد کے راویون میں سے کسی ایک نے قصداً غلط بیانی کی، جہان تک صحابہ کا تعلق ہے، ایسی غلط بیانی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلعم کی شخصیت کا جس درجہ گہرا اثر صحابہ پر تھا، وہ تاریخی حیثیت سے پوری طرح ثابت ہے، لہذا یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ جو لوگ حضور کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان اور مال سب کچھ قربان کر دینے کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے، وہ آپ کے ارشادات کے ساتھ بددیانتی برتیں گے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ان تک پہنچ چکا تھا، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (جو شخص قصداً میرے متعلق جھوٹ بیان کرے اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں کرے)

حدیث سے متعلق غلط بیانی کی دوسری وجہ کوئی ذاتی غرض ہو سکتی ہے، سو ایسی تمام حدیثوں کو جو مختلف افراد یا جماعتوں کے سیاسی اغراض سے تعلق رکھتی ہین، اکابر محدثین خصوصاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے سختی کے ساتھ مسترد کر دیا ہے، ان حدیثوں کو چھانٹ دینے کے بعد جو ذخیرہ باقی رہ گیا، اوس میں کسی ذاتی منفعت کا شبہہ نہیں ہو سکتا،

کسی حدیث کے مستند نہ ہونے کی ایک تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے، کہ ممکن ہے کہ خود راوی اول یعنی صحابی نے یا بعد کے راویوں میں سے کسی ایک نے اُسکے مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے یا حافظہ کی خطا سے یا کسی اور نفسیاتی سبب سے اسکی روایت میں غلطی کی ہو، جہانتک اس مسئلہ کے نفسیاتی پہلو کا تعلق ہے، ایسی غلطی کا امکان خصوصًا صحابۂ کرام سے بہت ہی کم ہے، صحابہؓ کیلئے حضور کا ہر ارشاد اور ہر عمل حد درجہ اہمیت رکھتا تھا نہ صرف آپکی شخصیت کے غیر معمولی اثر کی بنا پر بلکہ اس سبب سے بھی کہ وہ پختہ عقیدہ رکھتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی زندگی کے معمولی جزئیات میں بھی تمامتر اتباع رسولؐ ہی کی ہدایت فرمائی ہے پس وہ آپ کے ارشادات کو محفوظ رکھنے کی تمام امکانی کوششیں کرتے تھے، اور اس مقصد کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ جو صحابہ آنحضرتؐ کی خدمت میں زیادہ حاضر رہا کرتے تھے، انھوں نے آپس میں دو دو آدمیوں کی ٹولیاں بنائی تھیں، اور ہر ایک باری باری حضور کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا، اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا تھا، اُسے اپنے ساتھی سے بیان کر دیتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کے ارشاد و اعمال کے تحفظ کا کسقدر اہتمام کرتے تھے، ایسی صورت میں یہ زیادہ قرین قیاس نہیں کہ وہ الفاظ حدیث کے تحفظ میں بے پروائی کرتے رہے ہوں، اور پھر اگر ہزاروں صحابہ کیلئے پورے قرآن کو حفظ کر لینا ممکن تھا، اور ہجے کے جزئیات تک اُن کے حافظہ سے فروگذاشت نہیں ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں متفقہ طور پر وہ پورے قرآن کو ضبط تحریر میں لاسکے، تو صحابہ اور تابعین کیلئے یہ بھی ممکن تھا، کہ ارشادات نبوی کو بغیر گھٹائے بڑھائے اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں، علاوہ بریں محدثین صرف اُنھی حدیثوں کو کامل طور پر صحیح قرار دیتے ہیں، جو ایک ہی طرح سے مختلف سلسلۂ رواۃ میں بیان کی گئی ہیں، اسمیں شبہہ نہیں کہ صحیح حدیثوں کے ساتھ بےشمار موضوع حدیثیں بھی شامل ہوگئی ہیں، لیکن ان کی چھان بین ہمیشہ ہوتی آئی ہے، اور محدثین نے اُن کی تفتیش و تحقیق میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے، علی الخصوص امام بخاری، اور امام مسلم نے احادیث کی جانچ میں جرح و تعدیل کا کوئی ذرہ باقی نہیں چھوڑا، چنانچہ یہ اسی کاوش کا نتیجہ ہے، کہ رواۃ حدیث کی تحقیق میں اسماء الرجال کا ایک مستقل فن مرتب ہو گیا، محدثین نے صرف اُنھی حدیثوں کو لے لیا ہے جنکے راوی انکے قائم کردہ معیار میں پورے اُترے، اور وہ

معیار اسقدر سخت تھا کہ کسی روایت کی تحقیق میں اُس سے زیادہ سخت معیار قائم کرنا ممکن ہی نہیں،

مذکورۂ بالا بحث کے بعد فاضل مصنف دعوی کرتے ہیں، کہ اسوقت تک کوئی ناقد یہ ثابت نہیں کرسکا ہے کہ جو حدیثیں اکابر محدثین کے معیار صحت کے مطابق صحیح قرار دی جاچکی ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں، اور پھر فرماتے ہیں، کہ جو مسلمان آج حدیثوں سے انکار کرتے ہیں، وہ ایک خاص سبب سے ایسا کرتے ہیں، وہ اپنی پست ذہنیت اور ذلیل طرز معاشرت کو روح اسلام سے جو سنت رسول میں پائی جاتی ہے، کسی طرح مطابقت نہیں دیکھتے اسلئے بجائے اسکے کہ اپنے اور اپنے ماحول کے نقائص کو دور کریں، وہ اتباع سنت کی پابندی ہی سے آزاد ہو جانا چاہتے ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو وہ تعلیمات قرآن کی تفسیر اپنے خاطر خواہ "عقلیت" کے سطحی طریقہ پر کرسکیں گے، اور پھر ہر شخص اپنی طبیعت اور اپنی رائے کے مطابق قرآن کے معنی بیان کرسکے گا، علاوہ بریں مسلمانوں کی موجودہ نسل مغربی تہذیب کی ترقی سے مرعوب ہو کر اسکی ہر ادا کی دلدادہ ہو رہی ہے، اور اُسے اختیار کرنے کی بجز اسکے کوئی صورت نہیں، کہ احادیث کو ناقابل اعتماد قرار دے کر سنت ہی سے آزادی حاصل کرلی جائے، جس کے بعد قرآن کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر مغربی تہذیب کے مطابق کرلینا آسان ہو جائے گا،

مخالفین اسلام کی طرف سے یہ ایک بہت قدیم اعتراض چلا آتا ہے، کہ اتباع سنت کی سختی کے ساتھ پابندی کرنا انسان کی آزادی پر ایک روک عائد کر دیتا ہے جس سے سوسائٹی کی فطری ترقی محدود ہو جاتی ہے، چنانچہ معترضین نے مسلمانوں کے انحطاط کا ایک بڑا سبب اتباع سنت ہی کو قرار دیا ہے، فاضل مصنف اس اعتراض کا جواب دیتے ہوے فرماتے ہیں، کہ فہم انسانی سختی کے ساتھ محدود ہے، اور ہمارا دماغ اپنی نطرت کے لحاظ سے کلیت کے تخیل کا احاطہ کرنے سے قاصر، ہم تمام چیزوں کے جزئیات ہی کو سمجھ سکتے ہیں، لہذا اس مذہب کے مسائل میں جو فوق العقلی بنیادوں پر قائم ہے، ہمیں لابدی طور پر ایک ایسے ہادی کی ضرورت ہے، جس کا دماغ انسانی دماغوں سے فائق اور جس کا قلب انوار الٰہیہ سے معمور ہو، یعنی ہمیں ایک نبی کی ضرورت ہے، جو ہماری ہدایت کیلئے مبعوث ہوا ہو، پس اگر ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہ قرآن خدا کا کلام ہے، اور محمد صلعم خدا کے رسول تھے، تو ہم نہ صرف اخلاقی بلکہ

عقلی حیثیت سے بھی آپ کی ہدایتوں پر بے چوں وچرا عمل کرنے کیلئے مجبور ہیں، یہ صحیح ہے، کہ حضورؐ کے بعض احکام صریحی طور پر زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں، جنکی اہمیت مقابلۃً کم ہے ہمیں چاہئے کہ جو زیادہ اہمیت ان کو کم اہمیت والوں پر مقدم سمجھیں، لیکن ہمیں یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے، کہ اُن میں سے کسی ایک کو بھی غیر ضروری سمجھ کر اس سے بے اعتنائی برتیں، کیونکہ آپ کا ہر حکم اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہے،

اس اعتراض کے علاوہ مخالفین کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام اب محض ایک زائل شدہ قوت ہے، اور دنیا کو جو کچھ فائدہ اس سے پہنچ سکتا تھا، وہ اب سے پہلے پہنچ چکا، اس رائے سے وہ مسلمان بھی متفق ہیں، جو تہذیب جدید سے مغلوب ہو چکے ہیں، اور اپنے اندر مقابلہ کی جرأت بالکل نہیں پاتے، اُن کے نزدیک دنیا کے اور تمدنوں کی طرح اسلامی تمدن کا دور عروج بھی ختم ہو گیا، اور اب اس کے انحطاط و زوال کا زمانہ ہے جو ہر تہذیب و تمدن کو ایک وقت قدرتی طور پر پیش آتا ہے، لہذا ایسی حالت میں تمام جد وجہد بے سود ہے، فطرت کا قانون عروج و زوال بدل نہیں سکتا، اور اسلامی تمدن کی تباہی بھی ناگزیر ہے،

لیکن مصنف کی قوت ایمانی اس تاریخی دلیل سے قطعی مرعوب نہیں ہوتی، وہ اسلام کو اس کلیہ سے مستثنیٰ سمجھتا ہے، اور اعلان کرتا ہے، کہ اگر اسلامی کلچر ایک ایسے قانون کی پیروی کا نتیجہ ہے، یا تھا، جو خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے تو ہم ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے، کہ دوسرے کلچروں کی طرح یہ بھی مرور زمانہ کے ساتھ وابستہ اور قوانین حیات عضویہ کے ساتھ محدود ہے، جو چیز بظاہر اسلام کی موت معلوم ہوتی ہے، وہ ہمارے دلوں کی موت اور تہی مائگی کے سوا اور کچھ بھی نہیں، جو اپنی شدت سستی کی وجہ سے دائمی آواز کو سننے سے قاصر ہیں، اس بات کی کوئی علامت نظر نہیں آتی، کہ انسان اپنی موجودہ حالت عروج میں اسلام سے مستغنی ہو گیا ہے، وہ اسلام کے پیش کردہ نظام اخلاق سے بہتر کوئی نظام پیش نہیں کر سکا، وہ اخوتِ انسانی کے تخیل کو کسی عملی بنیاد پر قائم نہیں کر سکا جیسا کہ اسلام نے اپنے فوق العملی تخیل "امت" میں کر دکھایا ہے، وہ کوئی ایسا معاشرتی نظام پیدا نہیں کر سکا جس سے افراد کے باہمی تنازعات و مناقشات اس حد تک کم ہو جائیں جس حد تک اسلام کے معاشرتی نظام ...

کر دیا ہے، وہ انسان کی قدر و منزلت اسکے احساس امن و سلامتی، اسکی امید روحانی، اور سب آخر لیکن یقیناً سب کمتر نہین، اسکی مسرت کو ترقی نہیں دیسکا"

آج جب کہ ہر روشن خیال "مُصلح" جس کے مُنہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہی، اسلام کی "اصلاح" کیلئے بیقرار نظر آرہا ہے، مناسب ہے، کہ ایک خالص یورپین اور تہذیب جدید کی گود میں پرورش پائے ہوئے شخص کی رائے بھی اس باب مین سُن لیجائے:-

"ہمارے لئے اسکی ضرورت نہین ہے، کہ اسلام کی "اصلاح" کریں جیسا کہ بعض مسلمانوں کا خیال ہی کیونکہ اسلام پہلے ہی سے کامل اور مکمل ہے ہمیں جس چیز کی اصلاح کرنیکی ضرورت ہی، وہ مذہب کی نسبت ہمارا رویہ، ہماری سستی، ہماری خود پرستی، ہماری کوتاہ نظری، مختصر یہ کہ خود ہمارے نقائص ہیں نہ کہ اسلام کے بعض مفروضہ نقائص، اسلام میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کیلئے ہمیں باہر کے جدید اصول عمل کے تلاش کرنے کی ضرورت نہین، بلکہ صرف قدیم اور چھوڑے ہوئے اصولوں ہی کو عمل میں لانے کی ضرورت ہے، بلاشبہہ ہم غیر تمدنوں سے نئی قوت حاصل کرسکتے ہیں لیکن اسلام کے مکمل نظام کو کسی غیر شے سے خواہ وہ مغربی ہو، خواہ مشرقی بدل نہیں سکتے، اسلام بحیثیت ایک رُوحانی اور اجتماعی نظام کے بہتر نہیں بنایا جاسکتا"

جان لاک[1] کا فلسفہ

۱۶۳۲ء سنہ ۱۷۰۴ء

از جناب سید منظور احمد صاحب ایم اے (علیگ) پٹنہ

ہمارے سارے علوم اور معلومات کی بنیاد ہمارے ذہنی تصورات پر ہے، یہ تصورات کیا تمامتر بدیہی ہیں؟ اور یہ ہمکو فطرت کی طرف سے ازخود ملے ہیں، یا یہ بھی ہمارے کسب و استدلال اور خارجی تجربوں سے حاصل ہوئے ہیں، ان سوالون کے جواب میں مختلف فلسفیون نے مختلف نظریے پیش کئے ہیں، لاک یہ کہتا ہے کہ بدیہی تصورات کوئی چیز نہیں، نیز یہ کہ ہمارے ذہنی تصورات خارجی محسوسات سے ماخوذ ہیں، ذیل کی تحریر میں انہی دو باتوں کی تشریح کی گئی ہے، "معارف"

جان لاک دوسرے انگریز فلسفیون کی طرح اثباتی (Positivistic) رجحانات کا بہت بڑا حامی ہے، طب کے مطالعہ کی راہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا، کہ یورپ کے عہد وسطی کے اکثر علوم جنکی نشو و نما کلیسا کی چار دیواری کے اندر ہوئی تھی، بے سود اور لاحاصل ہیں، اس کا خیال ہے کہ افلاطون کے مابعد الطبعیات، اخلاقیات، اور الٰہیات کے بدیہی (a priori) قوانین حقیقت سے روشناس ہونے میں بڑی حد تک مانع ہین، دور جدید میں بھی بدیہیات کے متعلق بلند پروازیوں کی بدعت دیکارت (Descartes) نے جاری رکھی،

اگر ادراک حقیقت کیلئے ذہن خارجی عالم کا محتاج نہیں تو مشاہدہ اور تجربہ بیکار ہے، ریاضی کی طرح طب مین بھی تجربہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے، لیکن یہ واقعہ ہے، کہ اسمیں بغیر تجربہ کے مفر نہیں دیکارت نے فلسفہ اور الٰہیات

---

[1] John Locke 1632 - 1704

کے مبحث میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو بند کرلیا، اور تمامتر بدیہیات سے نتائج حاصل کئے، لیکن یہ بلند پروازیاں اسوقت ختم ہوجاتی ہیں جب وہ جسمانیات کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہو، کلیسا کی مابعد الطبعیات کا بھی یہی طریقہ تھا، کہ عالم خارجی سے قطع نظر کرلیا جائے، اور ذہن یا روح انسانی کو تمام خیالات کا مبدء سمجھا جائے،

اسلئے فلسفیوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے یہ ثابت کرنا ضروری ہوا کہ ہمارے خیالات عالم خارجی کے رہین منت ہیں، اس موضوع پر لاک نے ایک کتاب عقل انسانی کے متعلق " (Essay Concerning Human Understanding) لکھی، یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، جس کا خاتمہ کانٹ (Kant) کی تنقید (Critique) نے کیا،

اس کتاب میں حسب ذیل مسائل کے متعلق بحث ہے،

۱- خیالات کا مبدء کیا ہے؟

۲- علم کی وسعت کہاں تک ہو؟ اور کہاں تک وہ یقینی ہے؟

۳- فلسفہ کو مجبور کرنا کہ وہ ان مباحث کو ترک کرے، جو بین طور پر ہمارے علم کی حد سے خارج ہیں،

خیال پرستی (Idealism) کے خلاف اس کا انقلاب انگیز جہاد اسلئے تھا کہ بدیہی علوم کی کوئی حقیقت نہیں، ظاہر ہے، کہ نوزائیدہ بچے، بہتیرے غبی آدمی، اور ہشیار جہلا کو ان اولیات (axioms) کے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی، جو بدیہی کہے جاتے ہیں، بدیہی تصورات (Ideas) کے حامی یہ کہتے ہیں، کہ ذہن میں ایسے تصورات موجود ہوسکتے ہیں، جن کا شعور (Consciousness) نہ ہو، لیکن یہ کہنا کہ تصور ذہن میں موجود ہے، درانحالیکہ اس کا شعور نہیں حاصل ہے، اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک چیز ذہن میں ہو بھی اور نہیں بھی ہو، اسلئے کہ شعور ذہن انسانی کا خاصہ ہے، اور وہ چیز جس کا شعور نہ ہو، ذہن میں نہیں پائی جاسکتی،

یہ سچ ہے کہ بعض تصورات کا علم بہت پہلے سے ہوتا ہے، لیکن اگر ہم غور کریں تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوجائیگی، کہ ان حقائق کا علم کسبی (acquired) ہو، وہبی (Innate) نہیں، ہم بتدریج تصورات حاصل کرتے ہیں، اس کے بعد ان کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے ان کے نام رکھتے ہیں، اور اس کے

بعد ان کے مابین جو تعلقات ہیں، ان کو سمجھتے ہیں، اگر تمام عالم انسانی کسی حقیقت کا معترف ہے، تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت بدیہی ہے، ایسے حقائق کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ کسی دوسرے شخص کی زبانی سُنے جائیں، حالانکہ اگر وہ بدیہی ہیں، تو محتاجِ سماعت کیوں ہیں، یہ کہنا کہ ایک حقیقت بدیہی بھی ہو اور نا معلوم بھی صریح متناقض اور غیر معقول ہے،

اخلاقیات کے اصول بھی دوسرے علوم کی طرح بدیہی نہیں، اسلئے کہ مسرت کی تمنا اور تکلیف سے تنفر ہمارے اندر موجود ضرور ہے لیکن یہ کسی ایسی حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا، جو ذہن میں پہلے سے منقوش ہو، بلکہ یہ طبیعت انسانی کے رجحانات ہیں، مزید براں اخلاقیات کا کوئی ایسا اصول نہیں، جس پر ساری دنیا متفق اور کاربند ہو، خدا کا تصور اور اخلاق کے قوانین مختلف قوموں میں مختلف ہیں، سچ بولنے کے متعلق بھی اگر پوچھا جائے تو خدا کے ماننے والے یہ کہیں گے، کہ سچ بولنا خدا کا حکم ہے، اور دائمی سزا یا جزا، خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن مادہ پرست (Materialist) یہ جواب دیں گے، کہ سچ بولنا اسلئے ہم پر فرض ہے، کہ رائے عامہ (Public opinion) ہم سے اسکی توقع کرتی ہے، بخلاف اسکے فلسفی ایک تیسرا جواب دے گا، وہ کہے گا کہ انسان کے علو مرتبت کے شایانِ شان نہیں کہ وہ جھوٹ بولے، اخلاقیات والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ضمیر (Conscience) اخلاق کے قوانین کے توڑنے پر ملامت کرتا ہے لیکن ضمیر در اصل اپنے عمل پر اپنے نفس کی رائے ہے، اگر ضمیر بدیہی اصول کی دلیل ہوتا، تو یہ اصول متضاد نہ ہوتے، کیا یہ واقعہ نہیں کہ جنگلی اور وحشی قومیں ان بری بری جرائم کی مرتکب ہوتی ہیں جنکو سنکر ہر مہذب شخص کانپ اٹھتا ہے، لیکن وہ خود ان حرکات پر منفعل ہونے کے بجائے فخر کرتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ کسی اخلاقی قانون کا توڑنا، اس کے عدم واقفیت کی دلیل نہیں لیکن یہ خیال کرنا کس قدر بعید از قیاس ہے، کہ ساری کی ساری قوم علانیہ اس قانون سے انحراف کرے جس کا علم بدیہی اور لازمی طور پر ہر فرد کو ہو، یہ بھی ظاہر ہے کہ اخلاق کے عملی قوانین کو بدیہی کہدینے سے یہ الزام آتا ہے، کہ اخلاق کی تعلیم کی قطعاً حاجت نہیں، اسلئے کہ ہر متنفس کو

خود ہی اس کا علم ہوگا،

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل غور ہے کہ بعض وہ تصورات جنکی ابتدا، بوڑھی عورتوں کی توہم پرستی سے ہوتی ہے، کسطرح مرور زمانہ اور عوام کی پذیرائی سے آخر میں مذہب یا اخلاق کے اہم قوانین کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں بچوں کا ذہن سادہ کاغذ کی طرح ہوتا ہے، اور ان پر جس قسم کے نقوش ہم کھینچنا چاہیں، کھینچ سکتے ہیں، جب بچے سن شعور کو پہنچتے ہیں اور اپنے علم کا جائزہ لیتے ہیں، تو ان کو یہی توہمات قدیم ترین نظر آتے ہیں، اور خارجی طور پر ان کو ان کی کوئی مثال اور علت نظر نہیں آتی، اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ خدا یا فطرت نے یہ تصورات ان کے ذہن میں شروع ہی سے منقوش کر دئے ہیں، اسلئے یہ بدیہی ہیں،

مزید برآں ایسی حقیقت جو قضیہ (Proposition) (جملہ) کی صورت میں ہو کیونکر بدیہی ہو سکتی ہے، جب کہ وہ تصورات جو اس قضیہ کے اجزا ہیں بدیہی نہیں، کسی قضیہ کے بدیہی ہونے کیلئے بعض تصورات کا بدیہی ہونا لازمی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نوزائیدہ بچے میں بظاہر سوائے بھوک پیاس اور لذت و الم کے احساس کے اور کسی تصور کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، خدا کا تصور بھی بدیہی نہیں، ملحدوں کے علاوہ ایسی قومیں بھی ہیں جن میں خدا کا کوئی تصور نہیں، اور نہ اس کے لئے ان کی زبان میں کوئی اصطلاح ہے، اس کے علاوہ خدا کا تصور مذہب تشبیہہ (anthropomorphism) سے لیکر فلسفیوں کی اعلیٰ الہیات (Theology) تک اسطرح بدلتا ہے، کہ ایک کو دوسرے سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی، اور اگر کسی تصور کا عام اور یکساں ہونا ہی اسکی بدیہیت کی دلیل ہے، تو غالباً خدا کا تصور آگ کے تصور سے زیادہ عام نہیں، اسلئے کہ ایسا کوئی بشر نہیں کہ جسکو خدا کا تصور ہو، اور آگ کا تصور نہ ہو،

ذہن یا نفس انسانی ابتداءً سادہ تختہ کی طرح ہوتا ہے، ہمارے تمام تصورات کی بنا اور سارے علوم کا ذریعہ مشاہدہ (Experience) ہے، تصورات دو ذرائع سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں، ایک حس (Sense) جس سے عالم خارجی کا شعور ہوتا ہے، اور دوسرے وجدان (Reflection) جسکے

ذریعہ اندرونی کیفیات کا علم ہوتا ہے، ذہن مین ایک تصور بھی ایسا نہیں ہوتا جو ان دو کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے آیا ہوا بچے کے ابتدائی تصورات کا ذریعہ حواس ہیں، جب وہ کچھ بڑا ہوتا ہے، تو اسے اپنی داخلی کیفیات کا علم ہونے لگتا ہے، اس دعوے کی دلیل بہت کچھ لسانیات سے ملتی ہے، جتنے الفاظ بھی ہم استعمال کرتے ہیں، محسوس تصورات پر مبنی ہین، وہ الفاظ بھی جو ایسے افعال اور خیالات کے حامل ہیں، جن کا تعلق حواس سے بہت دور کا ہے، یا بظاہر کچھ بھی تعلق نہیں محسوس تصورات سے لئے گئے ہین، اسمیں شک نہیں کہ بتدریج ان کی صورت بدلتی جاتی ہے، اور آخر مین ان کو محسوس تصورات سے منسوب کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مثلاً روح خود ایک غیر محسوس شے ہے، لیکن ریح (ہوا) سے ماخوذ ہے، جو ایک محسوس شے ہے، اسی طرح ملک اُلک (پیغام بھیجنا) سے ماخوذ ہے، یا فرشتہ (فرستہ) فرستادن سے لیا گیا ہے،

اگر ہم ہر لفظ کے مادہ اور ترکیب پر غور کریں اور ان کے معنی کے عہد بعہد کے تغیر کو دریافت کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ ان کی ابتدا کسی نہ کسی محسوس تصور سے ہوئی ہے، بچے کی کیفیات کا اسکی پیدایش کے وقت سے مطالعہ کیا جائے، تو صاف معلوم ہوگا، کہ جون جون ذہن حواس کے ذریعہ سے تصورات حاصل کرتا جاتا ہے، اسمیں غور و فکر کا مادہ بڑھتا جاتا ہے، اسلئے کہ حواس فکر کیلئے مواد بہم پہنچاتے ہیں، ہم اس وقت تک غور و فکر نہیں کر سکتے ہیں جبتک ہمارے پاس محسوس تصورات نہ ہون، اور ذہن میں صرف وہی چیزیں ہو سکتی ہیں جن کا مشاہدہ ہو چکا ہو، خیال پرستوں کے نزدیک، خیال نفس کا خاصہ ہے، اسلئے یہ ناممکن ہے کہ نفس مین کسی وقت بھی خیال نہ ہو، اور محسوسات سے پہلے، اور ان سے بالکل الگ رہنے پر بھی نفس غور و فکر کرتا رہتا ہے، وہ کہتے ہین کہ نفس خیال کرتا رہتا ہے اور یہ ممکن ہے، کہ بعض اوقات اسکو اس کا شعور نہ ہو، لیکن تجربہ ہی اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے، اور وہ اس دعوی کی تائید نہیں کرتا، نفس کیلئے ہمہ دم فکر کرنا اسی طرح ضروری نہیں جسطرح کہ جسم کیلئے ہر وقت حرکت کرنا، خیال کا دائمی تسلسل ایسا نظریہ ہے، جس کا ہمارے تجربہ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، آدمی فکر نہیں کر سکتا جبتک کہ اسکو اسکا شعور بھی نہ ہو، اگر یہ سچ ہو تو ہم کہہ سکتے ہین کہ آدمی ہر وقت بھوکا رہتا ہے، لیکن وہ ہمیشہ اسکو

محسوس نہیں کرتا،

تخیل تمامتر حواس پر مبنی ہے تخیل کی اعلیٰ سے اعلیٰ بلند پروازیوں اور تصور کی انوکھی سے انوکھی جولانیوں میں بھی ہم اس حد سے باہر نہیں جاتے، جو ہمارے حواس یا وجدان نے متعین کئے ہیں، ایسے موقع پر عقل بالکل مجبور ہوتی ہے، محسوس اشیا اپنے تصورات ہمارے ذہن پر نقش کر دیتی ہیں خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، یہ مفرد تصورات جب ذہن کو پیش کئے جاتے ہیں، تو نفس نہ ان سے انکار کر سکتا ہے، نہ ان میں کوئی تغیر کر سکتا ہے، اور نہ انھیں مٹا سکتا ہے، اسکی حالت بالکل آئینہ کی سی ہوتی ہے، جو سامنے رکھی ہوئی چیز کا عکس قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے،

تصورات دو قسم کے ہوتے ہیں، مفرد (Simple) اور مرکب (Complex) مفرد تصورات جو ہمارے تمام علم کی بنیاد ہیں ذہن میں مندرجۂ بالا دو ذرائع سے آتے ہیں، مفرد تصورات کیلئے ذہن مجبور ہوتا ہے، لیکن مرکب تصورات کے معاملہ میں ایک حد تک مختار رہتا ہے، اول الذکر ذہن خود بناتا ہے، جب ذہن میں مفرد تصورات آجاتے ہیں تو اس کو اختیار رہتا ہے کہ انکی تکرار کرے، ان میں مقابلہ کرے، یا ان میں امتزاج کرے، اور ان کی صورتیں بے شمار طور پر بدلی جا سکتی ہیں، جن کے نتائج مرکب تصورات ہوتے ہیں، لیکن یہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ کی قدرت سے باہر ہے کہ ایک بھی نیا مفرد تصور خود بنا لے، عالم خیال میں بھی انسان کا احاطۂ قدرت اسی قدر ہے کہ جتنا کہ عالم خارجی (اشیاء محسوس کی دنیا) میں یہاں بھی علم وفن کی ندرت وجدت اشیاء کی تقسیم اور ترکیب پر محدود ہے، وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک ذرہ کا بھی اضافہ کر سکے، یا اسے معدوم کر سکے،

مفرد تصورات ذہن میں ایک حس کے ذریعہ یا اُس سے زیادہ حواس کے ذریعہ یا محض وجدان سے، یا حواس اور وجدان دونوں سے آتے ہیں، ان تصورات میں سے جو صرف ایک حاسہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں (رنگ، آواز، مزہ، بو، وغیرہ) کوئی تصور ایسا نہیں جو ٹھوس پن (Solidity) سے زیادہ متواتر ہمارے ذہن کو پیش ہوتا ہو، یہ تصور لمس (Touch) کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اور اوس کو تمام مفرد تصورات سے زیادہ جسم سے گہرا تعلق ہے، ٹھوس پن نہ مکان (SPACE) ہے جسکو دیکارٹ غلطی سے مترادف سمجھتا ہے، اور نہ یہ سختگی (HARDNESS) ہے

اس میں اور مکان میں وہی فرق ہے، جو تصادم (Resistance) اور غیر تصادم میں جسم کے ٹھوس ہونے کے معنی یہ ہیں، کہ وہ اس مکان کو بھردے جسمیں وہ ہو اور پھر اسمیں دوسرے جسم کی گنجایش نہ چھوڑے، اور سختگی سے یہ مراد ہے، کہ آسانی سے اپنی شکل نہ بدلے،

مندرجہ بالا بیان جو لاک ٹھوس پن کے متعلق پیش کرتا ہے، اسکی منطقی تعریف نہیں، اگر اس سے پوچھا جائے، کہ ٹھوس پن کی تعریف کیا ہے، تو وہ یہ کہے گا کہ اپنے حواس سے اسکے متعلق واقفیت حاصل کرو، ہمارے مفرد تصورات ایسے ہی ہوتے ہیں، جیسا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے، لیکن اگر ہم چاہیں، کہ ذہن میں اسکو اور واضح اوصاف کریں، تو ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتے،

جن تصورات کیلئے ایک حاسہ سے زیادہ کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مکان، شکل، حرکت اور سکون کے تصورات ہیں، وجدان کے ذریعہ تخیل اور ارادہ وغیرہ کے تصورات حاصل ہوتے ہیں، لذت والم قوت اور وجود وغیرہ کے تصورات حواس اور وجدان دونوں کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں،

ہمارے احساسات کی بعض خارجی علتیں حقیقی (Real) اور وجودی (Positive) ہیں اور بعض محض عدمی (Privations) جیسے ٹھنڈک اور اندھیرا وغیرہ، جب ذہن کو ان تصورات کا شعور ہوتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ دوسرے تصورات کی طرح ہیں، اور وجودی ہیں، اور ان کی علت کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے، جس کی تحقیق تصور سے متعلق نہیں ہے، بلکہ حقیقت اشیاء سے جو موجود فی الخارج ہیں، اور یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں، ان کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے، ہمکو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہمارے تصورات کسی ایسی چیز کے جو اس شے میں مضمر ہے، او جو تصور کی علت ہو، مشابہ یا مماثل ہیں، کیونکہ بیشتر حواس کے تصورات جو ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں، اس چیز سے مشابہ نہیں ہوتے، جو موجود فی الخارج ہے، جسطرح چیزوں کے نام ہمارے تصورات کی تصویر نہیں ہوتے، حالانکہ ان ناموں کے سننے سے ہمارے ذہن میں بعض تصورات آجاتے ہیں، (اُبھر آتے ہیں)

ذہن کو حواس کے ذریعہ جو شعور ہوتا ہے، لاک اسکو تصور کہتا ہے، اور اس چیز کو جو اس تصور کو ہمارے

ذہن میں پیدا کرتی ہے، صفت (quality) کہتا ہے، لاک کے نزدیک صفات دو قسم کی ہیں،

١۔ ٹھوس پن، شکل، حرکت، وغیرہ جو جسم سے غیر منفک ہیں، خواہ وہ کسی حال میں ہو، اور باوجود تغیر کے بھی ان صفات کا حامل رہتا ہے، یہ اصلی یا اوّلی (Primary) صفات ہیں،

٢۔ رنگ، آواز، مزہ، وغیرہ، یہ صفات خود جسم میں نہیں ہوتیں، بلکہ یہ ایک قسم کی قوت ہیں، جنکے ذریعہ اوّلی صفات ہمارے ذہن میں احساسات پیدا کرتی ہیں، یہ صفات غیر محسوس اجزا کی شکل، ٹھوس پن، حرکت کے تغیر کا نتیجہ ہوتی ہیں، لاک انہیں ثانوی صفات (Secondary) کہتا ہے، صفات اسلئے کہ عرف عام میں سُرخ و سفید میٹھا اور نمکین وغیرہ جسم کی خاصیت سمجھے جاتے ہیں، اور ثانوی اسلئے کہ انھیں حقیقی صفات سے متمائز کرے، یہ ثانوی صفات محض احساسات ہیں جو ذہن میں اولی صفات پیدا کرتی ہیں، یہ وہ احساسات ہیں جو کسی طرح بھی ان صفات کے مشابہ نہیں جو اشیا میں موجود ہوتی ہیں تصور میں جو میٹھا، نیلا یا گرم ہوتا ہے دراصل شکل اور حرکت ہی خود جسم کے ان اجزا کی جن کا ہم یہ نام رکھتے ہیں، فرض کیجئے کہ ہم ان صفات کو محسوس نہ کریں یعنی آنکھیں بند کرلیں، پھر رنگ اور روشنی کا وجود کہاں رہتا ہے، اور کان بند کرلیں، تو آواز کہاں رہتی ہے، اسی طرح ذائقہ اور شامہ اگر نہ ہو، تو مزہ اور بو بھی نہ ہو، اگر انسان کے حواس بہت لطیف اور نفیس ہوتے اور مختصر اجزا اپنی محسوس صفات کا خلاصہ معلوم ہوتے، تو بالکل مختلف قسم کے تصورات پیدا ہوتے، اسکا ثبوت خوردبین سے ملتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ خون جراثیم کا مجموعہ ہے جنمیں سُرخ جراثیم کی تعداد نسبتًہ بہت کم ہے، اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر اس سے ہزار یا لاکھ گونا قوت والا خوردبین ہو تو پھر یہ جراثیم کیسے نظر آئیں گے،

تصورات کے حاصل کرنے اور انکی ترکیب و ترتیب کیلئے حسب ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے،

١۔ احساس (Perception) (یا ادراک) جو علم کا پہلا زینہ اور اس کے تمام مواد کے درآمد دروازہ ہے،

٢۔ حافظہ (Retention) جو تصورات کو ذہن میں محفوظ رکھتا ہے، اور دوبارہ ان تصورات کو بوقت ضرورت پیش کرتا ہے،

٣۔ امتیاز (Discernment) جسکے ذریعہ مختلف تصورات کو ہم الگ الگ پہچانتے ہیں،

۴۔ موازنہ (Comparison) جس سے ہم ایک تصور کا دوسرے تصور سے تعلق معلوم کرتے ہیں،

۵۔ ترکیب (Composition) جس سے مفرد تصورات کو ملا کر مرکب تصورات بناتے ہیں،

۶۔ تجرید (abstraction) اگر ہر تصور کیلئے ایک خاص نام رکھا جاتا تو الفاظ کی تعداد لامحدود ہو جاتی، اسکو روکنے کے لئے ذہن خاص تصورات سے عام تصورات بنانا ہے یہ اشیاء کی ان صفات کو جو انھیں خاص بناتی ہیں، الگ کر دیتا ہے، اور ان کی ایسی صفات کو جو دوسری اشیاء اور دوسرے تصورات میں مشترک ہوں، ملا کر ایک عام تصور بنا لیتا ہے۔ ذہن کے اس فعل کو تجرید کہتے ہیں، اور یہ ذہن انسانی کیلئے مخصوص ہے، حالانکہ ماقبل قوتیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں،

احساس کے وقت ذہن مجبور ہوتا ہے، لیکن اسکے بعد جوں جوں وہ دوسرے زینوں پر قدم رکھتا جاتا ہے، اس کا اختیار بڑھتا جاتا ہے، موازنہ ترکیب اور تجرید ذہن کے اعلیٰ افعال ہیں، لیکن مرکب تصورات کے بنانے میں ذہن کو کتنا ہی اختیار کیوں نہ ہو جب اسکے مواد کا تجزیہ کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ یہ وہی احساسات ہیں، جنکے معاملہ میں ذہن بالکل مجبور ہے، اسی طرح مکان شکل اور فصل مفرد تصورات کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں، جو حواس خمسہ کے رہین منت ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ ہمیشگی لامحدودیت وغیرہ کا تصور کیونکر ہو سکتا ہے، جب کہ ہمارے گرد و پیش کی اشیاء کوئی بھی ایسی نہیں، تو لاک جواب دیتا ہے، کہ یہ تصورات عدمی ہیں، ہمیں دراصل نہ لامحدود مکان کا تصور ہوتا ہے، اور نہ غیر محدود زمان کا، ہمارے تمام وجودی تصورات محدود ہوتے ہیں، لامحدود زمان و مکان کا عدمی تصور ذہن اسطرح حاصل کرتا ہے، کہ زمان و مکان کے تصورات کو بیشمار طور پر مضاعف کرتا ہے،

اضطراری اور اختیاری قوتوں کا تصور اس طرح ہوتا ہے، کہ ایک طرف تو اشیاء میں مسلسل تغیر کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف ہمارے تصورات کا دائمی تغیر معلوم ہوتا ہے، جو بعض وقت خارجی اشیاء کی وجہ سے ہوتا ہے، اور بعض وقت اپنے ارادہ کی وجہ سے،

جب ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ ذہن ایک تصور کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے، یا اوسے محو کر سکتا ہے، یا جسم کے مختلف اعضا

میں سے کسی ایک کو اپنی خواہش کے مطابق حرکت میں لاسکتا ہے، تو ارادہ کا تصور حاصل ہوتا ہے، ارادہ ضرورت نہیں، بلکہ پابندی کے متضاد ہے، آزادی ارادے کی صفت نہیں، ارادہ ایک قوت یا صلاحیت ہے، اور آزادی بھی ایک قوت ہے، اس لئے یہ کہنا کہ آدمی کا ارادہ آزاد ہو گویا یہ کہنا ہے کہ ایک قوت کو دوسری قوت حاصل ہے، یا ایک صلاحیت میں دوسری صلاحیت ہے، ارادہ کو آزاد کہنا بالکل ایسا ہی ہے، جیسا نیند کو تیز رو یا نیکی کو گول کہنا، ہم ارادہ کرنے میں آزاد نہیں، ہم اس پر مختار نہیں کہ کسی چیز کے متعلق جو ہمارے اقتدار میں ہے، ارادہ کریں یا نہ کریں جبکہ ہم اس طرف متوجہ ہو چکے، ارادہ ذہن کا پابند ہے، اور ذہن مسرت کی خواہش کا پابند، اس معاملہ میں لاک، لائبنز (Leibnitz) اور اسپنوزا (Spinoza) متفق ہیں، اور دیکارت اس رای کا مخالف ہے،

مرکب تصورات کی تین قسمیں ہیں:-

۱- صفات (Modes) کے متعلق جیسے دوستی، جھوٹ، احسان وغیرہ،

۲- مادّہ (Substance) یا جوہر کے متعلق جیسے آدمی، گھوڑا، درخت وغیرہ، ذہن مشاہدہ کرتا ہے کہ چند مفرد تصورات مختلف حواس کے ذریعہ ہمیشہ ساتھ ذہن میں داخل ہوتے ہیں، اسلئے تصورات کے اس مجموعہ کو ایک شے قرار دیتے ہیں، اور اس کا ایک نام رکھتے ہیں، جوہر یا مادہ مفرد تصورات کے ایسے مجموعے کا نام ہے جو ہمیشہ ساتھ ہوں، آفتاب صرف روشنی، گرمی، گولائی، اور مسلسل حرکت کے تصورات کا مجموعہ ہے، مادّہ سے دیکارت ایک نامعلوم شے مراد لیتا ہے، اور اس کا یہ خیال ہے کہ مادہ میں وہ صفات ہوتے ہیں، جو ہم میں مفرد تصور پیدا کرتے ہیں، اور مادّہ وہ چیز ہے جس پر ان صفات کا انحصار ہے لیکن مادّہ کو مجموعۂ صفات کے علاوہ کچھ سمجھنا یا یہ خیال کرنا کہ صفات کے پردہ میں کوئی چیز پوشیدہ ہے محض واہمہ کی خلاقی ہے، ہم صفات سے الگ کسی ایسے جوہر کا تصور نہیں کر سکتے، اگر کسی سے پوچھا جائے، کہ رنگ اور وزن کس چیز میں ہیں، تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ٹھوس طول و عرض میں اگر اس سے پھر دریافت کیا جائے، کہ ٹھوس پن کس چیز میں ہے، تو اسکی حالت اس شخص سے بہتر ہو گی جس نے یہ کہا تھا کہ دنیا کو ایک ہاتھی اٹھائے ہوئے ہے، جب اس سے پوچھا گیا کہ ہاتھی کس پر قائم ہے، تو اس نے کہا کہ ایک بہت بڑے کچھوے کی پیٹھ پر، جب اس

سے پھر پوچھا گیا، کہ کچھوے کے نیچے کون چیز ہے، تو اس نے جواب دیا کہ کچھ ہوہی گا، لیکن مجھے اسکی خبر نہیں" ہمارا علم صفات کی حد سے باہر نہیں جا سکتا یعنی صرف مفرد تصورات پر منحصر ہے، اور جب بھی مابعد الطبیعیات والے اس سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں، تو لاینحل مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

۳۔ تیسری قسم کے مرکب تصورات، تعلق، علاقہ اور اضافت (Relation) کو ظاہر کرتے ہیں، سب سے زیادہ عام تعلق جو ہر شے پر حاوی ہے، علت و معلول کا تعلق ہے، اس کا تصور اسطرح ہوتا ہے، کہ ہم اشیا میں تغیر محسوس کرتے اور یہ مشاہدہ کرتے ہیں، کہ ان کا وجود منحصر ہوتا ہے، کسی دوسری شے کے فعل پر، لاک علت (Cause) کے تصور کا زیادہ تجزیہ نہیں کرتا، اس کا تکملہ اس کے بعد ہیوم نے کیا جو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تصور بھی اسی قدر واہمہ کی تخلیق ہے، جسقدر کہ مادہ کا تصور،

تصورات کے مطالعہ کے بعد علم اور یقین کے مسائل کی طرف لاک متوجہ ہوتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس نے لسانیات کے متعلق ایک طویل بحث کی ہے، جسے ہم نے مختصراً اوپر بیان کیا، اسی وجہ سے لاک فلسفہ کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے،

تمام اشیا جو موجود ہیں جزئی (Particular) ہیں لیکن الفاظ کی زیادہ تعداد عام تصورات کے متعلق ہے، یہ بات بے توجہی کا نتیجہ نہیں، بلکہ ضرورت اور عقل کا تقاضا ہے، اب سوال یہ ہے کہ نوع (Species) اور جنس (Genus) کے کیا معنی ہیں، اور یہ کس طرح بنتے ہیں، ہمارے تصورات ابتداءً مخصوص ہوتے ہیں، بچوں کا تصور اپنے ماں اور باپ کے متعلق صرف انہی افراد کی تصویر ہوتا ہے، ان کیلئے جو نام وہ رکھتا ہے اس سے مراد صرف ان کی ذات ہوتی ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے، اور دنیا سے واقفیت ہوتی جاتی ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے ماں باپ سے مشابہ ہیں، اور ان میں جو مشترک خصوصیات ہیں، اُن کیلئے ایک خاص تصور ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے، جس کا نام وہ آدمی رکھتے ہیں، اور اس طرح وہ ایک کلی تصورات (General) کے لئے ایک عام نام رکھتے ہیں، جسمیں وہ کوئی ایجاد نہیں کرتے، بلکہ مختلف افراد کی خصوصیات

کو نظر انداز کر کے ان کے مشترک صفات کو لے لیتے ہیں، اسی طرح عام تصور حاصل ہوتے ہیں، عمل تجرید و تعمیم ضروری چیز ہے، اسلئے کہ ہر شے کیلئے خاص نام رکھنا ناممکن ہے، ذہن انسانی کی قوت سے زیادہ ہے، کہ وہ ہر چیز کا جسے کہ وہ محسوس کرے، خاص نام رکھے، اور اسے حافظہ میں محفوظ رکھے، بفرض محال ایسا ہو بھی، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، اور نہ اس طرح علم کی ترقی ہو سکتی ہے، اگرچہ ہمارا علم مخصوص (PARTICULAR) مشاہدات پر منحصر ہے لیکن اسکی ترقی عام خیالات کی محتاج ہے، جو صرف اسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں، کہ چیزوں کو نوع میں تقسیم کیا جائے اور ان کیلئے عام اصطلاحات ہوں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عام تصورات ہمارے ذہن کی تخلیق ہیں، ان کا خارجی وجود نہیں، اس میں شک نہیں کہ فطرت نے بعض چیزوں کو یکساں بنایا ہے، جس میں خصوصاً جانوروں کی مختلف قسمیں ہیں، لیکن ان کو ایک نوع قرار دینا، ذہن انسانی کی ایجاد ہے، افلاطون کا یہ نظریہ کہ عام تصورات غیر مخلوق اور غیر تغیر پذیر جوہر ہیں، فطرت اشیار کے علم کی کمی پر مبنی ہے، وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کہ تمام اشیار اپنے خالق کے سوا تغیر پذیر ہیں، آج جو چیز گھاس نظر آتی ہے کل کسی جانور کا گوشت و پوست ہو جائے گی، اور چند دنوں کے بعد ایک آدمی کا جزو بدن، غیر جاندار اور جاندار عالم میں جنس نوع جوہر اور جوہری شکل SUBSTANTIAL FORM کو ما بعد الطبیعیات والے فطرت کی تخلیق سمجھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ ان کا اشیار میں وجود ہے (ارسطو) یا اشیار سے الگ وجود ہے، (افلاطون) ان کا جب غائر مطالعہ کیا جاتا ہے، تو ان کی حقیقت صرف اس قدر نظر آتی ہے، کہ یہ ذہن کی ایجاد ہیں، جو صرف سہولت کے خیال سے بنائے گئے ہیں، تاکہ بعض مجموعۂ تصورات کے بیان کرنے میں صرف ایک لفظ کافی ہو،

اس ضمن میں یہ قابل غور ہے کہ بعض الفاظ کے معنی میں کسقدر التباس ہوتا ہے، خصوصاً نوع یا جاندار ہستی کی تعریف کرنا کسقدر مشکل ہے، نوع حیوانی کے حدود اس قدر غیر متیقن ہیں، کہ آدمی کی کوئی تعریف بھی ابتک اسقدر جامع اور مانع نہیں کیگئی ہے، کہ ایک مفکر کے لئے تشفی بخش ہو، علمائے نباتیات، نوع کی بہتیری تقسیم کرتے ہیں، بخلاف اسکے بعض جگہ نوع کی تقسیم میں کمی کی جاتی ہے، ہر جگہ افراط و تفریط نظر آتی ہے، مثلاً بر شیرا

اور چیتا کیوں اسقدر صاف طور پر مختلف نوع نہیں، جتنے کہ کتا اور ہاتھی، ہر وہ شخص جو غور و فکر کا عادی ہے، اور ایک عام تصور کے ماتحت مختلف افراد کا مشاہدہ کرتا ہے، یقینی اس نتیجہ پر پہنچے گا، کہ ان میں کے بعض افراد اسی قدر متبائن اور مختلف ہیں جتنے کہ بعض وہ افراد جو مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں یہ قابل ذکر ہے کہ تغیر انواع (Transmutation of species) کا نظریہ لاک کے اس خیال سے مستنبط ہے، کہ نوع کا وجود خارجی حقیقی نہیں، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انتہائی اسمیت (Nominalism) انتہائی موجودیت (Realism) کے قریب پہنچ گئی ہے، لاک برابر یہی کہتا ہے کہ اپنے خالق کے علاوہ ہر چیز تغیر پذیر ہے، اسلئے نوع وجنس وغیرہ محض نام ہیں علمائے مابعد الطبیعیات کی یہ تاریخی غلطی ہے، کہ وہ الفاظ کو اشیاء کی حقیقت سمجھتے ہیں، ہمیں اس پر قانع ہونا چاہیے، اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ علم کی ایک سرحد ہے، جسکے پرے ہم نہیں جا سکتے ہیں،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم کی حقیقت کیا ہے، لاک کے نزدیک یہ صرف تصورات کا تعلق ان کا باہمی اتفاق یا عدم واقفیت اور بے تعلقی کا احساس ہے، اس تعریف سے یہ مستنبط ہوتا ہے، کہ ہمارا علم ہمارے تصورات سے زیادہ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ اس سے بھی زیادہ محدود ہے، اسلئے کہ ہمیں بہتیرے مفرد تصورات کے تعلق کا علم نہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ موجودہ علم میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے، تاہم یہ کبھی بھی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ ہم اپنے تمام تصورات کے تعلق کو اپنی خواہش کے مطابق معلوم کر لیں، نہ یہ ممکن ہے کہ ان کے متعلق جو سوالات پیدا ہوں ان سب کو حل کر لیں، مثلاً ہمکو مادہ اور نفس کا تصور ہے لیکن غالباً ہم کبھی بھی جان نہیں سکیں گے کہ ایک محض مادی شے میں شعور کی صلاحیت ہے، یا نہیں، چونکہ یہ ناممکن ہے کہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ قادر مطلق نے کسی خاص مادہ میں شعور کی صلاحیت دی ہے، یا نہیں ہمیں اپنی روح کے وجود کا پورا شعور ہے، لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے، اور جو شخص بھی آزادی رائے کے ساتھ روحانی یا مادی نظریوں کی دشواریوں پر غور کریگا، تو وہ شاید ہی اس بات کا قطعی اور حکمی فیصلہ کر سکے، کہ روح مادہ نہیں، جس طرح کہ ہم مادہ اور احساس کے تعلق یا اختلاف سے بالکل ناواقف ہیں، اسی طرح ہمارے لئے یہ ناممکن ہے، کہ کسی شے کے ثانوی صفات کے مابین یا ثانوی صفات

اور اُولی صفات کے اتحاد یا تنافر کے متعلق کچھ جان سکیں،

ہمارا علم تصورات کے پرے نہیں جا سکتا، صرف ان کے اتفاق یا عدم موافقت کا احساس ہو سکتا ہے؛ ہم یہ بھی نہیں جان سکتے ہیں، کہ جن چیزوں کے یہ تصورات ہیں، ان کی اصل حقیقت کیا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ہمارا علم ایک مسلسل التباس اور پیہم فریب ہے، ہمیں اپنے وجود کا بلا واسطہ وجدانی علم ہے، اگرچہ مابعد الطبیعیات کے نقطۂ نظر سے روح کی حقیقت سے ناواقف ہوں، ہمیں خدا کا تصریحی (DEMONSTRATIVE) علم ہے، اگرچہ ہمارا شعور اسکے صفات کی کثرت پر حاوی نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا علم اسی طرح حواس کے ذریعہ ہوتا ہے، یہ صحیح ہے کہ ہم ان کو بلا واسطہ نہیں جانتے، اسلئے ہمارا علم اسی حد تک صحیح ہے؛ جہانتک کہ ہمارے تصورات اور حقیقت اشیاء میں مناسبت ہے، لیکن ایسا نہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی کسوٹی نہیں جس کے ذریعہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ ہمارے تصورات اشیاء کے مطابق ہیں یا نہیں، یہ یقینی ہے کہ ہمارے مفرد تصورات خارجی حقیقت کے مطابق ہیں، ذہن بغیر حواس کی مدد کے انھیں بنا نہیں سکتا، اندھے رنگ اور روشنی کا تصور نہیں رکھتے، اسلئے یہ ظاہر ہے کہ تخیل کی تخلیق نہیں، بلکہ واقعی اور حقیقی نتیجہ ہیں خارجی اشیاء کے جو ہم پر اپنا اثر کرتی ہیں، خارجی اشیاء کی حقیقت کا اس سے بھی ثبوت ملتا ہے، کہ کسی شے کو محسوس کرنے اور پھر حافظہ میں اس کا تصور کرنے میں بہت فرق ہے، اور وہ لذت یا الم جو کسی احساس کے ساتھ ہوتا ہے، اس وقت نہیں پیدا ہوتا، جب کہ خارجی اشیاء موجود نہ ہوں، اور صرف حافظہ میں انکا شعور کیا جائے، مزید برآں ہم ایک حس کا دوسرے حس کے نتائج سے مقابلہ کرتے ہیں، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے، کہ محسوس اشیاء کا خارجی وجود ہے، اگر کوئی شخص آگ کا مشاہدہ کرے اور یہ شک ہو کہ یہ محض وہم ہے، تو اپنے ہاتھ کے ذریعہ بھی اسکو جانچ سکتا ہے، اور اگر یہ واقعی وہم ہے، تو اس کو جلنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوگی، اسطرح مختلف حواس ایک دوسرے کی صداقت پر شہادت دیتے ہیں۔

خلاصہ بدیہی تصورات کا وجود نہیں، بدیہی اصول و قوانین یا اولیات بھی نہیں ہو سکتے، علم کے ذرائع دو اہم

حواس خارجی اشیار کیلئے اور وجدان داخلی کیفیات کیلئے، اسلئے علم کی سرحد خواہ وہ خارجی ہو، یا داخلی مشاہدہ اور تجربہ سے باہر نہیں، فلسفہ کو جوہر اور حقیقت اشیار کے مسئلہ سے قطع نظر کرنا چاہئے، مشاہدہ استقرار اور تجربہ کے سوا، اور کوئی طریقہ نہیں استعمال کرنا چاہئے، روح کا وجود ہے لیکن ہم یہ نہیں جان سکتے کہ اس کا وجود مادی ہے یا غیر مادی، بے تعلقی کی آزادی ناممکن ہے، خدا موجود ہے لیکن اسکی حقیقت کا ہمیں علم نہیں، خارجی طور پر ٹھوس پن، مکانیت، شکل اور حرکت وغیرہ اولی صفات ہیں، ان کے علاوہ ثانوی صفات (رنگ، آواز، ذائقہ وغیرہ) بھی ہیں، جو صرف ہمارے ذہن کے احساسات ہیں جنھیں اوّلی صفات ہمارے ذہن میں پیدا کرتی ہیں، یہ بجائے خود اشیار میں موجود نہیں، جسم کا جوہر اور اسکی صفات کا مجموعہ ایک ہی چیز ہے، نوع کی حقیقت کچھ بھی نہیں،

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفے کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی لکھا گیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں ملسکتا، ضخامت ۴۰۹ صفحے قیمت سے،

برکلے اور اس کا فلسفہ

مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی، اور اسکے فلسفہ کی تشریح اردو میں فلسفۂ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے،

قیمت :- عہ، ضخامت ۱۲۶ صفحے،

"منیجر"

خواجہ حسن دہلوی

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

عام طور پر مشہور ہے کہ ہندوستان کے فارسی گو شعرا میں صرف فیضی اور امیر خسرو کو یہ شرف حاصل ہے، کہ انکے شاعرانہ فضل و کمال کو ایرانی شعرا نے بھی تسلیم کیا ہے لیکن اس شہرت میں امیر خسرو کے معاصر خواجہ حسن دہلوی بھی اُن کے شریک و سہیم ہیں، اور ایرانی شعرا اور تذکرہ نویسوں نے جا بجا دونوں کا نام ایک ساتھ لیا ہے، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی ایک موقع پر لکھتے ہیں :-

"فضلا متفق اند کہ سوز خسرو و لطافت حسن و نازکیہائے کمال و صفائے سخن حافظ در کلام امیر شاہی جمع است"

آصفی کہتے ہیں :-

زخوباں گفتہائے آصفی حالے دگر دارد ۔۔۔ کہ او را سوز خسرو نازکیہائے حسن دیدم

عبید زاکانی کہتا ہے،

گر غزلہائے جہاں روزی بہندستان فتد ۔۔۔ روح خسرو با حسن گوید کہ ایں ... گفتہ است

دولت شاہ نے حسن کی ایک غزل نقل کی ہے اور لکھا ہے، کہ فضلا نے اس غزل کے بہت سے جواب لکھے، لیکن کوئی جواب اس غزل سے بہتر نہ ہو سکا، حسن کے فخر کیلئے یہ بات کیا کم ہے، کہ نہ صرف امیر خسرو بلکہ کمال اور حافظ کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے، اور ایرانی شعرا ان کی غزلوں کا جواب لکھتے ہیں، اور اُن سے جواب بن نہیں آتا، یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ حسن عام طور پر سعدی ہند کے لقب سے مشہور ہیں لیکن دولت شاہ نے لکھا ہے کہ وہ امیر خسرو کا تتبع کرتے ہیں لیکن بہر حال بات ایک ہی ہے خود امیر خسرو شیخ سعدی کے متبع ہیں، اور حسن نے

امیر خسرو کا تتبع کرکے اس شراب کو اور دو آتشہ کر دیا ہے، دولت شاہ نے خواجہ حسن کے کلام پر ان الفاظ میں اجمالی ریویو کیا ہے،

سخن پر حال و سہل ممتنع دارد، اگر چہ پر صنعت نیست، امانبایت بدل نزدیک و روان است"

اور ہم اسی اجمال کی تفصیل کرنا چاہتے ہیں،

غزل درحقیقت نام ہے، اُن عاشقانہ جذبات کا جو نہایت، نرم و شیریں الفاظ، اور پر درد لہجہ میں عجز و نیاز کے ساتھ ظاہر کئے جائیں، خسرو اور سعدی کا اصلی وصف یہی ہے، اور حسن نے اس وصف کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا ہے، مثالیں ملاحظہ ہوں :-

سرگرداں کہ خاک پائے توام عہد شکن کہ در وفائے توام
تا تو چوں آسماں شدی سرکش من زمیں وار خاک پائے توام
تا تو سلطان آرز و بخشی، من بصد آرزو گدائے توام
گر نہ رایت بود نیارم زیست من کہ خود زندہ ام برائے توام
گر اجابت کنی و عاے کسے، من شب و روز در دعائے توام
از درت دور نیستم چوں حسن چہ تواں کرد مبتلائے توام

غمت را جائے جز در جاں نباشد من از جاں فارغم گرآں نباشد
غمت ہر گہ کہ مے آید بیا گو، در درویش را درباں نباشد
غریبے دوش می نالید و می گفت شب عشاق را پایاں نباشد
حسن وصل تو مے جوید محال ست گدا ہم کاسہ سلطاں نباشد

مرا ہمے بخرد ہیچ کس بہ بازارے غلام راہزنے نہ چہ عیب بردلال
یک غلامست حسن نام درونے ناخوش گر قبول از تو فتد گرد سرش گردانم

دو سہ بار با تو گفتم کہ مرا بہ ہیچ بستان
نشد اتفاق شاید کہ بایں بہا گرانم

عشق و محبت میں درد وغم اور سوز و گداز کے اظہار کا بہترین موقع اسوقت ملتا ہے جب دو درد رسیدہ ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کی پر درد کہانی سنکر اپنی داستان غم سنانا چاہتا ہے، شیخ سعدی نے اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا تھا،

اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم
تو عشقِ گلے داری من عشق گل اندامے

اور خواجہ حافظ نے اس خیال کو اور بھی بلند آہنگی کے ساتھ ظاہر کیا ہے،

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری است
کہ ما دو عاشق زاریم کار من زاری است

لیکن خواجہ حسن نے اس کو بہت زیادہ بڑھایا ہے،

اے مرغ بنال تا بنالیم
از اختر خویش درد بالیم

از دوستی ہوا تو نالی،
ما ہم بہوائے دوست نالیم

تو بہر وصالِ گل زنی پر،
ما زیر پر فراق بالیم،

میدان فراق را شدہ گوئے
انگاہ مپرس در چہ حالیم،

تو یافتہ جمالِ محبوب
ما گم شدگانِ آن جمالیم،

تو ساختہ ہزار دستان
ما سوختگان تو زلالیم

با وحسن و نوا و نالہ،
اے مرغ بنال تا بنالیم،

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس درد وغم اور عجز و نیاز کے ساتھ جوش بیان کو بھی پوری طور پر قائم رکھتے ہیں، اور الفاظ کی سادگی اور شیرینی میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے، مثلاً:-

بیا کہ بر ہمہ خوبان شہنشاہ توئی،
چو غنچہ در صف گل صاحب کلاہ توئی

کلہ بپوش کہ فرمان بر دیا براست
کمر ببند کہ سالار ہر سپاہ توئی

زہے نشاط دران سینۂ کہ منزلِ تست | زہے رواج دران کشورے کہ شاہ توئی
بروشنانِ فلک حاجتے ندارم از انک | مرا بروز و شب آفتاب و ماہ توئی
زدست تو بکجا نالم زمام حکم تراست | زتو سوئے کہ گریزم گریزگاہ توئی
ہراس چیست چو امید مرحمت ازتست | گناہ چیست چو بخشندۂ گناہ توئی
کدام قاضیِ حکم حسنؔ تو اند کرد، | کہ ہم میانجی و ہم خصم و ہم گواہ توئی،

یہ جوشِ بیان اسوقت اور بڑھ جاتا ہے، جب وہ رندی و سرمستی کے مضامین باندھتے ہیں، اوراسوقت وہ سعدی ہند سے کے بجائے حافظ شیراز معلوم ہوتے ہیں،

صبا جنبید و وقت آمد کہ بلبل از چمن پرسد | بنفشہ یاسمن شنید سمن از یاسمن پرسد
بہار است و ہوائے خوش خوشا وقت کسان کاکنون | یکے جوئے رواں جوید یکے راہ چمن پرسد
بیک جرعہ ز جام لب دو عالم زندہ کن زانکہ | خضر را گوئے اینک آب حیواں اینچنیں باید
من باز بادہ خوردم رسم گذشتہ نوشد | تسبیح بیع کردم، سجادہ ہم گرو شد
ساقی بیار مے کہ چوں زر گشت کارہا | گل ریخت گنج زر بہمہ مرغزارہا
آمد بہار نو بدہ آں بادۂ کہن، | کز یک نسیم او شگفد نو بہارہا
وقت ہوا خوش است ہوا از مزاج صاف | بنشاندہ اند از ہمہ جانب غبارہا

اون کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے، کہ غزل میں مدح لکھتے ہیں، چنانچہ اس غزل میں بھی سلطان علاء الدین کی مدح لکھی ہے،

شہ اتفاق جشن کند گوئیا کہ گل، | از زر و سیم ساختہ اند این نثارہا،
با غنچہ داشت ہر سر و کارے کہ داشت گل | بکشا سر قرابہ کہ بکشاد کارہا،
سلطان علاء دنیی و دین آنکہ روزگار | شاہے چو او نیافتہ در روزگارہا،

نامش محمد است، محمد صفت بہ بیں، دیں راز وال دولت او شد مدارہا،
چوں شرح بذل اوست بروں از حسابہا سال بقاش باد فزوں از شمارہا

اور اس لحاظ سے گویا اوپر کے اشعار تشبیب بن گئے ہیں،

اس زور بیان نے اُن میں ایک وصف قادر الکلامی کا پیدا کر دیا ہے، جس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، بعض اوقات مسلسل غزلیں لکھتے ہیں، اور اون میں ایک ہی قسم کے خیالات نہایت دلآویزی سے ظاہر کرتے ہیں، مثلاً :۔

ایں منم کز تو سلامے بمن آورد رسول تا زہ تر کرد ہوائے من و امید وصول
نامہ آورد رسول تو و من از شادی گہ سر نامہ ہمی بوسم و گہ پائے رسول
گر جوابے نہ نویسم کرمت بسیار است فضل کن ہر چہ ترا در نظر آید ز فضول
من خود از شوق تو پیچیدہ سرم چوں نامہ تن نالاں چوں قلم از کشش عشق ملول
روئے خود ساختہ ام صفحہ بجائے کاغذ عذر قرطاس بود نیز در کریماں مقبول
قلم از نوک مژہ کردہ سیاہی از چشم ہمہ شب شرح غمت را بکتابت مشغول

گفتیم حالِ حسن حبیبت ز اقبال غمت
کار بر حسب مراد ست غرضہا محصول

اسی سلسلے میں معشوق کے مسلسل اوصاف بھی داخل ہیں، مثلاً :۔

ہر دو از من روانے من روانے، بتے شوخے، لطیفے، دلستانے،
سہے، مہرے، گلے، مشکے، عبیرے خوشے، خوبے، حبیبے، مہربانے،
حریفے، دلبرے، تنگے دلیرے ظریفے، نازکے، تیرے، کمانے،
طبیبے، دارو سے، دردے، بلائے، قضائے، محنتے، رنجے، فراقے،

کمندے، ناوکے، تیرے، خدنگے، امیرے، بادشاہے، پہلوانے،

شریفے، شاہدے، خمرے، خمارے لطیفے، سرکشے، جان جہانے،

حسن مداح او گشتی، ازاں شد زبانت در سخن، گوھر فشانے،

اگرچہ ان اشعار میں کوئی کیف واثر نہیں ہے، تاہم بہرحال ان سے ان کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے، بعض اوقات اپنی اور معشوق کی ایک ایک چیز کو لیکر ایک وصف خاص میں دونوں کا اشتراک ثابت کرتے ہیں جس سے کہیں تو معشوق کی خوش جمالی اور اپنی زبون حالی ثابت ہوتی ہے، اور کہیں دونوں میں مساوات کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً:۔

خال تو وحال من ہر دو سیہ ہمچو قیر ذہن من وروے تو ہر دو چو ماہ منیر

قد من و ابروئیت ہمچو کمان کثر بود قد تو و قول من، راست بود ہمچو تیر

فرق تو و جسم من ہر دو چو ماہ نو ست موئے تو و روز من ہر دو چو شب گشت تیر

قہر تو و صبر من تلخ چو زہر آمدہ است وصل تو و کام من ہیچ چو امید پیر

لطف تو و عشق من ہمچو فرح جان فزا،

حسن تو و شعر حسن ہر دو روان دلپذیر

بعض اوقات مکرر قافیے لاتے ہیں، اور ان کو نہایت خوبی کے ساتھ نباہتے ہیں۔ مثلاً

اے طبیب آخر زمن تاکے نپرسی آہ آہ دردمندان غمت را پرسشے کن گاہ گاہ

میکشم بار غم عشق تو بر دل کوہ کوہ خرمن صبرم بباد نیستی شد کاہ کاہ

درھوائے ابرویت پیوستہ سرگردان ہلال میشود باریک زین غم می گریزد ماہ ماہ

پیل بند عشق تو بر عرصہ دل استوار شاہ رخ بنما کہ مات است از غزای شاہ شاہ

از سر مستی حسن چاہ زنخدانش گرفت دست بگرفتش کہ اے دیوانہ ہستی چاہ چاہ

ادنکے کلام کی ایک خصوصیت تشبیہ کی جدت اور لطافت ہی، وہ نہایت سادہ مگر بالکل جدید اور نیچرل تشبیہیں پیدا کرتے ہیں، جو نہایت نازک اور لطیف ہوتی ہین، مثلاً

خالِ تو بر زنخ چہ تکیہ زند، طفل نزدیک چہ چرا خسید،

خطت بر لب چو زنگی دایہ ہیں گرفتہ شیرخوارے را در آغوش

کنون کہ ختم شدش بر بتان نبوت حسن ز زلف تیرہ برانگیخت لیلۃ المعراج

دوست حاضر ہمچو شاخ گل ولے از رقیبش تند بادے داشتم

با رخ خوے کردہ بر بام آمدی، چون گل نوخاستہ باران زدہ،

ز دستِ عشق چنان عاجز ست عقل حسن کہ پیش شحنہ احتساب عامل معزول

ابر چون چشم زلیخا بہر یوسف اشکبار ژالہا چون دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید

بید لرزان از شمال اینک چو اصحاب الشمال یاسمین مانند اصحاب الیمین دفتر سفید

بعض الفاظ بین عربی نقرت نہایت خوبی کے ساتھ لاتے ہیں جس سے ان کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً:-

سورۂ فخر روے تراہر کہ بدید، "قُل ہُوَ اللّٰہُ اَحَد" خواند و باخلاص دمید

"انبت اللّٰہ نباتاً حسنا" گفت و گذشت خضر آنگہ کہ بگرد شکرت سبزہ بدید

"زادک اللّٰہ جمالاً" نتوان گفت کہ نیست بجمالِ طرب افزاے تو امکان مزید

خال تو بر لب تو عفو نیست پر شکر تا ذکر شہد "فیہ شفاء" نوشتہ اند

عفو است گر ز حشمت تیرے رسید مارا بے قصد بود وانم "رُمیا بغیر رامی"

اون کے کلام کی ایک عام خصوصیت جو حضرت امیر خسرو کے تتبع کا فیض ہے، رعایت لفظی ہے لیکن حضرت امیر خسرو نے اپنی بعض مثنویوں میں اسکو ضلع جگت کی حد تک پہنچا دیا ہے لیکن امیر حسن اسکا

استعمال نہایت لطافت کے ساتھ کرتے ہیں،

سرکش چو نہ سپہری روشن چو ہفت کوکب　　در چاردہ نباشد ماہے بدیں تمامی،

باآنکہ دُر و صلم بخشیدۂ تو خواہم　　زاں لعل آبدارت یک چند بوسہ وامی

چشم حسن سفید شد در رہِ انتظار تو　　بوکہ زچوں تو یوسفے بوے وفا بوے رس

زروحے کہ یابد روحِ من از یک نسیم کوے او　　واللہ کہ نتواں یافتن از ہشت بستاں انیقد

حسن اگرچہ تصوف کے ایک خاص سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے کلام مین صوفیانہ حقائق واسرار اوراخلاقی مضامین نہیں پائے جاتے، وہ خالص عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں، اور اس رنگ میں ان کے اعلیٰ اشعار حد اعجاز تک پہنچ جاتے ہین مثلاً

اے سرو بتو شادم شکلت بنظاں ماند،　　اے گل بتو خوشنودم تو بوے کسے داری

گر غنچہ دہد بوے دانم کہ تو می خیزی،　　در صبح شود طالع دانم کہ تو می آئی،

گر بندہ خریدن را از خانہ برون آئی،　　امروز مرا باشد ز اقبالِ تو بازارے

اے دو جہاں فدائے تو تو ز جہانِ دیگری　　باغ و بہارِ حسن را سرو روان دیگری

بامداداں نامۂ دادت حسن گریہ کناں　　قصہ اش خواندی و در آبِ روان انداختی

اے قاصد از کجائی از ہر کجا کہ آئی　　بنشیں کہ ہست در تو سیمائے آشنائی

از آستینت مارا پر مشک گشت دامن　　ایں نامہ میکشی تو یا نافہ مے کشائی.

دارم بشہر ماہی کز خرمنِ جمالش　　خورشید خوشہ چیند مانند روستائی

امروز وقت صبحم آمد از وسلامے.

خوش وقت صبحگاہاں آغاز روشنائی،

اللہ اللہ ایں توئی یارب کہ مہمان منی　　دوش در دل بودہ امروز در جانِ منی

سر بسودائے تو در باز م کہ سر باز توام جاں بزیر پایت افشانم کہ جانان منی،

خسرو پرویز گر شیرین و شکر ہر دو داشت تو بدیں لبہاے شیرین شکرستان منی،

اے کہ عمرے تشنہ بودم شکر وصل ترا قطرۂ در کارِ من کن کآب حیوان منی،

گر حسن صد بار میگوید کہ من زان توام،

کے چناں باشد کہ یک رہ گوئی آن منی

بود گہے کہ سر گیسوئے تو باز کنم، برائے وصل تو از وے شبے دراز کنم

ہمہ حدیث بہشت است و آیت رحمت بفال روے تو ہر مصحفے کہ باز کنم

بموضعے کہ مرا قبلہ مشتبہ گردد بجانب کہ توئی آن طرف نماز کنم

مسافرے کہ بر و گرد تا ز درت نبود

اگر ز کعبہ رسید است در فراز کنم

غرض ان تمام خصوصیات کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں، کہ انکا کلام سعدی، حافظ، اور امیر خسرو کے کلام کا مجموعہ بلکہ ان سب کا عطر مرکب ہے، اور وہ امیر خسرو کے تبتع ہونے کے ساتھ جیسا کہ جامی کا خیال ہے، ایک طرز خاص کے موجد بھی ہیں،

مقالات شبلی جلد چہارم

(تنقیدی)

مطبوعہ اور قلمی کتابون پر مولانا شبلی مرحوم کے جو تبصرے الندوہ اور دوسرے رسالوں میں شائع ہوئے تھے اسمیں یکجا کئے گئے ہیں، مصر کے مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان کی تصنیف تمدن اسلامی پر یورپ میں جو ریویو ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوا تھا، اس کا اردو خلاصہ بھی مولانائے مرحوم کے قلم سے الندوہ میں شائع ہوا تھا، وہ اہم تنقیدی مضمون بھی اس میں آگیا ہے، ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت :- عہ

مونس الاحرار فی دقائق الاشعار

از

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شیروانی

یہ متقدمین شعرائے فارسی کے کلام کی ایک بیاض میرے کتاب خانہ مین ہی، ۷۴۱ھ مین تالیف ہوئی، جامع بیاض کا نام احمد بن محمد بن احمد بن محمد معروف بہ کلاتی اصفہانی ہے، محلہ دردشت کے رہنے والے تھے، کلاتی کے ذکر سے معجم البلدان اور انساب سمعانی دونون ساکت ہین، کشف الظنون مین مونس الاحرار کا نام نہین، تذکرے بھی کلاتی کے حال سے خالی معلوم ہوتے ہین،

دیباچہ مین جامع بیاض نے لکھا ہو کہ مین اصفہان کے علما و فضلا، کی خدمت مین حاضر رہتا تھا، اُن کی صحبت مین امام رشید الدین محمد المعروف بہ رشید وطواط کی کتاب حدائق السحر کا تذکرہ رہتا، شعراے ماضی کے کلام کا مذکور ہوتا، مین نے اُن کے اس شوق کو دیکھ کر اورایما پا کر مشاہیر شعرا کے کلام سے یہ انتخاب تیار کیا،

موضوعِ انتخاب یہ ہے کہ جن لطائف اور صنائع و بدائع کا بیان حدائق السحر مین ہے اور جن کی مثال مین رشید نے ایک ایک شعر نقل کیا ہے، مین نے ان کے متعلق ایک ایک باب مرتب کر دیا ہے، انتہی خلاصۃً، چنانچہ تیس باب پر یہ بیاض مشتمل ہی، ترتیب ملاحظہ ہو،

باب اول توحید، دوم نعت، سوم حکمت و موعظت، چہارم قسمیات، پنجم تسمیطات علیٰ ہذا القیاس،

خوبی خاص اس بیاض کی یہ ہے کہ ہر باب مین پورے پورے قصیدے اساتذہ کے وافر مقدار مین نقل کئے ہین، اور تمام مشہور اساتذہ کا کلام انتخاب مین لایا گیا ہے، جملہ ۹۴ اشعرا کا کلام ہے، کتاب کے صفحات کا شمار ۲۰۴۱ ہے، مثلاً طبقۂ اول کے حسب ذیل شعراء کا کلام ہے،

غضائری[1]، اسدی[2] طوسی، ابوالفرج[3] رونی، عنصری[4]، عسجدی[5]، مسعود[6] سعد سلمان، ناصر[7] خسرو، عمعق[8] بخاری،

قطران[9]، فرخاری[10]، امیر معزی[11]، ابوالفتح[12] بستی، ابوالمعالی[13] رازی، ازرقی[14]، خواجہ[15] سنائی،

ان مین سے ابوالفرج رونی کے قلمی قصائد اور خواجہ سنائی کا کلیات میرے یہان ہے، دوسرے طبقات مین سے شمس الدین طبسی، سوزنی، وغیرہما کے دیوان ہین،

طبقۂ بالا کے شعرا مین وفات کے لحاظ سے سب سے متقدم اسدی طوسی ہے، المتوفی ۴۲۵ھ۔ اس کے بعد غضائری ہے، المتوفی ۴۲۶ھ،

چوتھی صدی سے لیکر چھٹی صدی تک کے شعرا کا تین سو برس کا کلام اس بیاض مین ہے، رودکی کا کلام نہین ہے، معلوم ہوتا ہے اُس وقت بھی نایاب تھا،

جب اس پر لحاظ کیا جائے کہ جن شعرا کا کلام اس مجموعے مین ہے، اُن مین سے بہت سے ایسے ہین جنکا کلام یا بالکل نایاب ہے یا مفقود ہو چکا ہے تو اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، آخر کا باب (تیسوان) اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس مین "لغت فرس، عروض اور رباعیات" ہین،

نسخہ جدید الخط ہے مگر بالکل جدید نہین، خط صاف پختہ ہے، جہان نگاہ ڈالی گئی اغلاط سے پاک معلوم ہوا ایسا قیاس ہوتا ہے کہ کسی سخن شناس نے اپنے شوق سے نقل کی ہے، آخر مین نام کاتب یا سنہ کتابت نہین ہے اس کی بھی تصریح نہین ہے کہ کتاب ختم ہوئی، دفعۃً قلم رکھدیا ہے، ممکن ہے کہ نسخہ ناقص ہو، بہرحال آخر کے باب کا حصہ وافر موجود ہے،

(باقی)

معارف:- مونس الاحرار فی دقائق الاشعار کے نام سے اسی قسم کی ایک بیاض یا مجموعہ اس کے بعد محمد ابن بدر شاعر نے ۷۴۱ھ مین لکھا ہے، مسٹر ڈینی راس نے اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز کے جرنل مین اسکا حال یہ لکھا تھا

اس قلمی نسخہ کا نام مونس الاحرار (فی دقائق الاشعار) ہے، پانچ سو صفحون کی کتاب ہے، تالیف کا سال ۷۴۱ھ ہے، اس مین قدیم شعرا سے لیکر مصنف کے وقت تک کے نامی شعرا کے کلام کے انتخابات

موجود ہین، مصنف کا نام محمد بن بدر جاجرمی ہے :

مصنف کا نام اور سال تصنیف اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے، جو اس کتاب کے دیباچہ مین ہے،

درہفصد وچل بود ویک اندر رمضان — مہراندر حوت وماه اندر سرطان

بر دست محمد بن بدر شاعر — مجموعہ تمام شد بفضل یزدان

سنہ ۷۴۱ھ

کتبخانہ حبیب گنج کے اس نسخہ کا نام اور موضوع گو یہی ہے، مگر اس کا مصنف اور ہے اور زمانہ اس سے ۲۹ برس پیشتر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلاتی اصفہانی کا یہ مجموعہ اس خیال کا نقش اول اور محمد بن بدر کا مجموعہ نقش ثانی ہے،

قانونِ شیخ کا پہلا مطبوعہ نسخہ،

از

مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور،

شاہی کتاب خانہ رامپور میں قانونِ شیخ الرئیس (ابو علی سینا) کا ایک نسخہ محفوظ ہے، یہ نسخہ کتاب اول ثانی اور ثالث پر مشتمل ہے، اور حسب تحریر کاتب ۱۱۳۱ھ میں لکھا گیا ہے،

کاتب نے کتاب ثانی کے خاتمہ میں جو عبارت لکھی ہے، وہ قابل غور ہے، وہ لکھتا ہے :-

قَدْ نسخ الکتاب الثانی علی الکتاب الذی ھو مضروبٌ سکتہ. لا مکتوب بقلم وقد کتب فیہ ھذہ العبارۃ نسخ الکتاب الثانی من نسخۃ کانت بخط سید الامام ابن الحسن الحسینی. وھو ذکر فی آخر کتابہ انہ نقل من تعلیق الشیخ الرئیس ابن علی بن سینا،

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں،

۱- اول یہ کہ نسخہ رامپور کا منقول عنہ مصنف کے نسخہ کی نقل در نقل تھا،

۲- دوم یہ کہ نسخہ رامپور کا منقول عنہ قلم کا لکھا ہوا نہ تھا، مضروب سکہ تھا، سکہ محاورۂ عرب میں وہ منقوش لوہا کہلاتا ہے جس سے روپے ڈھالے جائیں، صاحب اقرب الموارد نے سکہ کی حسب ذیل تفسیر کی ہے :-

"السکۃ حدیدۃ منقوشۃ یضرب علیہا الدراھم. یقال یضرب الدراھم فی سکۃ فلان." (اقرب، ج ۱ ص ۵۲۰)

ہمارے محاورہ میں سکہ کو ڈائی کہتے ہیں، ڈائی عموماً چھوٹی ہوتی ہے، اسلئے بڑے نقوش والے لوہے کو ٹھپہ کہہ سکتے ہیں، بہرنوع مضروب سکہ کا مفہوم یہ قرار پاتا ہے، کہ منقوش لوہے کے ذریعہ تیار کیا گیا تھا، چونکہ اس طریق کار کا نام طباعت ہے، لہذا بجائے مضروب سکہ کے مطبوع کہنا خلاف محاورہ نہ ہوگا۔

اب دونوں صفتوں کے یکجائی معنی یہ ہوں گے، کہ نسخۂ رامپور کا منقول عنہ قلمی نہ تھا مطبوعہ تھا، اور چونکہ اُس زمانہ میں مطبوعہ کتاب کم یاب تھی، اسلئے کاتب نے خصوصیت سے منقول عنہ کی اس صفت کا ذکر کیا،

وہ نسخہ کب طبع ہوا، کہاں طبع ہوا، اور کس نے طبع کیا، ان تمام سوالات کے قبل یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پریس اس حد تک ترقی کر چکا تھا، کہ عربی کتابیں طبع ہوں، اگر اس کا جواب اثباتی ہے، تو یقیناً مقام طباعت اسپین یا فرانس وغیرہ یورپی ممالک ہونے چاہئیں، جہاں قانون شیخ درس میں داخل تھا،

مجھے امید ہے کہ اصحاب علم، بذریعہ معارف یا تحریر شخصی، اس امر کے متعلق، کہ آیا عبارت کا مرقوم مفہوم درست ہے یا نہیں، مجھے معلومات مہیا فرما کر ممنون کریں گے،

معارف:۔ عربی زبان کی کتابوں کی طبع کا آغاز یورپ میں سولھویں صدی میں ہو چکا تھا، ۱۵۱۶ء میں عربی زبور چھاپی گئی تھی، (دیکھو الآداب العربیہ فی القرن التاسع عشر للاب لویس شیخو، جلد اول ص ۸، بیروت) قانون شیخ بزبان عربی سب سے پہلے رومہ (اٹلی) میں ۱۵۹۳ء میں تین جلدوں میں طبع ہوئی تھی پہلی جلد ۶۱۰، دوسری ۴۲۷، اور تیسری ۵۹ صفحوں میں اور اس کے آخر میں شیخ کی ایک فلسفیانہ کتاب نجات ضمیمہ کے طور پر تھی، (معجم المطبوعات العربیہ یوسف الیاس سرکیس جلد اول ۱۳۰ ص)

تلخیص و تبصرے

مکان و زمان کی سیر

برطانیہ کے نہایت ممتاز سائنس دان سر جیمس جانس (SIR JAMES JEANS) نے حال میں کائنات کے متعلق تقریرون کا ایک نیا سلسلہ ریڈیو کے ذریعہ شروع کیا ہے جس کی پہلی قسط کے اقتباسات رسالہ لسنر (LISTENER) کے حوالہ سے سنڈے اسٹیٹسمین (۲۸ نومبر ۱۹۳۴ء) میں شائع ہوئے ہیں، موصوف نے اس تقریر میں اپنے سامعین کو خیالی طور پر عالم کائنات کی سیر کرائی ہے، اور مکان و زمان کی وسعت سے انھیں آشنا کیا ہے، ناظرین معارف کے لئے اسکا ملخص ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ستارون اور حقیقۃً ان تمام اشیاء کے متعلق جو ہمارے کرہ زمین سے باہر واقع ہیں تقریباً ہماری تمام واقفیت اس شعاع (RADIATION) سے حاصل ہوتی ہے جو ان اشیاء کی طرف سے ہم تک پہنچتا ہے، شعاع موجون کی شکل مین سفر کرتا ہے جو اپنی فطرت کے لحاظ سے ریڈیو کی موجون سے مشابہ ہیں، دونون مین خاص فرق یہ ہے کہ ریڈیو کی موج شعاع حرارت کی موج سے کروڑون گنا اور شعاع نور کی موج سے تقریباً ایک ارب گنا زیادہ بڑی ہے، تاہم باوجود اس کے کہ شعاع اور ریڈیو کی موجون کی لمبائی میں اتنا زبردست فرق ہے، دونون قسم کی موجین بالکل ایک ہی رفتار سے سفر کرتی ہیں یعنی (۱۸۶۰۰۰) میل فی سکنڈ،

ریڈیو کی موجین اس رفتار سے سفر کرتی ہوئی اکثر سطح زمین کے قریب پہنچکر رک جاتی ہیں اور کرۂ ارض کے گرد ایک سکنڈ کے تقریباً ساتوین حصہ مین چکر کرلیتی ہیں، لیکن ان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا فضا مین نکل جاتا ہے، اور اسی

رفتار سے سفر کرتا ہوا زمین سے زیادہ دور ہوتا جاتا ہے،

ایک لمحہ کے لئے فرض کیجئے کہ ہم ان لاسلکی موجون مین سے ایک موج کے ساتھ سفر کر رہے ہین اور ہماری رفتار، روشنی کی رفتار کے برابر ہے، پانچ سکنڈ کے بعد ہم چاند کے فاصلہ سے چوگنا فاصلہ طے کرلین گے اور ہماری زمین آسمان سے تقریبًا اتنی ہی بڑی دکھائی دینے لگے گی جتنا بڑا چاند ہمین اس وقت دکھائی دیتا ہے، ہم دیکھین گے کہ اس کی شکل گول نہے اور ظاہری صورت مین چاند کی طرح معلوم ہوتی ہے، پانچ منٹ کے سفر کے بعد زمین ہمین اتنی ہی بڑی نظر آئے گی جتنے بڑے سیارے اس وقت نظر آتے ہین، اس وقت ہم دیکھین گے کہ زہرہ، مریخ، مشتری اور دوسرے سیارون کی طرح یہ بھی محض ایک معمولی سیارہ ہے، پانچ سال کے سفر کے بعد خود آفتاب بھی صرف ایک چھوٹا سا ستارہ معلوم ہونے لگیگا، لیکن روشنی کی رفتار سے پانچ سال تک سفر کرنے کے بعد بھی ہم اپنے سفر کی محض ابتدائی منزلون مین ہونگے، ہم اسوقت بھی اپنے کو قریب ترین ستارون ہی کے درمیان پائین گے، لاکھون برس تک اسی رفتار سے چلنے کے بعد بھی ہمارے سفر کی راہ ستارون ہی سے روشن ملیگی جو ہمارے آفتاب سے کم وبیش مشابہ ہین،

سطور بالا سے ہمین اپنے مجوزہ سفر کے پیمانہ کا کچھ اندازہ ہو جائیگا، اس پیمانہ کو میل کے حساب سے بیان نہین کر سکتے، اس کے لئے ہیئت دانون کے نوری سال (LIGHTYEAR) کا حساب بہتر ہوگا، یعنی وہ فاصلہ جو روشنی ایک سال مین طے کرتی ہے، ایک نوری سکنڈ تقریبًا (۱۸۶۰۰۰) میل کے برابر ہے، اور ایک نوری سال تقریبًا چھ ملین (۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) میل کے، چاند کا فاصلہ ۱½ نوری سکنڈ ہے، جو سیارے قریب ہین اُن کا فاصلہ چند نوری منٹ اور جو دور ہین ان کا چند نوری گھنٹے ہے، لیکن قریب ترین ستارون کا فاصلہ بھی چند نوری سال کے برابر ہے، اور جو ستارے دور ہین ان کا فاصلہ سینکڑون ہزارون نوری سال کے برابر ہے،

اگر اس زبردست فاصلہ کو طے کرنے کے بعد بھی ہم اپنے سفر کو جاری رکھین تو کچھ عرصہ کے بعد ہم دیکھین گے کہ ہمارا راستہ اب کم روشن ہے اور ستارے فضا مین زیادہ دور دور بکھرے ہوئے ہین، بالآخر ہم اس خطہ مین پہنچتے ہین جہان

ستارے بالکل نہین ہین، اب ہم فضا کی تاریکی مین پہنچ گئے ہین، وہان سے ہمین ان ستارون کا جن کے درمیان سفر کرتے ہوئے ہم آئے ہین ایک جھرمٹ دکھائی دیتا ہے اور پھر زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ تمام فضا ایسے جھرمٹون سے پُر نظر آتی ہے، انفرادی ستارون کی روشنی ہمین نظر نہین آسکتی لیکن لاکھون ستارون کے مجموعہ سے ایک طرح کی دھیمی اور مسلسل روشنی پیدا ہوتی ہے، ہم اس دھندلی روشنی کو سحابیہ کہتے ہین، ستارون کا وہ مجموعہ جو سب سے دور واقع ہے اور جسے ہم زمین سے دیکھ سکتے ہین اسکا فاصلہ کرۂ ارض سے ایک سو ملین (۱۰۰۰۰۰۰۰۰) نوری سال سے زیادہ ہے، ہم اسے اس روشنی کی مدد سے دیکھتے ہین جو دس کرور برس پہلے ہماری طرف روانہ ہوئی تھی یعنی نسل انسانی کے روئے زمین پر ظاہر ہونے سے بہت پہلے، اسوقت زمین بڑے بڑے حشرات الارض کے قبضہ مین تھی، اس وقت سے برابر یہ روشنی ایک کروڑ دس لاکھ میل فی منٹ کی مستقل رفتار سے فضا مین سفر کرتی ہوئی آرہی ہے اور ابھی ہم تک پہنچی ہے، ہم نہین کہہ سکتے کہ اس طویل مدت مین اُن ستارون پر کیا گذری جس کی روشنی ہم اسوقت دیکھ رہے ہین، اسے معلوم کرنے کا اور کوئی طریقہ نہین بجز اس کے کہ ہم ایک سو ملین سال سے زیادہ انتظار کرین،

اس کے بعد ہم فضا کی بعید تر گہرائیون مین جائینگے اور ایسے خطون کے درمیان سے گذرینگے جن سے ریاضی دان کا تخیل تو آشنا ہے لیکن ہیئت دان کی آنکھون نے ان کو آج تک نہین دیکھا، اب ہم اپنے سفر کے اختتام تک پہنچ رہے ہین، اور پھر اپنے گھر واپس آجانا چاہتے ہین، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ اپنے گھر پہنچنے کی سب سے قریب راہ یہ ہے کہ اس سفر کو برابر جاری رکھین، یہانتک کہ ہم پھر واپس اپنی زمین پر پہنچ جائین، وجہ یہ ہے کہ فضا بھی ہمارے کرۂ ارض کی طرح خود اپنی ہی جانب خم ہوتی ہے، اس لئے اگر ہم بخط مستقیم سفر کرتے چلے جائین تو بالآخر اسی نقطہ پر پہنچ جائین گے جہان سے روانہ ہوئے تھے، لیکن ہمین صحیح طور پر نہین معلوم کہ اس مین کتنی مدت صرف ہوگی، بعض ہیئت دانون کا خیال ہے کہ ہمین تقریباً بارہ ہزار ملین سال تک روشنی کی رفتار سے سفر کرنا پڑیگا، بعض کہتے ہین کہ اس سے بھی زیادہ مدت تک، اور بعض ہیئت دانون کی رائے یہ ہے کہ جب تک ہم روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتا

سے سفر نہ کرین ہم کبھی واپس پہنچ ہی نہین سکتے،

جو سفر ہمارے سامنے ہے اُس کی نوعیت یہ ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم اس سفر پر روانہ ہون ہمین چاہئے کہ اچھی طرح اپنی زمین کو دیکھ بھال لین، کیونکہ فضا کی تمام چیزون مین یہی ایک چیز ایسی ہے جس کی تحقیق واکتشاف ہم پوری طرح کر سکتے ہین، اور یہ بھی کوئی آسان کام نہین ہے، روشنی کی شعاعین ہر وقت زمین تک پہنچتی اور ہم تک ستارون کے پیغامات پہنچاتی رہتی ہین لیکن ایسی شعاعین جو زمین کے اندرونی حصہ کے پیغامات لائین موجود نہین ہین، کیونکہ زمین غیر شفاف ہے، یہ ایک تعجب خیز لیکن سچا واقعہ ہے، کہ چند سال پیشتر تک ہم ستارون کی ساخت وترکیب کی نسبت جو کروڑون میل کی دوری پر واقع ہین زیادہ واقفیت رکھتے تھے بہ مقابلہ زمین کے اُس حصہ کی ساخت وترکیب کے جو ہمارے قدم کے چند میل نیچے واقع ہے،

بہرحال ایسی موجین بھی ہین جو اگرچہ روشنی کی موجین نہین ہین، تاہم زمین کے اندرونی حصہ سے متعلق ہمین اطلاعات پہنچاتی رہتی ہین یعنی وہ موجین جو زلزلون اور زمین کی تھرتھراہٹ کے وقت آزاد ہوجاتی ہین، بادی النظر مین زمین ایک بالکل ٹھوس اور سخت چیز معلوم ہوتی ہے، غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا اکثر حصہ سخت ترین فولاد سے بھی زیادہ سخت اور ٹھوس ہے، لیکن باوجود اس کے یہ ہمیشہ اینٹھتی اور کھینچتی رہتی ہے، کیونکہ اس کے اندرونی حصہ کے زبردست دباؤ کی وجہ سے اس پر برابر زور پڑتا رہتا ہے، بعض اوقات اس پر اتنا زور پڑتا ہے کہ اس کا مادہ کھینچکر ٹوٹ جاتا ہے، جیسے لوہے کی سلاخ یا کوئی لچک دار چیز زیادہ کھینچنے سے ٹوٹ جاتی ہے، اس ٹوٹنے سے جو دھماکا ہوتا ہے، اس سے زمین کے اندرونی حصہ مین وہ ارتعاش اور موجین پیدا ہوتی ہین جنکو ہم زلزلہ کے نام سے موسوم کرتے ہین،

موجین دو قسم کی ہوتی ہین، زلزلہ کی موجین انہی مین سے کسی ایک قسم کی ہوتی ہین، کچھ موجین ایسی ہوتی ہین جن کی حرکت ایک جانب سے دوسری جانب ہوتی ہے، اور کچھ ایسی ہوتی ہین جنکی حرکت آگے پیچھے ہوتی ہے، آگے پیچھے حرکت کرنے والی موجین ہر قسم کے مادہ کے اندر سے گذر سکتی ہین، خواہ وہ مادہ ٹھوس ہو، رقیق ہو

یا گیس کی شکل مین ہو، لیکن جو موجین ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کرتی ہین وہ صرف ٹھوس مادہ مین سے گذر سکتی ہین،

زلزلہ کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ دونون قسم کی موجین اندرون زمین کے بڑے حصہ سے گذرتی ہین اور جب وہ سطح زمین پر نکلتی ہین تو اپنے ساتھ زمین کے اندرونی حصہ کی ساخت اور حالت کے متعلق وافر معلومات لاتی ہین، صرف اسی واقعہ سے کہ ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کرنے والی موجین اندرون زمین کے اکثر حصہ سے گذرتی ہین، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حصہ ٹھوس مواد سے پُر ہے، لیکن اس کے علاوہ ایک مرکزی خطہ بھی ہے، جس کے اندران موجون کا گذر نہین ہو سکتا، اس خطہ سے صرف وہی موجین گذر سکتی ہین جو آگے پیچھے حرکت کرتی ہین، اس طرح ہمین معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے مرکزی خطے ٹھوس نہین ہین، واقعہ یہ ہے کہ زمین کے مرکز مین ایک وزنی رقیق مادہ پایا جاتا ہے جس کے چارون طرف ٹھوس مادہ کا خول ہے،

لیکن یہ ٹھوس خارجی خول بھی بالکل سخت نہین ہے، ہم دیکھ چکے ہین کہ یہ خول اندرون زمین کے دباؤ کا اثر برابر قبول کرتا جاتا ہے، اس پر سطح زمین کے دباؤ کا اثر بھی پڑتا رہتا ہے، سائبیریا اور شمالی ایشیا کے برفستانی خطون کے پگھلنے کا اثر بھی نمایان طور پر زمین کی ساخت پر پڑتا ہے، اسی طرح پہاڑون کے وزن کا اثر بھی پڑتا ہے، اب تک ہم پہاڑون کو محض سطح زمین کی ناہمواری سمجھتے تھے، لیکن اب ہمارا خیال یہ ہے کہ پہاڑ زمین کی پپڑی کے چند ٹکڑے ہین جو اپنے مادہ کی نوعیت مین بقیہ ٹکڑون سے زیادہ ہلکے ہین اور اس لئے زمین کے کسی اندرونی طبق پر اسی طرح تیرتے ہین جس طرح کارک پانی پر تیرتا ہے، یہ اندرونی طبق اتنا کافی سخت ہے کہ اس مین سے زلزلہ کی دونون قسم کی موجین گذر جاتی ہین، تاہم اتنا نرم وملائم بھی ہے کہ پہاڑون کے وزن سے دب جاتا ہے، پہاڑ اس طبق پر اسی طرح تیرتے ہین جس طرح جہاز سمندر مین، پہاڑون کا وزن بارش اور تیز دھارون کی وجہ سے جو اُن کے مادہ کو بہا کر سمندر مین لیجاتے ہین کم ہوتا جاتا ہے اور وزن کی کمی کیساتھ اُن کی سطح بھی زیادہ بلند ہوتی جاتی ہے جس طرح کسی جہاز کا زیرین حصہ وزن کم ہوجانے کے بعد کچھ اوپر آجاتا ہے،

ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کوئی سخت اور ٹھوس چیز نہین ہے، بلکہ ایک نرم اور ملایم شے ہے، جو ہمیشہ بدلتی اور اثر قبول کرتی رہتی ہے، اور ضرور اس کی تاریخ کا ایک قدیم تر عہد بھی رہا ہوگا جب یہ اس وقت سے بھی زیادہ اثر پذیر تھی، کیونکہ ہمین زلزلہ کی موجون سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مادے زمین کے مرکز کے قریب ہین وہ اُن مادون سے زیادہ وزنی ہین جو اس کی سطح کے قریب ہین، اس کے مرکز کا اکثر حصہ غالبًا لوہے سے مرکب ہے اور اس کی سطح چند ہلکے مادون سے بنی ہے، مثلاً آکسیجن، سیلیکون، اور الیومینیم،

یہ صورت حال محض اتفاقی نہین ہوسکتی، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مادے زیادہ وزنی تھے وہ تہ مین ڈوب گئے تھے، اور جو زیادہ ہلکے تھے ابھر آئے تھے، زمین کے اندر کے موجودہ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قدیم تر دور سے بھی گذر چکی ہے، جب کہ مادے اُبھرتے اور تہ نشین ہوتے تھے، یہ بات تقریبًا مسلم ہے کہ زمین شروع مین گیس کا ایک گرم کرہ تھی جو ابتدائً آفتاب سے علٰحدہ کرلیا گیا تھا، رفتہ رفتہ گیس کا یہ گرم کرہ ٹھنڈا ہوتا گیا اور ٹھنڈا ہوتے وقت پہلے رقیق ہوا اور پھر ٹھوس ہوگیا، جو پرت سب سے اوپر تھے وہ قدرۃً سب سے پہلے سرد ہوئے، لہذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب ایک سرد ٹھوس پرت زمین کے اوپر بننا شروع ہوئی تھی، اور زمین کے اندر کا تیز گرم مادہ اُس وقت تک رقیق اور شاید کسی حد تک گیس کی شکل مین تھا، اس کے بعد اندر کا حصہ سرد ہونے لگا ہوگا، اور سرد ہونے کی حالت مین پہلے سکڑا ہوگا اور پھر اس نے باہر کی ٹھوس پرت کو چھوڑ دیا ہوگا، یہ حصہ اندر کی رقیق پرتون پر بیٹھ گیا ہوگا، اور ایسی حالت مین بالائی سطح پر شکنین پڑگئی ہونگی، ماہرین ارضیات کا خیال ہے کہ پہاڑی سلسلون کی تعمیر یون ہی ہوئی ہے، وہ زمین کی پرت مین گویا تہین اور شکنین ہین،

زمین کی عمر کا اندازہ اس مثال سے ہوسکیگا، زمین کی عمر کو پانچ سو صفحون کی ایک کتاب فرض کیجئے، اس کتاب کا ہر نقطہ کم سے کم دس ہزار سال کے برابر ہوگا، نسل انسانی اس کتاب کے سب سے آخر صفحہ پر بہت نیچے دکھائی دیگی، تمام انسانی تہذیب اس کے آخری نقطہ مین محدود نظر آئیگی اور تمام عہد عیسوی اس کے آخری حرف مین، اور ایک انسان کی پوری زندگی آخری نقطہ اختتام سے بھی کم مین،

کرۂ ارض کی تاریخ بھی ایک نہایت دلچسپ افسانہ ہے، ہم دیکھتے ہین کہ زندگی کے آول آول نمودار ہونے سے کرورون برس پہلے سے زمین ٹھنڈی ہو رہی ہے اور اس مدت سے بھی کرورون برس پیشتر سے موجود ہے، اس کے بعد ہم زندگی کو اس کی بالکل سادہ اور ابتدائی شکلون مین پاتے ہین، سب سے پہلے یہ صرف پانی تک محدود نظر آتی ہے، تقریباً چار سو ملین برس پہلے جمادات دکھائی دیتے ہین، پھر رفتہ رفتہ نباتات سطح زمین پر پھیلنا شروع ہوتے ہین اور ان کے بعد حیوانات نمودار ہوتے ہین جو پہلے نباتات سے اپنی غذا حاصل کرتے ہین اور پھر خود ایک دوسرے کو کھانے لگتے ہین، تقریباً دس کروڑ برس ہوئے زمین پر بڑے بڑے حشرات الارض کا قبضہ تھا، ان مین سے بعض نوّے فٹ لمبے اور چالیس پچاس ٹن وزنی تھے لیکن اپنی جسامت کے باوجود وہ تنازع للبقاء کی کشمکش مین بالآخر ناکام رہے، اور انسان نے اُن کی جگہ اپنا تسلط قائم کر لیا،

زندگی کے حالات مین پچھلے پچاس سالون کے اندر جو تبدیلیان واقع ہوئی ہین وہ ان تبدیلیون سے کہین زیادہ ہین جو زمین کی ابتدائی زندگی کے پچاس ملین سالون مین پیش آئی تھین، اگر پچاس برس کی مدت مین یہ حالات اس درجہ بدل گئے ہین، تو آیندہ پچاس ملین سال کی مدت مین اُن مین کتنا تغیر واقع ہو جائیگا؟ کیا نسل انسانی کسی ایسی حیرت انگیز شکل مین تبدیل ہو جائے گی کہ ہم اس وقت اسکا تخیل بھی نہین کر سکتے، یا پھر روئے زمین سے بالکل غائب ہی ہو جائے گی، مثل اُن عجیب و غریب جانورون کے جو پچاس ملین برس پہلے اس پر قابض تھے؟

"ع ز"

موصل اور یہان کا فرقۂ یزیدیہ

شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی دار العلوم ندوۃ العلماء مین عربی علم ادب کے استاذ تھے، اب عراق مین بسلسلۂ درس و تدریس مقیم ہین، انھون نے عراق کے مشہور شہر موصل کی سیر کی ہے، اور وہان کی مذہبی علمی اور اخلاقی حالت پر اخبار الفتح مین ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے،

موصل نہایت قدیم شہر ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے یہین اپنا فرض رسالت ادا کیا تھا، اس وقت

نینوی کے آس پاس کی آبادی کو ملا کر وہان کے باشندون کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی، لیکن اسوقت صرف شہر کی آبادی قریب قریب اسی قدر ہے، اس کے علاوہ اس کے آس پاس بہت سے دیہات ہین، جہان بہت سے لوگ آباد ہین،

موقع یہ شہر بغداد کے شمال غربی جانب ۲۰۰ میل کے فاصلے پر آباد ہے، اور یہ مسافت موٹر پر ۹ سے لیکر ۱۱ گھنٹے مین طے ہوتی ہے، شہر دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے، اور شہر نینوا اور اسکی فصیل دوسرے کنارے پر ہے، اور تقریباً ایک سال سے وہان نہایت قیمتی آثار دریافت ہو رہے ہین،

باشندے موصل کے زیادہ تر باشندے تو مسلمان ہین لیکن مختلف مذاہب کے عیسائی اور تھوڑے سے یہودی بھی یہان آباد ہین، تیاری جنکو انوری کہتے ہین زیادہ تر شہر کے گرد اپنے مخصوص دیہاتون مین رہتے ہین، موصل کے باشندے صورت اور سیرت دونون مین اہل عراق سے بالکل مختلف ہین، ملک کی برودت کی وجہ سے ان کا رنگ نہایت سرخ و سفید ہے، ان کے اخلاق مین نہایت نرمی پائی جاتی ہے، لیکن جب ان کے مذہب اور عزت پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ نہایت سخت ہو جاتے ہین، فیاضی، شگفتہ روئی اور انس و محبت ان کے فطری خصائل ہین، مذہب اور عزت کے معاملے مین نہایت غیور ہین، دعوتِ حق کو نہایت سرعت کیساتھ قبول کرتے ہین، اپنے مذہب کو گران سے گران قیمت پر بھی فروخت نہین کرتے، عراق کے اطراف مین جو شہر ہین ان مین عام طور پر بدزبانی پھیلی ہوئی ہے، لیکن یہ لوگ اپنی زبانون کو گالی گلوج سے آلودہ نہین کرتے،

مذہبی پابندی اُن کی مذہبی پابندی کے متعلق صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہے کہ ہندوستان کے علاوہ مین نے اور کسی شہر مین یہ نہین دیکھا کہ پبلک باغات مین نماز کی جماعت قائم ہوئی ہو، لیکن موصل اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ مین جادۂ حلب (حلب روڈ) پر ایک قہوہ خانے مین چند علما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً مؤذن نے قہوہ خانے کے باغ مین "اللہ اکبر" کی آواز دی، ابھی اس کی اذان ختم بھی نہین ہونے پائی

تھی، کہ قہوہ خانے سے لوگ اُٹھ کر ایک مقام کی طرف بڑھے جہان چٹائیان بچھی ہوئی تھین، اور دم بھر مین یہ جگہ اس قدر بھر گئی کہ بعض لوگون کو واپس آنا پڑا، ایک مقرر شدہ امام نے سب کو نماز پڑھائی، اور نماز پڑھنے کے بعد سب کے سب واپس آئے، اور علمی و تجارتی گفتگو مین نہایت متانت و سنجیدگی سے مشغول ہو گئے، نہ کسی قسم کا شور ہوا، نہ کسی قسم کا غل،

اہل موصل کی پاکبازی کی یہ کیفیت ہے کہ راستے مین کہین بے حجاب عورتین نظر نہین آتین، صرف مسلمان عورتون ہی کی تخصیص نہین بلکہ عیسائی عورتون کا بھی یہی حال ہے، شراب کے متوالے کہین نہین دکھائی دیتے، خدا اور خدا کے مذہب کو کبھی برا بھلا نہین کہا جاتا، حالانکہ بغداد مین اس قسم کے ناشایستہ کلمے عام ہین، اور باہمی لعن وطعن کا تو کچھ پوچھنا ہی نہین، لیکن موصل مین گاڑیبان تک بھی جو نہایت بدزبان ہوتے ہین، اس قسم کے الفاظ استعمال نہین کرتے،

خصائل عربی مذہب کے بعد اہل موصل نے سب سے زیادہ بدویانہ خصائل کو محفوظ رکھا ہے، ان خصائل مین فصاحت، شجاعت، فیاضی، مروت وحیا، وغیرہ خاص طور پر اُن مین موجود ہین، عراق کی زبان مین ہندی اور فارسی الفاظ کی جو کثرت اور لب و لہجے کی جو خرابیان عام طور پر پائی جاتی ہین، اُن سے اہل موصل کی زبان بالکل خالی ہے، صرف بعض حروف کے لہجے مین یہ خرابی پائی جاتی ہے،

علما اور طلبہ موصل کے علما درس و تدریس مین نہایت مستعدی کیساتھ مصروف رہتے ہین، طلبہ کی زیادہ تر تعداد مالی اعانتون سے بے نیاز رہتی ہے نہ یہ شہر کے باشندون سے طالب امداد ہوتے، نہ اُن اوقاف سے فائدہ اٹھاتے، جنکا منافع دولتمند لوگ ناجائز طور پر اپنے اوپر صرف کرتے ہین، باوجود اس کے طلب علم مین ہمہ تن مصروف رہتے ہین، ایک عالم نے بہت سی تکلیفین برداشت کرکے اہل موصل کو طریقۂ سلف کی دعوت دی اور بدعات سے روکا، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگون کے خیالات سدھر گئے، اور ایک خاص متبع سنت جماعت پیدا ہو گئی،

شبان المسلمین یہان نوجوان مسلمانون نے ایک انجمن شبان المسلمین قائم کی ہے جس مین لوگ نہایت کثرت سے

شریک ہو رہے ہیں، لیکن اس شرکت کا مقصد شطرنج ٹینس اور دوسرے تفریحی مشاغل نہیں ہیں، اس لئے توقع ہے کہ آئندہ چل کر اس سے نہایت عمدہ مذہبی اور اخلاقی فوائد حاصل ہونگے،

یزیدی فرقہ یہان ایک فرقہ یزیدیہ موجود ہے، جو عرف عام میں یہان "عبدۃ الشیطان" یعنی شیطان کا پوجاری کہا جاتا ہے، جس کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ یہ لوگ عربی النسل ہین، اور خاندان بنو امیہ سے تعلق رکھتے ہین، یزید ابن معاویہ ان کے ہان افضل الانبیاء ہے، ابن تیمیہ کے زمانے تک یہ لوگ شیخ عدی ابن مسافر کے طریقہ کے پیرو تھے اور ابن تیمیہ نے اُن کو اس طریقہ کی بدعات سے روکنا چاہا تھا، لیکن بعد کو ان کے شیوخ کی جہالت بڑھتی گئی، اور وہ لوگ روز بروز گمراہ ہوتے گئے، معلوم ہوتا ہے کہ عراق کے غالی شیعون کے مقابلہ مین عدی بن مسافر اموی نے یہ جماعت بنائی تھی جو رفتہ رفتہ اس قدر دور جا پڑی، مجھے اس جماعت کے شیخ سے اس مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا، وہ نہایت اخلاق سے پیش آیا، گفتگو کا موضوع فرقہ یزیدیہ تھا، اس مین اس کے جو عقائد و اعمال معلوم ہوے وہ ملخصاً حسب ذیل ہین

۱۔ یہ لوگ قرآن مجید کو مانتے ہین اور اس کو پڑھتے ہین، لیکن احکام قرآنی کی پابندی نہین کرتے،

۲۔ انبیاء کے منکر نہین ہین، لیکن یزید بن معاویہ کو اپنا خاص پیغمبر مانتے ہین اور اس کو افضل الانبیاء سمجھتے ہین،

۳۔ یہ لوگ ابلیس کی عبادت کرتے ہین، مور کی شکل مین اسکا بت بناتے ہین، اس کے سامنے قصائد جو انکی کتاب مقدس مین ہین پڑھتے ہین، اور اس کے لئے مذہبی مجلسین کرتے ہین، محافل و معابد کے لئے بہت سے اوقاف ہین،

۴۔ ان کا ایک شیخ ہوتا ہے، جس کا کام پڑھنا لکھنا اور اس گروہ کی تاریخی کتابون کی حفاظت کرنا ہے، اس شیخ کے علاوہ ہر شخص پر پڑھنا لکھنا حرام ہے، وہ صرف اپنی بڑی اولاد کو تعلیم دے سکتا ہے، تاکہ وہ اسکا جانشین ہو سکے

۵۔ ایک امیر ہوتا ہے جو ان لوگون پر خود مختارانہ حکومت کرتا ہے، سلطنت انکے اندرونی معاملات مین مداخلت نہین کرتی

۶۔ ایک قوال ہوتا ہے جو امام نماز کے فرائض انجام دیتا ہے، یعنی قصائد پڑھتا ہے، اور نماز مین گانے والی جماعت کی امامت کرتا ہے،

عراق مین اُن کی تعداد ۳۰ ہزار ہے، اور شام کے بعض اطراف مین بھی اُن کی ایک جماعت ہے، اور ان کے خیال مین دنیا کے اور حصون مین بھی ان کے ہم مشرب موجود ہین، یہ لوگ کسی فرقہ کو برا نہین کہتے۔ "ع"

اخبار علمیہ

عراق اور مصر کے اہم اکتشافات

گذشتہ سال شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کی ایک جماعت عراق کے قدیم شہر خورس آباد مین آثار قدیمہ کی دریافت و تحقیق مین مصروف تھی، وہان اُس نے چند ایسی چیزین برآمد کین جو تاریخی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہین، ان مین سب سے زیادہ اہم ایک تختی تھی جس پر سنہ ۲۲۰۰ سے سنہ ۷۵۰ قبل مسیح تک کے تمام اسیرین بادشاہون کے نام ترتیب وار درج تھے، اس تختی کی دریافت سے پہلے ان بادشاہون کا نام تاریخی ترتیب کیساتھ معلوم نہ تھا، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین اس اہم اکتشاف کی خبر شایع ہوچکی ہے، امسال شکاگو یونیورسٹی کی مہم نے خورس آباد کا ایک نیا حصہ برآمد کیا ہے، یہ عظیم الشان شہر آٹھوین صدی قبل مسیح مین اسیرین قوم کے ایک بڑے تاجدار سارگن ثانی (Sargon II) کا پایہ تخت تھا، جس نے اپنا مرکز حکومت نینوا کے قدیم شہر سے منتقل کرکے یہان قائم کیا تھا، لیکن سارگن ثانی کی وفات پر اس کے جانشین نے نینوا کو پھر دارالسلطنت بنالیا اور خورس آباد رفتہ رفتہ ویران ہوکر ریگستان کی خاک مین دفن ہوگیا،

امسال اس شہر کے جو آثار کھود کر نکالے گئے ہین اُن مین سب سے زیادہ نمایان ایک قلعہ ہے جس کے پھاٹک پر بہت خوبصورت کام بنا ہوا ہے، پھاٹک کے دونون طرف پتھر کے دو نہایت عظیم الشان پردار بیل بنے ہوئے ہین جنکا چہرہ انسانی چہرہ سے مشابہ ہے، یہ بیل اسیرین کلچر کے خاص نمونے ہین، یہ تیرہ فٹ لمبے اور تیرہ فٹ اونچے ہین اور ہر ایک کا وزن بیس ٹن ہے، دونون بالکل محفوظ حالت مین پائے گئے ہین، انہی سے متصل دو پہرہ دار دیوون کی تصویرین ہین، جو پتھر مین کھود کر بنائی گئی ہین، یہ دیو بیلون پر تیل کی مالش کررہے ہین، سارگن کے قدیم محل سے باہر ایک بڑا معبد بھی

پایا گیا ہے، جو سڑک کی سطح سے (۲۵) فٹ اونچے چبوترے پر بنا ہوا ہے، یہ معبد نابو (NABU) کے نام سے موسوم تھا، جو اُس عہد میں مورخین اور مصنفین کا خدا سمجھا جاتا تھا[1]، اس معبد میں (۴۵) سے زیادہ کمرے ہیں، اور انہی میں سے ایک کمرہ میں وہ تختی پائی گئی تھی، جس پر اسیریا کے بادشاہوں کے نام کندہ ہیں، قلعہ کی دو اور عمارتوں کے بھی کچھ حصے کھود کر نکالے گئے ہیں، لیکن ابھی یہ صحیح طور پر نہیں معلوم ہو سکا ہے، کہ ان عمارتوں کا استعمال کیا تھا،

عراق کے مذکورۂ بالا اکتشافات کے علاوہ حال میں مصر سے متعلق بھی نہایت اہم معلومات حاصل ہوئے ہیں، برطانیہ کے مشہور ماہر اثریات مصر سر فلنڈرس پٹری (Sir Flinders Petrie) نے رسالہ "نیچر" کی ایک قریبی اشاعت میں ان نو دریافت شہادتوں کا ذکر کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصر پر قاف کے باشندوں نے کم سے کم چھ بار حملے کئے، ان میں سے پہلا حملہ اسوقت ہوا جب مصر اپنی تہذیب کے ابتدائی دور میں تھا، اور آخری حملہ موصوف کی رائے میں سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں ہوا، غزہ میں سر فلنڈرس نے جو آثار قدیمہ برآمد کئے ہیں ان میں ایک خاص قسم کے خنجر اور چند ایسی چیزیں بھی ملی ہیں جو قاف اور بحر کاسپین کے ملحق علاقوں کی مخصوص چیزیں ہیں، غزہ جنوبی فلسطین میں واقع ہے، لیکن غزہ اور مصر کی تاریخ میں ہمیشہ بہت قریبی تعلق رہا ہے، اور وہاں کے آثار سے یہ انکشاف ہو گیا ہے کہ غزہ قوم ہائکسوس (Hyksos) کا ایک عظیم الشان شہر تھا[2]، یہ جنگجو سوار، سر فلنڈرس کی تحقیق کے مطابق، بحر کاسپین کے نشیبی علاقوں سے نکل کر لڑتے ہوئے مغرب کی جانب شام میں داخل ہوئے اور وہاں سے جنوب میں غزہ پہنچے، غزہ میں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد سنہ ۱۶۰۰ قبل مسیح کے قریب وہ مصر میں داخل ہوئے اور "راعی سلطان" (Shepherd King) کے لقب سے مصر کے تخت پر قابض ہو گئے، سر فلنڈرس نے لکھا ہے کہ مصر پر باشندگانِ قاف کے متعدد حملوں کی تصدیق مصری قصص الاصنام (Mythology) خصوصاً مشہور کتاب الموتی

---

[1] معارف :- یہ وہی نابو ہے جسکا معروف نام عطارد ہے جسکو اہل لئے دبیر فلک اور منشی فلک کا لقب دیا جاتا ہے، جو آج تک قصیدہ نویس شعراء کی زبانوں پر جاری ہے، [2] معارف :- قوم ہیکسوس کا قاف سے متعلق ہونا ایک نیا نظریہ ہے جو بہت کچھ محتاج ثبوت ہے، ہیکسوس بدوی عرب تھے، اس کے دعویٰ کے دلائل ارض القرآن جلد اول میں مذکور ہیں،

سے بھی ہوتی ہے، مثلاً مصر میں مردوں کے خدا اوسائریس (Osiris) کا پایہ تخت اکریت (Akret) تھا اور قاف کا یونانی پایہ تخت اکریشکے (Ekretike) تھا، مصریوں کی مقدس اور زرخیز سرزمین وادی آیارو (Aaru) تھی جس کے متعلق بیان کیا جاتا تھا کہ اس میں آگ کی بڑی بڑی جھیلیں ہیں، قاف کی زرخیز وادی کا نام آئورا (Aora) ہے اس میں پٹرولیم کے چشمے ہیں اور ممکن ہے کہ قدیم زمانہ میں آگ کی جھیلیں بھی رہی ہوں۔

امریکہ میں جرائم کی کثرت

امریکہ اپنی اعلیٰ "تہذیب" کے علاوہ جرائم کی کثرت کے لحاظ سے بھی دنیا کے "متمدن" ممالک میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، وہاں نئے نئے جرائم جس تیز رفتاری کے ساتھ پیدا ہو رہے ہیں اسکی نظیر کسی دوسرے ملک میں مشکل ہی سے ملیگی۔ ان جرائم کی کثرت کا اندازہ ساڑھے بارہ ارب ڈالر کی خطیر رقم سے ہوتا ہے، جو حسب روایت لٹریری ڈائجسٹ (۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء) ریاستہائے متحدہ میں انسداد جرائم کے مصارف کا سالانہ اوسط ہے، ہر سال جرائم کی روک تھام میں اتنی کثیر رقم کے صرف کرنے کے باوجود ان میں روز بروز ترقی ہی ہوتی جاتی ہے اور یہ مسئلہ قوم کے لئے ایک نہایت اہم مسئلہ بن گیا ہے، چنانچہ اٹارنی جنرل ہومر کمنگز (Homer S. Cummings) کی تحریک سے واشنگٹن میں ایک قومی کانفرنس منعقد ہونے والی ہے، جسکا اجلاس ۱۰ دسمبر سے ۱۳ دسمبر تک ہوگا، اس کانفرنس میں صدر امریکہ تقریر کرینگے، اس کی شرکت کے لئے تمام ریاستوں کے گورنروں کو دعوت دی گئی ہے، نیز تمام قومی انجمنوں مثلاً قانونی، طبی، عمرانی، سائنٹفک، تعلیمی، مذہبی، صحافتی، وغیرہ وغیرہ کو دعوت نامے بھیجے گئے ہیں، اس کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سرکاری اور غیر سرکاری حلقے متحد ہو کر انسداد جرائم کی تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں، اور باہمی اشتراک عمل سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے یہ مقصد پوری طرح حاصل ہو سکے، کیونکہ یہ بات اب عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ گھر، کلیسا، اور مدرسے جرائم کی روک تھام میں ناکام ثابت ہوئے، اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر کینٹر (N. CANTOR) نے فرمایا کہ انسان اپنے لئے جو راہ عمل اختیار کرتا ہے، اس میں دخل زیادہ تر اتفاق کو ہوتا ہے نہ کہ ذاتی پسند کو، چنانچہ موصوف کی رائے ہے کہ مجرم صرف اسلئے مجرم ہے کہ اس کے ماحول اور گرد و پیش کے حالات نے اُسے جرم کرنے پر مجبور

کیا ورنہ حقیقۃً اس کی یہ زندگی نہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور نہ شیطان کے وسوسہ کی بنا پر،

حال تک یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ جرائم کا اصلی گہوارہ بڑے بڑے شہرون کی تنگ و تاریک گلیان ہین، اور اسی بنا پر امریکہ مین ایسی گلیون کو ویران اور اُن کے مکانات کو مسمار کر دینے کی ایک عام تحریک جاری ہو گئی تھی لیکن اسی سلسلہ مین ان گلیون کی تحقیق کرنے والے اس نتیجہ تک پہنچے ہین کہ ماحول لازمی طور پر جرائم کا باعث نہین ہوتا، انکی تفتیش و تحقیق سے یہ غلط فہمی دور ہو گئی ہے کہ جرائم صرف ایسی گلیون ہی مین پیدا ہوتے ہین یا مجرم صرف اپنے ماحول ہی سے مجرم بنتا ہے، انھون نے اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ حال کے بڑے بڑے مجرم زیادہ تر دیہاتی رقبون یا شہر کے متمول حصون کے رہنے والے تھے، وہ ماحول کی اہمیت کو نظر انداز نہین کرتے لیکن ان کا خیال ہے کہ جرائم مین انسان کی ذاتی فطرت کو بہت کچھ دخل حاصل ہے،

دنیا کی سب سے بڑی دوربین

اسوقت دنیا کی سب سے بڑی دوربین رصد خانہ ماؤنٹ ولسن کیلیفورنیا (امریکہ) مین ہے اسکے شیشہ کا قطر ۱۰۰ انچ ہے جب یہ دوربین تیار ہوئی تھی اسوقت بہت کم لوگون کو خیال تھا کہ کوئی اس سے بھی بڑی دوربین بنائی جا سکتی ہے لیکن اس دوربین نے کائنات کا جو وسیع حصہ آنکھون کے سامنے کر دیا اس سے ہیئت دانون کا حوصلہ اور بڑھ گیا، اور چند سال ہوئے امریکن ہیئت دانون کی ایک جماعت بعض جرمن اور انگریز ہیئت دانون کی مدد سے ایک ایسی دوربین کا نقشہ تیار کرنے بیٹھی جسکے شیشہ کا قطر ۲۰۰ دو سو انچ ہو، حال مین یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ نیویارک کے ایک کارخانہ (CORNING GLASS WORKS) نے اتنا زبردست شیشہ تیار کر لیا ہے اور اوسکا وزن ۲۰ بیس ٹن ہے، اسی پیمانہ کا ایک دوسرا قرص بھی عنقریب تیار کیا جانے والا ہے تاکہ اگر پہلے قرص مین کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو یہ دوسرا دوربین مین لگا دیا جائے، اس دوربین کو نصب کرنے کیلئے ماؤنٹ ولسن کے قریب کسی پہاڑی پر ایک دوسرا رصد خانہ تعمیر کیا جائیگا جسکے مجموعی اخراجات کا تخمینہ دس لاکھ پونڈ سے زیادہ کیا جاتا ہے، موجودہ سب سے بڑی دوربین سے جتنی دور دیکھا جا سکتا ہے یہ نئی دوربین اس سے چوگنا زیادہ دور دیکھ سکیگی، سو انچ قطر والی دوربین سے تقریباً (۱۵۰۰۰۰۰) ستارے دیکھے جا سکتے ہین، اور انکی تصویر لی جا سکتی ہے لیکن اس نئی دوربین کی تیاری کے بعد توقع کیجاتی ہے کہ یہ تعداد (۲۰۰۰۰۰۰) تک پہنچ جائیگی،

"ع ز"

ادبیات

کلامِ امجد

از

حکیم الشعرا جناب امجد حیدرآبادی

حاملِ بارِ امانت، ظالم و جاہل بنا — اللہ اللہ، مجھ سا ناقابل بھی اس قابل بنا،
عشق کا خنجر، رگِ جاں پر لگا روزِ ازل — ایک قطرہ خون کا اس سے ٹپک کر دل بنا
"تعرف الاشیاء بالاضداد" سے ثابت ہوا — ذاتِ حق کی معرفت کے واسطے باطل بنا
آج جو کرتا ہوں میں، پاتا ہوں کل اس کی جزا — ماضیء افعال ہی سے میرا مستقبل بنا
مل ہی جائے گا کوئی ہمدرد، آخر! ایک دن — پہلے اپنے دل کو امجد! درد کے قابل بنا

مشرق و مغرب

از جناب اسد ملتانی

پوچھا یہ میں نے ایک حکیمِ فرنگ سے — انصاف کا یہ کونسا معیار ہے کہ یوں
مغرب کی پستیوں کو کہا جائے سربلند — مشرق کی رفعتوں کو کیا جائے سرنگوں
مغرب میں جس کو جذبۂ ملت قرار دیں — مشرق میں ہو وہی تو کہیں مذہبی جنوں
مغرب میں ہو قتال تو وہ جہد للبقا — مشرق میں ہو جہاد تو بیہودہ کشتِ خوں
مغرب میں فتنہ گر کو بھی آزادیٔ زباں — مشرق میں راست گوئی بھی اِک حرکتِ زبوں

مغرب میں وہم وخبط کی بھی قدر دانیاں	مشرق میں علم وفضل کی قسمت بھی واژگوں
مغرب میں داستان بھی تاریخ کا مواد	مشرق میں واقعات بھی افسانہ وفسوں
مغرب میں تو ہوس بھی ہو فطرت کا اقتضا	مشرق میں جوشِ عشق بھی ٹھہرے فسانخوں
مغرب میں شغلِ رقص بھی تہذیب کا نشاں	مشرق میں وحشیانہ ہر اک حرکت وسکوں
بوسے نہیں یہ مشرق ومغرب کا امتیاز	ہے یہ تو صرف سطوتِ ظاہر کا اک فسوں

طاقتوروں کی عقل کے معیار میں اسند
کمزور کو کہاں ہے مجالِ چرا وچوں

حقیقتِ مسلم

(ازجناب محمد سعید ہوشیارپوری)

جو بوالہوس ہیں، وہ مجکو سمجھ نہیں سکتے	شہید ناز ہوں میں کشتۂ وفا ہوں میں،
زمانہ لا نہ سکا جس کی تابِ جولانی،	اسی مجاہدِ اعظم کا نقشِ پا ہوں میں،
محالِ عقل ہے عالم سے میرا مٹ جانا،	کہ آفرینشِ عالم کا مدعا ہوں میں
میں بے نیاز ہوں قطع و برید کے غم سے	جو راست ہے قدِ فطرت پہ وہ قبا ہوں میں
میں ترجمانِ حقیقت ہوں رازِ استقلال	تغیرات کی حد سے نکل چکا ہوں میں،
مرے مقام سے اونچا نہیں کسی کا مقام	کمالِ اوج ہوں رفعت کی انتہا ہوں میں
جو کہہ رہا ہوں میرے پاس اسکی حجت ہے	مآلِ کار کو گویا کہ دیکھتا ہوں میں
کروں گا مشرق ومغرب کو پھر میں زیرنگیں	زمانہ دیکھ ہی لے گا جو کہہ رہا ہوں میں
میرے محاذ سے کہہ دو ہوس پرستوں کو	کھڑے ہوں ہٹ کے کہ اک تیرِ بےخطا ہوں میں
میری گرفت سے دنیا نکل نہیں سکتی،	زبانِ وقت بتا دے گی ہاں؟ کہ کیا ہوں میں

تابشِ سہیل،

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

فطرت کریگی شاید تجدید رنگ و بو کی
قربانگہِ محبت جو یا ہے پھر لہو کی

اللہ ری بہاریں فردوسِ آرزو کی
خلوتکدے میں دل کے دنیا ہے رنگ و بو کی

باد بہار بسمل ہے کس کی جستجو کی
ہر برگِ گل حکایت ہے خونِ آرزو کی

خنجر نے کس کے دی ہے دعوت رگِ گلو کی
ہے رقص بے خودی میں جو بوند ہے لہو کی

غم ہے اساس فطرت دنیائے رنگ و بو کی
شبنم کے اشک سے ہیں تر دستِ ارمغان نمو کی

کیا کیجئے شکایت بے مہری عدو کی
دیکھی ہے مہربانی یارانِ فتنہ جو کی

سرشاریاں نہ پوچھو آغاز آرزو کی
دل تھا کہ کوئی مینا صہبائے مشکبو کی

صبحِ ازل کسی نے چھیڑا تھا نیشتر سے
بسمل پھڑک رہی ہے اب تک رگِ گلو کی

دل کی بہار کیا ہے غم سے نگار رہنا
زخمِ جگر کو گل کے حاجت نہیں رفو کی

کہنے کو لاکھ کہئے سنتا ہے کب کہانی
حسن گرہ برابر و عشقِ نیاز خو کی

اے کاروانِ ملت اٹھ تو بھی گامزن ہو
ہر سمت سے صدائیں آتی ہیں طرقوا کی

شاید حیات اسی کو کہتے ہیں دہر والے
ہوتی ہے اک چبھن سی رگ رگ میں آرزو کی

اے انقلاب گردوں بنتی رہیگی کب تک
عشق و فامنش سے حسنِ بہانہ جو کی

گم کردۂ طلب ہوں اب بے نیاز منزل
اب جا کے حد ملی ہے صحرائے جستجو کی

یارب وہ چشم فتان ساقی رہیگی تا کے
ٹکر رہیگی کب تک پیمانہ و سبو کی

سجدے بھی ناتوان کے ہوتے نہیں پذیرا
فریاد کون سنتا اقبالِ تلخ گو کی

مطبوعات جدیدہ

مخزن شعراء، مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن، ۱۲۰ صفحات،

قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ۱۲ار

یہ گجرات کے اردو زبان کے شعراء کا تذکرہ ہے، اس کے مصنف قاضی نورالدین حسین خاں رضوی فائق ہیں، زمانہ تالیف سنہ ۱۲۶۸ھ ہی، گجرات سے اردو زبان کا تعلق اسی طرح رہا ہو جیسے دکن، پنجاب اور دلی وغیرہ سے، قدیم دکھنی شعراء کی طرح گجراتی شعراء کی تصنیفات و دواوین بھی گجراتی اردو میں ہیں، معارف میں کبھی کبھی گجراتی شعراء کا تعارف کرایا گیا ہو، اس زمانہ میں اگرچہ گجرات میں "گجراتی زبان" یہاں کی ملکی زبان سمجھی جاتی ہو اور یہاں سے اردو شعر و سخن کا چرچا اٹھتا جاتا ہو، مگر مخزن شعراء کو دیکھ کر حیرت ہوئی، کہ بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں گجرات میں اردو زبان ایسی شستہ تھی جیسے اردو کے دوسرے مرکزوں کی زبان، مصنف مخزن شعراء نے قدیم گجراتی شعراء کا تذکرہ نظر انداز کر دیا ہو، اور بارہویں صدی کے شعراء کے صرف وہی اشعار لئے ہیں، جو "عربی و فارسی آمیز گجراتی زبان" سے پاک ہیں، اس لحاظ سے یہ حیرت کی بات ہو، کہ اس تذکرہ میں اچھے اور بلند پایہ شعراء کے کافی نام جمع ہوگئے ہیں، اور ان کے منتخب اشعار کی زبان، محاورہ اور انکی شاعری اس عہد کے دلی اور لکھنؤ کے شعراء سے کسی طرح فروتر نہیں، اور بعض ان میں بھی استاذانہ حیثیت رکھتے ہیں، کیا آج باشندگان گجرات متحدہ قومیت و وطنیت کے نام پر اس مشترکہ زبان پر نئے سرے سے توجہ نہیں کر سکتے، جو مدتوں اون میں پھلی پھولی اور انکی ترقی میں اون کے اسلاف کے کارنامے اور احسانات ہیں،

تذکرہ پر حسب معمول مولوی عبدالحق صاحب کا مقدمہ ہے، اسمیں ولی کے دکھنی و گجراتی ہونے کی بحث تازہ کیگئی ہو، مقدمہ نگار کا رجحان ولی کے گجراتی ہونے کی جانب مائل ہو، اس کے قوی دلائل بھی درج کئے ہیں، کہ بعض اہل تذکرہ نے

ولی کو دکھنی لکھنے کے باوجود اسے مولداً گجراتی بتایا ہے، اور عمر کا بڑا حصہ احمد آباد میں صرف ہوتے دکھایا ہے، کہ شمالی ہند والوں کی اصطلاح میں دکھن سے مراد گجرات، اور حیدر آباد وغیرہ کا پورا خطہ تھا،

مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر، از مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۲۳ صفحات،

یہ مولوی عبد الحق صاحب کا ایک مقالہ ہے، پہلے علی گڈھ میگزین میں چھپا تھا، اب نظر ثانی کے بعد رسالہ کی شکل میں شائع ہوا ہے، اسمیں مرہٹی زبان پر فارسی زبان کے اثرات دکھائے ہیں، یہ خیال سب سے پہلے معارف میں "مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی تعلیم" کے سلسلہ میں ظاہر کیا گیا تھا، اور اسکی طرف مختصر اشارات کئے گئے تھے، مولوی صاحب نے اپنی قابل قدر تحقیقات سے ان اثرات کی پوری تشریح فرمائی ہے، انھیں یوں سمجھنا چاہئے کہ مثلاً موجودہ زمانہ میں اردو زبان پر انگریزی زبان کے اثرات کا مطالعہ اگر کیا جائے تو ان اثرات کے پڑنے کے جو اسباب ہوں گے وہی فارسی کے اثرات مرہٹی پر پڑتے گئے ہیں، مؤلف نے مرہٹی زبان کی عبارتوں، جملوں، ضرب الامثال، اور مفرد الفاظ کو علحدہ علحدہ نمونہ کے طور پر درج کرکے ان میں فارسی زبان کے اثرات کی مثالیں دی ہیں، مرہٹی زبان کے حروف عطف و ربط، مرکب مصادر، اور مشتقات میں بھی فارسی زبان دخیل نظر آتی ہے، پھر دکھایا ہے کہ مرہٹی زبان سے فارسی کے اثر کو خارج کرنے کی کوششیں شیواجی نے کیں پھر یہ تحریک تلک کے زمانہ میں اٹھی، مگر تلک نے شدومد سے اسکی مخالفت کی،

حضرت امجد کی شاعری، از جناب نصیر الدین ہاشمی مولف "یورپ میں دکھنی مخطوطات" جام باغ تربۃ بازار، حیدر آباد، دکن، ۸۰ صفحات قیمت عمر

حضرت امجد حیدر آبادی کو معارف نے حکیم الشعراء کے لقب سے یاد کیا، اور ان کا یہ لقب ملک کے سنجیدہ ادبی حلقہ میں مقبول ہوا، ان کا کلام معارف کی اس اشاعت میں بھی درج ہے، اس رسالہ میں ان کی شاعری کے محاسن دکھائے گئے ہیں، اور مختلف اصناف سخن کو نمونہ کلام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، ابتدا میں موصوف کے مختصر سوانح حیات درج ہیں، اور رسالہ

کا "بیش لفظ" سرامین جنگ بہادر نے لکھا ہے،

جنگ نامۂ عالم علی خان، مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے، ناشر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن، ۸۰ صفحات، قیمت ۸؍

جس زمانہ میں دہلی کے سلاطین سادات بارہہ کے اثر و اقتدار میں تھے، نظام الملک اول کو ان سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا، سید عبداللہ قطب الملک نے اپنے بھتیجے عالم علی خان کو اسکی سرزنش کیلئے مامور کیا ان دونوں کی لڑائی ۱۱۳۲ھ میں پیش آئی جسمیں سید عالم علی خاں مارا گیا، یہ رسالہ اسی لڑائی کی منظوم تاریخ ہے، اس کا ناقص نسخہ مسٹر ولیم ارون نے رسالہ انڈین انٹی کیوری بابت ماہ جنوری ۱۹۰۴ء میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا، مصحح نے قیاسی دلائل سے اس رسالہ کے مصنف کی تعین کی تھی، مولوی عبدالحق صاحب کو اس کا مکمل نسخہ ملا اس کے آخری شعر میں مصنف کا نام غضنفر حسین موجود ہے، جس سے مسٹر ولیم کی تحقیق کی تردید ہو گئی، جنگ کے واقعات تاریخ کی مستند روایتوں کے مطابق ہیں، اس لئے یہ دلی دکھنی کے عہد کی اردو کی ایک منظوم و مستند تاریخ ہے،

ترکوں کی اسلامی خدمات اور اُن کی زبان و ادبیات، ناشر انجمن ترقی اردو، ۱۲۵ صفحات، قیمت ۱۲؍

ڈاکٹر جولیس جرمانس پروفیسر بداپسٹ یونیورسٹی نے جامعہ عثمانیہ میں تین خطبے ترکوں کی زبان و ادب پر دئے تھے، ان کا ترجمہ جناب سید وہاج الدین صاحب بی اے نے کیا ہے، ترکی ادبیات کی نسبت ہماری زبان میں بہت کم سامان ہے، اسلئے بھی یہ مقالہ قابلِ مطالعہ ہے،

خلق عظیم، از جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی، بہ مکان مولوی فیض الدین ایڈوکیٹ، محلہ عابد شاہ، حیدرآباد دکن، ۱۴۲ صفحے، ۱۴؍

جناب قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم نے سیرت نبوی کے مختلف واقعات چھوٹی چھوٹی نظموں میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے، ان کا مجموعہ خلق عظیم کے نام سے شائع کیا ہے، نظمیں سلیس اور انداز بیان دلنشیں ہے، واقعات و روایات مستند ہیں،

اور حتی الوسع مبالغہ سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے،

گلہائے جعفری، ناشر نگار بک ایجنسی، لکھنؤ، ۴۸ صفحے تقطیع جیبی، قیمت ۴؍

جناب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی، ڈپٹی کلکٹر کے اشعار کا انتخاب جناب نیاز فتحپوری نے کیا ہے، دیباچہ میں دکھایا ہے کہ وہ لکھنوی شاعری کے مخالف ہیں، لیکن اثر کی شاعری کا نمایاں امتیاز یہ ہے کہ وہ لکھنوی نہیں ان دس بیس منتخب شعروں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے،

اصنام خیالی، از جناب جلیل احمد قدوائی، ایم اے، ۲۵۱ صفحات، عار، ناشر کتابستان نمبر ۱۷ سٹی روڈ الہ آباد،

یہ جناب جلیل احمد قدوائی کے مختصر افسانوں کا دلچسپ مجموعہ ہے، یہ افسانے مختلف رسالوں میں چھپ چکے ہیں، اون میں سے اکثر ماخوذ و ترجمہ اور بعض طبعزاد ہیں،

سمن پوش، از جناب مجنوں گورکھپوری، ۲۰۰ صفحات، عہ، ناشر ایوان اشاعت گورکھپور،

یہ جناب مجنوں گورکھپوری کے روحانیات کے موضوع پر چند مضامین اور چند افسانوں کا مجموعہ ہے، یہ مضامین لکھنؤ کے روحانیات کے رسالہ "جن" میں جس کے متعلق اس مجموعہ سے پتہ چلا کہ موصوف ہی اسکے اصل روح رواں تھے، شائع ہو چکے تھے،

دل کی رانی، از جناب فرید مچھلی شہری، ناشر ملت بک ڈپو، دہلی، قیمت ۴؍

یہ بھی اک افسانہ ہے، اسمیں ایک نوجوان برہمن کا ذات پات کی بندشوں کو توڑ کر ایک اچھوت لڑکی سے شادی کر لینے کی روداد دلپذیر انداز میں لکھی گئی ہے،

آئین برطانیہ، از جناب ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری، ال ال ڈی، بار ایٹ لا، ناشر باغ و بہار بکڈپو دہلی، ۴۸ صفحات، تقطیع چھوٹی قیمت ۱۰؍

جناب سید نجم الدین احمد صاحب جعفری، ڈپٹی ڈائرکٹر پبلک انفارمیشن حکومت ہند نے انگلستان کی آئینی تاریخ پر اردو کے ایک پرچہ میں ایک سلسلۂ مضمون لکھا تھا، اُسے اب آئین برطانیہ کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہے،

اس میں حکومت انگلستان کے آئین، اسکی ترتیب انگلستان کی سیاسی جماعتوں اور دستوری ترقیوں پر اختصار کے ساتھ عام فہم انداز میں روشنی ڈالی ہے، اس رسالہ کے پڑھنے سے ہندوستان کے سیاسی حالات کے سمجھنے میں بھی امداد ملے گی،

قانون وقف علی الاولاد، مرتبہ جناب محمد اسمٰعیل صاحب ایڈوکیٹ میرٹھ، ۴۰ صفحات، قیمت ۸ر

اس رسالہ میں قانون وقف علی الاولاد (ایکٹ نمبر ۶ ۱۹۱۳ء) کا پورا ترجمہ مع تشریح درج ہی، ابتدا میں اس قانون کے عالم وجود میں آنے کی تاریخ اور اس کے مقاصد و فوائد سمجھائے گئے ہیں تعجب ہے کہ اس میں علمائے ہند کی ان مساعی کا تذکرہ نہیں آیا، جو مولانا شبلی مرحوم کی سرکردگی میں انجام پائیں، کو مسٹر جناح تو اس کو اسمبلی میں پاس کرانے والے تھے، لیکن ابتداءً اسکی تحریک کرنے اور قوم و ملک سے اس کی حمایت حاصل کرنے کی تمام کوششیں ندوۃ العلماء لکھنؤ ہی نے انجام دی تھی،

اقوال الشریفہ فی نکات الکلمۃ الطیبہ، (حصہ اول) از مولوی شاہ محمد سلیم اللہ صاحب

صابری، محلہ پہاڑپور اعظم گڈھ، ۲۲۴ صفحے قیمت :- عہ

یہ رسالہ بریلوی جماعت کے بعض عقائد کے اثبات میں ہے، مثلاً آنحضرت صلعم کی بشریت سے انکار، قیام میلاد کا جواز، روحوں کا مکانوں میں نذر قبول کرنے کیلئے آنا، عرس واعراس کا جائز ہونا، فاتحہ ونیاز کا احادیث، سنن اور صالحین کے اقوال سے ثابت ہونا دکھایا گیا ہے، اور محدثین دہلی و علماء دیوبند کے فتاویٰ کے رد کرنے کی کوشش کیگئی ہے، ثبوت کی اکثر حدیثیں موضوع، متروک اور ضعیف ہیں، مستند اور صحیح حدیثیں بھی دعوی کے ثبوت میں درج ہیں، لیکن اُن کا نفس دعوی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، شاہ صاحب نے ضمناً اپنے واردات بھی لکھے ہیں، مثلاً انکا ۱۳۲۸ء میں کلیر میں حضرت مخدوم صابر سے "دعائے حیدری شریف" کی تعلیم وتلقین حاصل کرنا، رسالہ اس لحاظ سے لائق تعریف ہے کہ مناظرات میں ہونے کے باوجود اس کا لب ولہجہ نرم اور شیریں ہے، رسالہ کی زبان قدیم وضع کی ہے،

المسیح الدجال ویاجوج وماجوج

از مولانا محمد علی صاحب، ایم اے امیر جماعت احمدیہ

احمدیہ بلڈنگز لاہور ۲۰۰ صفحے قیمت مع محصول ۵ر

کتب احادیث میں "مسیح موعودؑ کے پہلو بہ پہلو" مسیح دجال" کی حدیثیں بھی لکھی ہوئی ہیں، اور ان دونوں کے ظہور کا زمانہ ایک ہی بتایا گیا ہے۔ اسلئے جب ایک جماعت نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مختلف دعاوی میں سے ایک دعویٰ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کو تسلیم کر لیا، تو لازماً مسیح دجال کے ظہور کا بھی یہی زمانہ قرار پا گیا۔ لیکن کسی شخص واحد کو مسیح دجال بتانا ممکن نہ تھا اسلئے ایک دوسری راہ اختیار کیگئی، بعض مفسرین نے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے، یاجوج و ماجوج سے ترکوں کو مراد لیا ہے، سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی یہی کیا ہے۔ مولوی محمد حسن صاحب امروہوی مرحوم نے اپنی تفسیر شاہی میں جو ۱۲۹۳ھ میں چھپی ہے، ان سے روس و انگریز کو مراد لیا ہے، اور تعجب یہ ہے کہ اسی زمانہ میں انہوں نے انگریزوں کے بیت المقدس پر قابض ہوجانے کی پیشنگوئی کی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی، (تفسیر شاہی جلد اول ص ۸۳) احمدی دوستوں کیلئے یہ سہارا کافی تھا، انھوں نے مسیح دجال سے متعلق احادیث کو بھی انہی پر منطبق کیا، اور تاویلات کی عظیم الشان عمارت کھڑی کر لی، اسی کا بیان اس رسالہ میں آیا ہے لیکن اس سوال کا حل نظر نہیں آیا کہ اگر مسیح دجال سے مراد شخص واحد نہیں بلکہ مستولی ہونے والی اقوام ہیں، تو مسیح موعود کا مصداق کیوں نہ وہ امت صالحہ قرار پائے جو توحید و رسالت اور اسلام کے بھولے ہوئے اساسی اسباق کو اپنے عمل سے دوبارہ زندہ کرے، اور یہ دلچسپ لطیفہ ہے کہ چودھویں صدی کے "مسیح موعودؑ" کی یہ امتیں ایک طرف انگریزوں کی حکومت برطانیہ کو مسیح دجال کی حکومت ثابت کرتی ہیں، اور دوسری طرف جہاد بالسیف کو منسوخ قرار دیکر اسی "مسیح دجال" کی حکومت کی اطاعت سرزمین ہند میں فرض اور واجب بتاتی ہیں،

نظریۂ مہدی

از جناب ایم حسن لطیفی (اجرنلسٹ) دفتر مطالعہ "شاطو" وکیفیلڈر روڈ، "لدھانہ" قیمت ۸ر

اس رسالہ میں چودھویں صدی میں ایک نئے مہدی کے آنے کی بشارت دیگئی ہے، جو پنجاب کے "ارض لد" یعنی مقام لودھیانہ سے ظہور کریگا، زمانہ ظہور ۱۹۴۵ء بتایا گیا ہے، سردست "مبشر" خود آیندہ اپنی مہدویت کے دعوی سے

اوسی طرح انکار کرتا ہے، جیسے مرزا غلام احمد صاحب نے ابتداً نبوت و رسالت کے دعوی سے انکار کیا تھا، اس رسالہ کے مضامین پہلے پنجاب میں اشتہاروں کی شکل میں نکلے، جب اون کی مخالفت کی گئی، تو مرتب رسالہ کی زیادہ ہمت بڑھی، اور انھون نے اونہی مضامین کو مبسوط رسالہ کی شکل میں شائع کیا، ہماری اولین غلطی یہی ہوتی ہے کہ ایسے لٹریچر پر مخالفانہ سہی مگر توجہ کیجاتی ہے،

دعوتِ عمل، از مولانا محمد عبد الحامد صاحب قادری بدایونی، مولوی محلہ بدایون، ۵۰ صفحے، قیمت ۲ر

اس رسالہ میں قرآن مجید کی آیتون کے ذریعہ مسلمانون کو اخلاق و عمل کی درستی کی دعوت دی گئی ہے، ہر آیت ایک عنوان کے ماتحت ہے، ایسے رسالوں کی اشاعت مسلمانوں کیلئے مفید ہوگی،

کرامات، ترجمہ جناب ملیح آبادی، ہند بک ایجنسی نمبر ۲۰، چتر نجن ایونیو کلکتہ ۲۹ صفحے، قیمت ۲ر

یہ علامہ ابن تیمیہ کے کسی رسالے کا ملخص ترجمہ ہے، اس میں اولیا کی کرامتوں کی صداقت تسلیم کی ہے، اور ان کے نتائج کے اعتبار سے ان کے مفید و مضر ہونے کے پہلو دکھائے ہیں، اور نتیجۃً بتایا ہے کہ کرامات کے ظہور کی قوت پیدا کرنے کیلئے مجاہدہ و ریاضت کرنا دینداری کیلئے سودمند نہیں،

خوارق عادات، از مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی، ناشر مجلس علمی جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، سملک، سورت، ۴۱ صفحے،

اس رسالہ میں انبیا کے معجزون اور اولیا کی کرامتون کو ثابت کیا گیا ہے، اور عقلی دلائل سے منکرین کا رد کیا گیا ہے،

الرّوح فی القرآن، از مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی، مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک (سورت) ۱۴ صفحے،

یہ رسالہ روح کی حقیقت کے بیان میں ہے، جمہور اہل شرع کے مسلک میں روح کو صوفیہ کے اجسام مثالیہ کے مترادف بتایا ہے،

مرنیکے بعد کیا ہوگا، از جناب حکیم محمد یوسف صاحب حضروی مدیر شفا نمبر ۱۰، کوئنز اسٹریٹ کلکتہ

لکھنو کے ایک رسالہ میں حیات بعد الممات کا انکار کیا گیا تھا، اس رسالہ میں اسکی تردید کی گئی ہے،

صدائے ایمان، از مولانا شبیر احمد عثمانی، | ناشر مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سملک (سورت)

نور ایمان، از مولوی بدر عالم دیوبندی | حجم مجموعی ۱۵ صفحے،

یہ دونون رسالے ایک ہی سرورق کے اندر چھپے ہیں، اور دونوں قادیانیوں کے بعض ادعاؤں کے جواب میں ہیں،

اعجاز القران، از مولوی محمد یسین صاحب نجم ہلالی، ناشر جناب شمس النبی محلہ داؤد سرائے سہارنپور، ۹ صفحات،

پنجاب ریلجیس بک سوسائٹی نے "حقائق القرآن" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا، اسمیں آنحضرت صلعم پر معاندانہ اعتراضات کئے گئے تھے، اس رسالہ میں انکے مدلل جوابات درج ہیں، رسالہ کو ناشر نے افادۂ عام اور تبلیغ کیلئے مفت شائع کیا ہے، ناشر سے ملسکتا ہے،

عثمانی قاعدہ، از جناب واحدہ خانم ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ:- کلیۃ القرآن نرسمہا راجہ روڈ بنگلور،

یہ بچون کو قران مجید پڑھانے کا قاعدہ ہے، جو تعلیم کے نئے اصولوں پر مرتب کیا گیا ہے، شاید بنگلور کے اسلامی مدرسوں میں داخل ہے، وہان کے علما کا بیان ہے کہ یہ مفید ثابت ہوا ہے،

طریقۂ تعلیم مطالعۂ قدرت، از جناب جگ موہن لال چترویدی، لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدر آباد، دکن، ۱۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عہ/ ۱ عہ/

اس کتاب میں لائق مصنف نے بچوں کو مطالعۂ قدرت (نیچر اسٹڈی) کی تعلیم دینے کے طریقے بتائے ہیں، پہلے مطالعۂ قدرت کے معنی ومفہوم اور اسکی تعلیم کے فوائد بتائے ہیں، پھر مختلف عمر کے بچوں کو تعلیم دینے کے طریقے جداگانہ بیان کئے ہیں، اسکے بعد ۲۰، ۲۲ مختلف جاندار اور بے جان چیزون پر سبق لکھے ہیں، یہ کتاب نہ صرف اسکول کے اون اساتذہ کیلئے جو اسکی تعلیم دیتے ہیں، مفید ہوگی، بلکہ جن لوگون کے سپرد کم عمر بچوں کی نگرانی ہے، ان کے لئے بھی سودمند ثابت ہوگی،

چڑیا گھر، از میاں سلطان احمد وجودی، ایم آر، اے ایس، "رکن دار المصنفین اعظم گڈہ" (؟) ۵۶ صفحات، قیمت ۴ر پتہ:- نظامیہ ٹبالہ (پنجاب)

اس رسالہ میں چھوٹے بچوں کیلئے نصیحت آمیز اخلاقی قصے لکھے گئے ہیں، یہ قصے زیادہ تر انگریزی ریڈروں سے ماخوذ ہیں،

"س"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۰ صفحے قیمت للعہ، از مولانا عبد السلام ندوی۔

حصۂ دوم - جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ او رکتابت عمدہ، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :- صہ از مولانا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ - مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے طبع دوم،

حصہ اول ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت :- عہ

حصہ دوم ضخامت ۳۰۰ صفحے، قیمت :- عہ

موازنۂ انیس و دبیر، از مولانا شبلی، اردو کے مشہور با کمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۴۴۰ صفحے، قیمت :- سے،

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت :- عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سے، حجم ۲۰۰ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ ولادت و طرز انداز میں بیان کی گئی ہے ۲ کے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں، دار المصنفین

دارالمصنفین کی تاریخی کتابین

تاریخ صقلیہ جلد اول، مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کیطرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے اسمین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۲۰۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی قیمت :- للعہ

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمین ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مفصل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب بآسانی مدون ہو سکتی ہے، حجم ۴۰۰ صفحے. قیمت للعہ مترجمہ مولانا عبدالسلام ندوی

رقعات عالمگیر، اورنگزیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک ۱۰۶۷ کے نام لکھے گئے ہین اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم و ادب، سیاست و تاریخ کے متعلق سیکڑون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص نہایت نہایت دلفریب، قیمت :- للعہ مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے

مقدمہ رقعات عالمگیر، اسمین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور انشا پردازی و مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے طرز انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کیگئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت عہ مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے

الفاروق، یعنی حضرت فاروق اعظم کی سوانح عمری اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمر کی سیاست، اخلاق زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی وہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گرانپایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اصل اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور صحیح نسخہ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلی چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نقشہ مطلا ٹائٹل، ضخامت ۵۲۰ صفحے، قیمت :- للعہ

خلفائے راشدین، سیر الصحابہ کا حصہ اول، یعنی چارون خلفاء کے حالات فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۳۰۰ صفحے، قیمت :- عہ مرتبہ مولانا حاجی معین الدین ندوی

(دارالمصنفین کی کتابون کی مفصل فہرست دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی — منیجر دارالمصنفین — اعظم گڈھ

(مطبع معارف مین محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا)